دھول دیپ

تمدن سندھ پر مبنی تاریخی ناول

یعقوب یاور

ڈھول ٹپّے

یعقوب یاور

"You have no right to assume that you'll be able to write today just because you could write yesterday".

(Hilary Mantel : interview with Paris Review)

"تمھیں یہ باور کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ اگر تم نے کل کچھ لکھ لیا تھا تو آج بھی لکھ پانے کے اہل ہو"۔

(ہلیری مینٹل، پیرس ریویو سے ایک انٹرویو کے دوران)

دل مُن کے بعد سندھ ثلاثیہ کا دوسرا ناول

(تاریخی ناول)

یعقوب یاور

عرشیہ پبلی کیشنز دہلی ۹۵

نام کتاب : دھول دیپ (تاریخی ناول)
مصنف : یعقوب یاور
مطبع : ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دہلی
سرورق : منور علی کاتب اور رشید احمد
ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی

Dhawaldeep (Historical Novel)
by **Yaqoob Yawar**
2nd Edition 2021 1st Edition 2020
ISBN : 978-93-90682-25-6
Price: ₹250/-

ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔6	011-23260668
کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد، دہلی	011-23276526
رائل بک ڈپو، 734 اولڈ کٹرہ، الہ آباد	+91 7905454042
ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	+91 9358251117
بک امپوریم، اُردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔4	+91 9304888739
کتاب دار، ممبئی	+91 9869321477
ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، حیدرآباد	+91 9246271637
مرزا ورلڈ بک، اورنگ آباد	+91 9325203227
عثمانیہ بک ڈپو، کولکاتہ	+91 9433050634
قاسمی کتب خانہ، جموں توی، کشمیر	+91 9797352280
امرین بک ایجنسی، احمد آباد، گجرات	+91 8401010786

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob: +919971775969, +919899706640 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

دِل مَن کی محرک

اُس پاکیزہ روح کے نام

جس کی کمی اِس حصے کو لکھتے وقت سب سے زیادہ محسوس ہوئی

اظہار تشکر

* اس ناول میں ال بابلون اور گل گموش سے متعلق جزوی معلومات یما لک رام کی تصنیف "حمورابی اور بابلی تہذیب وتمدن" سے ماخوذ ہیں۔

* ال بابلون کی تہذیب سے متعلق کچھ باتیں نیاز فتح پوری کی کتاب "ترغیبات جنسی" سے لی گئی ہیں۔

* ناول میں رگ وید اور منوسمرتی کے اشلوک استعمال کیے گئے ہیں۔

* اس ناول میں تارن کے گائن کے بول مشہور موسیقار ڈاکٹر تنوی گوسوامی کے دیے ہوئے ہیں۔

* ال بابلون کے معبد میں گایا جانے والا گیت ڈاکٹر اراوتی کی کتاب "روپانترن" سے لیا گیا ہے۔

میں ان تمام کتب کے مصنفین و مرتبین اور موسیقار ڈاکٹر تنوی گوسوامی کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کی مدد کے بغیر یہ ناول مکمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

فہرست عنوانات

پیش گفتار

وادی سندھ ثلاثیہ سے متعلق پہلے اور دوسرے ناول کا درمیانی وقفہ اتنا طویل ہوگیا ہے کہ کسی طرح کی معذرت کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اس سلسلے کا پہلا ناول دل من ۱۹۹۷ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ یعنی اس بات کو کم و بیش تئیس برس ہو چکے ہیں۔ اب تک اس ناول کے اردو میں تین ایڈیشن (دو ہندوستان سے اور ایک پاکستان سے)، ہندی میں دو ایڈیشن اور انگریزی میں دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ناول قاری کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ بڑی تعداد میں لوگوں نے اسے پڑھا بھی اور پسند بھی کیا۔ اردو، ہندی اور انگریزی کے مختلف رسائل میں اس پر تبصرے شائع ہوئے، جنھیں پڑھ کر مجھے طمانیت کا احساس بھی ہوا اور میری حوصلہ افزائی بھی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ملنے والے ان کے خطوط، ای میل اور برقی پیغامات سے اس بات کا احساس بھی ہوا کہ میرے قارئین مجھ سے کتنی محبت رکھتے ہیں۔ دل من اپنے آپ میں ایک مکمل ناول تھا۔ لیکن شروع ہی سے میرا ارادہ تھا کہ میں اس سلسلے کو تین ناولوں تک لے جاوں گا، جو سب انفرادی طور پر اپنے آپ میں مکمل بھی ہوں گے اور ان میں باہم ایک ربط خاص بھی ہوگا۔ انگریزی ادب میں یہ رواج عام ہے اور وہاں آپ کو ایسے متعدد ناول مل جائیں گے جنھیں ہم ثلاثیہ (Trilogy) کے تحت رکھ سکتے ہیں۔ ہندی میں بھی کچھ ناول نگاروں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے لیکن اردو میں شاید ہی اس کی کوئی مثال ملے۔

میری دیرینہ کاہلی کے علاوہ تاخیر کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ میں ان تمام مقامات کو بہ چشم

خود دیکھنا چاہتا تھا جو اس ناول میں سانس لینے والے تھے۔ اس کے لیے میں پاکستان جا کر موہن جوداڑو اور ہڑپا کی باقیات سے بھی مستفید ہونا چاہتا تھا اور ہندوستان میں بھی ان تمام مقامات کی زیارت کرنا چاہتا تھا جو اس تہذیب سے متعلق ہیں۔ میرے عزیز دوست ڈاکٹر یوسف خشک نے، جو اس وقت شاہ عبد اللطیف بھٹائی یونیورسٹی، خیر پور کے شعبہ اردو کے صدر اور وہاں کی آرٹ فیکلٹی کے ڈین تھے اور اب اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کے چیر مین ہیں، مجھے ایک بین الاقوامی سیمینار میں مدعو کیا تھا اور یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ مجھے بہ نفس نفیس سندھ تہذیب سے متعلق مقامات کی سیر کروائیں گے۔ اس سفر کے لیے میں نے ساری تیاریاں بھی کر لی تھیں لیکن میرا پاکستان جانا اس لیے ممکن نہ ہو سکا کہ مجھے اس سیمینار میں شرکت کے لیے ویزا نہیں مل سکا تھا اور میری یہ خواہش ہنوز تشنہ ہے۔

(دو)

جب مجھے یقین ہو گیا کہ فی الحال میرا پاکستان جانا ممکن نہیں ہے تو اس ناول کو لکھنے کے لیے قلم اٹھانے سے پہلے میں کم از کم ایک بار گجرات کے دھولاویرا اور لوتھل جا کر ان جگہوں کو دیکھنا چاہتا تھا، جو آج کے ہندوستان میں تہذیب سندھ کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ اس کے لیے بھی میں نے اپنی بیٹی ثنا فاطمہ کے ساتھ وہاں جانے کا منصوبہ بنایا، لیکن خدا کی مرضی کچھ اور ہی تھی۔ اسی دوران میرے پاؤں میں فریکچر ہوا اور میں ایک طویل مدت کے لیے ناکارہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے دو ایک کوششیں اور بھی کیں لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ مجبوراً میں نے اس معلومات پر اکتفا کی جو ہمارے عہد میں انٹرنیٹ فراہم کرتا ہے۔ میں نے ان جگہوں سے متعلق تحریروں کا مطالعہ کیا، تصاویر اور ویڈیوز دیکھے اور ان کی مدد سے میری متوقع ذہن سازی ہو گئی جو ناول لکھنے کا محرک بن سکتی تھی۔ اسی دوران کورونا (COVID-19) جیسی وبا نے ساری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا اور خواہی نہ خواہی ہر شخص اپنے گھر میں قید ہو کر رہ گیا۔ میں نے فرصت کے اس وقت کو غنیمت جانا اور اس ناول کو لکھنے کے لیے قلم اٹھا لیا۔ خدا کا کرم شامل حال رہا اور لاک ڈاون کی مدت کے اندر ہی یہ ناول مکمل ہو گیا۔ وہ وبا جو دنیا بھر کے متعدد انسانوں کے لیے پیغام اجل بن کر آئی، نہ جانے کتنوں کو ناقابل برداشت اذیتوں سے گذرنا پڑا، میرے لیے نسبتاً بہتر ثابت ہوئی اور اس دوران مجھے فرصت کے جو لمحات میسر آئے، انھیں میں نے اس ناول کی تکمیل میں صرف کیا۔ میں خوش ہوں کہ سندھ ثلاثیہ کے سلسلے کا

دوسرا ناول ''دھول دیپ'' آپ کے سامنے پیش کر پا رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ حسب سابق یہ ناول بھی آپ کی پسند پر پورا اترے گا اور جلد ہی میں اس کا تیسرا حصہ بھی منظر عام پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

اس ناول میں بھی زبان کا وہی رنگ و آہنگ ہے جو دل من میں تھا۔ دل من پر بھی لوگوں نے اس بنیاد پر سوال اٹھائے تھے کہ اردو کے ناول میں اتنی گاڑھی ہندی کیوں استعمال کی گئی ہے، لیکن میرا آج بھی یہی خیال ہے کہ سندھ کی قدیم تہذیب اردو کی تہذیب سے میل نہیں کھاتی، اس لیے میں نے دل من کی طرح اس ناول میں بھی اردو زبان کا استعمال صرف ناول کے بیانیہ والے حصے میں روا رکھا ہے اور تمام مکالمے ہندی میں تحریر کیے ہیں۔ اس ناول میں ال بابلون کے کردار بھی آپ کو اردو بولتے ہوئے نظر آئیں گے، کیونکہ یہ تہذیب ہندی کے مقابلے میں اردو سے زیادہ قریب ہے۔ مجھے امید ہے کہ زبان کا یہ انداز قارئین پر بار نہیں ہوگا۔

اس ناول میں دھولا ویرا کا نام دھول دیپ اور لوتھل کا نام لوتھل بندر رکھا گیا ہے۔ اسی طرح بابل (Babylon) کا نام میں نے ال بابلون رکھا ہے۔ کچھ اور مقامات اور لوگوں کے ناموں کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ یہ سب میں نے اس لیے کیا ہے کہ ناول میں قدیم تہذیبی ماحول برقرار رہ سکے۔ اس میں مجھے کتنی کامیابی ملی ہے اس کا فیصلہ اب آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ یہاں میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ناول تاریخ پر مبنی ضرور ہے لیکن تاریخی دستاویز نہیں ہے۔ میری اولین کوشش یہ رہی ہے کہ میں ہندوستان کے چھ سات ہزار سال پہلے کے ماحول و معاشرے کو دوبارہ زندہ کرسکوں۔ چنانچہ یہ ایک خالص ادبی اور تخیلاتی ناول ہے، جس میں حقائق کی بہ نسبت تخیل کی کارفرمائی زیادہ ہے۔

(تین)

اردو میں ناول کم لکھے جا رہے ہیں، یہ شکایت عام ہے۔ یہ کم کیوں لکھے جا رہے ہیں اور وہ کون سی صنف ادب ہے جس میں ناول کے مقابلے میں زیادہ لکھا جا رہا ہے، ان باتوں پر بغیر ایک دوسرے پر لعن طعن کیے سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے اپنے خیال میں ناول لکھنے والے اس لیے کم ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ ادبی فیشن سے باہر ہو رہا ہے اور اس کو خاطر خواہ قارئین

نہیں مل رہے ہیں۔ دراصل ہمارے یہاں ایک طویل عرصے تک ناول اور افسانے کے نام پر فہم و ادراک سے بلند تحریریں لکھی گئی ہیں۔ کچھ لوگ آج بھی ایسی ہی تحریریں لکھ رہے ہیں، جنھیں پڑھنے کی سمجھ ہمارے قارئین میں نہیں ہے۔ میں نے ناول کے دلدادہ کچھ لوگوں سے سنا ہے کہ وہ ان ناولوں کی زبان کو جناتی زبان کہہ کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کچھ ایسے لکھنے والے بھی ہیں جو اپنے ناولوں میں زبان و بیان پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے اور ان کی زبان میں جگہ جگہ غلطیاں در آتی ہیں۔ میں ایسا مانتا ہوں کہ یہ ناول نگار کی ذمہ داریوں کا حصہ ہے کہ وہ زبان و بیان پر خصوصی توجہ صرف کرے۔ شاید یہی سبب ہے کہ ہمارا قاری کتابوں سے متنفر ہو کر اس دنیا سے باہر چلا گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ ناول نگار اپنے ناولوں کا تانا بانا قاری کو سامنے رکھ کر بنے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس میں اور مشاعرے کے شاعر میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ ظاہر ہے ایسا مصنف قاری کو کچھ دینے کے بجائے اس سے داد کا طلب گار ہوتا ہے اور یہ عمل ادب کی دنیا کے ممنوعہ اعمال میں سے ایک ہے۔

یہ سچ اپنی جگہ ہے کہ ہمارا معاشرہ قاری سے خالی ہو رہا ہے، شاید اس نے اپنے لیے دوسری دلچسپیاں تلاش کر لی ہیں۔ کتابوں میں سر کھپانا اب اسے وقت کا زیاں لگنے لگا ہے۔ لیکن یہ صرف ہمارا نہیں ایک عالم گیر مسئلہ ہے۔ میری اپنی سوچی سمجھی رائے ہے کہ یہ زمانہ کتابوں میں علمیت اور فلسفہ بگھارنے سے زیادہ قاری کو دوبارہ مطالعے کی طرف واپس لانے کا ہے۔ دنیا کی کئی دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان بھی بڑی تیزی سے بدل رہی ہے۔ ہمیں اپنی لغات میں ان الفاظ کو شامل کرنا ہوگا جو عوام میں مستعمل ہیں۔ اور ادب کے میدان میں ناول ایسی زبان کے استعمال کرنے کا سب سے بہترین آلہ ہے۔

اگر میری بات سے کسی کی دل آزاری نہ ہو تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ ہماری تنقیدی اور تحقیقی تحریریں پورے طور پر قاری سے عاری ہو چکی ہیں۔ ناقدین اور محققین کی لکھی ہوئی کتابیں اب تخلیق کار تو بالکل ہی نہیں پڑھتے۔ یہ کتابیں صرف وہی لوگ پڑھتے ہیں جو خود بھی اسی طرح کی کوئی کتاب یا مقالہ تصنیف کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک میرا سوال ہے، روز اول ہی سے میری یہ کوشش رہی ہے کہ ناول ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھوں کہ یہ بغیر ذہن پر زیادہ زور ڈالے قاری کی سمجھ میں بھی آئے اور وہ اس کی گوں ناگوں دلچسپیوں میں اپنے مطالعے کی جنت کی بازیافت کر سکے۔

چند مستثنیات کو چھوڑ دیں تو ہماری بیشتر دانش گاہوں میں کی جانے والی تحقیقی و تنقیدی

کاوشوں نے ہمارے نوجوانوں کو تخلیق سے صرف دور ہی نہیں کیا بلکہ تخلیق کاروں سے نفرت بھی سکھائی ہے۔ ان کی گھٹی میں بہ جبر یہ بات ڈالی گئی ہے کہ تخلیق کار ایک معمولی اور حقیر انسان ہے۔ اور ناقد و محقق جیسے بلند پایہ ادیب کو ان لوگوں سے قربت میں احتیاط برتنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ عالم ادب میں تحقیق و تنقید کی قدر و منزلت ثابت کرتی ہے کہ یہی ادب کی اساس ہے۔ ظاہر ہے یہ بات درست نہیں ہے۔ لیکن کئی پیڑھیوں سے ہمارے نوجوان یہی سب سنتے آرہے ہیں اور وہ ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنے دلوں میں تخلیق کاروں کے لیے وہ عزت و احترام روا نہیں رکھتے جو ان کے دلوں میں نقادوں اور محققوں کے لیے ہوتی ہے۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے تک یہ بات مشہور تھی کہ ہندوستان میں شائع ہونے والی کتابوں میں زیادہ تعداد شعری مجموعوں کی ہوتی ہے۔ اور ان میں سے بیشتر کوڑے دان میں پھینکے جانے کے لائق ہیں۔ ممکن ہے کسی زمانے میں اس بات کا تعلق حقیقت سے رہا ہو لیکن میرا حالیہ تجربہ کچھ اور کہانی کہتا ہے۔ ادھر کم و بیش ایک دہائی تک میں اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو کا رکن رہا اور وہاں میں نے دیکھا ہے کہ انعام کی غرض سے سارے ہندوستان سے جو کتابیں آتی ہیں، ان میں شعری مجموعوں سے بھی زیادہ تعداد تنقیدی و تحقیقی کتابوں کی ہوتی ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ اگر تنقیدی کتب تخلیقی ادب سے زیادہ شائع ہو رہی ہیں تو مجموعی طور پر میں اسے ادب کے لیے فال نیک نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ میری نظر میں تنقید و تحقیق بذات خود جسم نہیں صرف سایہ ہیں۔ اور سائے کی بقا کا انحصار جسم پر ہے۔ پھر یہ تو تحریروں کا ایسا ذخیرہ ہے جسے قاری ہی میسر نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص واقف ہے کہ ایسی کتابوں کی تعداد میں اضافہ کیوں ہوا ہے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا ان کتابوں کے مصنفین کو واقعی مصنف کہلانے کا حق حاصل ہے۔

میں جانتا ہوں کہ یہاں یہ بحث مناسب نہیں تھی۔ لیکن یہ میرے دل کے پھپھولے ہیں جو پھوٹ بہے ہیں۔ معذرت خواہ ہوں کہ میں ناول کی متجسس دنیا اور آپ کے درمیان مخل ہوا۔ بہر حال اب آپ ہیں اور یہ ناول ہے۔ پڑھیے اور ہو سکے تو مجھے بھی بتائیے کہ آپ کو یہ ناول کیسا لگا۔

بنارس، یکم جون ۲۰۲۰ء

یعقوب یاور

ابتدائیہ

(ایک)

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ سارا آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سورج دن میں بھی اپنا چہرہ دکھانے میں شرمندگی محسوس کر رہا ہے۔ شاید اسے بھی امید نہیں تھی کہ دنیا میں یہ کچھ ہونے والا ہے۔ دل من، ہریوپیا، دیجی کوٹ اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں بسے ناگروں نے بارش کے ایسے خطرناک تیور نہ تو پہلے کبھی دیکھے تھے اور نہ اپنے بزرگوں سے سنا تھا۔ انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس خطے کو تباہ کرنے میں دریائے سندھ کا قہر و غضب بھی بارش کا ہم نوا ہو گیا ہے اور نتیجے کے طور پر وہاں سے بھی پانی ابل کر سیلاب میں اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ اب یہ محض ان لوگوں کا وہم تھا یا اس میں بھی کچھ حقیقت تھی کہ انھیں یہ لگ رہا تھا کہ زمین میں بھی کئی جگہوں پر پانی کے سوتے پھوٹ نکلے ہیں۔ شہر کے سارے لوگ دیوتاؤں کو یاد کر رہے تھے۔ لیکن دیوتا جیسے اِس دھرتی اور یہاں کے رہنے والوں سے غافل ہو چکے تھے۔ شاید اب انھیں بھی ان کے مرنے جینے کی کوئی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔

دل من کا سارا شہر دو ٹیلوں پر آباد تھا۔ بلندی پر رہنے کا فیصلہ شاید ایسے ہی دنوں کو نظر میں رکھ کر کیا گیا تھا۔ مسلسل ہونے والی بارش اور سندھ کے سیلاب نے مل جل کر جو قہر برپا کیا تھا، اس نے پہلے فصیل شہر کے چوبی دروازے کے باہر بے سدھ اور بے دم پڑی دیوانئی کی قدم بوسی کر کے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ پھر شہر پناہ کی مشرقی دیوار منہدم ہوئی اور اس کے بعد پانی کا زبردست ریلا شہر میں داخل ہو گیا تھا۔ مہا پتھ سمیت دل من کی تمام وسیع و عریض

سڑکیں، قابل رشک پختہ گلیاں اور نچلے حصے میں بنے بیشتر مکانات اس طوفان بلاخیز کی زد میں آچکے تھے۔ آسمان سے بارش کا ہونا، سندھ کا سیلاب بلاخیز اور زمین سے پانی کا مسلسل ابلنا اب بھی جاری تھا۔ اس کے زور میں اب بھی کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔ شہر میں چاروں طرف ڈوب کر مرتے ہوئے ناگرکوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں، جو اس سیلاب کے شور میں ڈوب کر کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد نچلے لیکن بڑے ٹیلے پر رہنے والے ناگرک بھی فکر مند ہونے لگے۔ پہلے انھیں اس بات کا اطمینان تھا کہ سیلاب کا پانی اتنی بلندی تک نہیں آسکے گا۔ لیکن اس کے تیور دیکھ کر اب انھیں بھی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ جہاں تک ان کی نظر جا رہی تھی پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری دنیا میں اب خشک زمین کا نام ونشان ہی نہیں رہ گیا ہے۔ اور برسات تھی کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے جتن اب بھی کیے جا رہے تھے۔ کوئی ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا اور کوئی اگنی کنڈ کے سامنے دیوتاؤں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا اور کوئی زمین پر سر ٹکرا اپنے پاپوں کو یاد کر رہا تھا۔ یہ لوگ اب اپنے اپنے پاپوں کو یاد کر کے شرمندہ تھے۔ انھیں آج دیوتاؤں کی منت سماجت خود غرضی معلوم ہو رہی تھی۔ رفتہ رفتہ انھیں یقین ہونے لگا تھا کہ دیوتا ان سے خفا ہو چکے ہیں اور اب ان کی منت سماجت کا ان پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنی جان بچانے کے لیے اب بھی کوشاں تھے۔ جنھیں تیرنا آتا تھا، وہ تیر رہے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ انھیں کسی طرف خشک زمین کے دیدار ہو جائیں اور جو تیرنا نہیں جانتے تھے وہ اپنی آخری سانسیں گن رہے تھے۔

اونچے ٹیلے پر بنے نگر پالک کے کوٹ میں بھی کم ہنگامہ نہیں تھا۔ نچلے ٹیلے پر واقع شہر کی تباہی کا منظر ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ انھیں وہاں آباد تمام ناگرکوں کی تباہی کا دکھ بھی تھا اور وہ خوف زدہ بھی تھے، لیکن کم از کم وہ اپنی جانوں کے لیے مطمئن تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ بڑے ٹیلے کی آخری چوٹی بھی پانی میں ڈوب چکی ہے اور سیلاب عظیم نے ان کے کوٹ کے دروازے پر دستک دے دی ہے تو وہ بھی گھبرائے۔ اب یہاں بھی چاروں طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ نہ کوئی داس رہ گیا تھا اور نہ کوئی

سوامی۔کیونکہ اب داس سوامی کی سننے کے بجائے اپنی جانیں بچانے کے لیے فکر مند تھے۔اب رشتوں ناطوں کا بھی کوئی مطلب نہیں رہ گیا تھا۔سب کو اپنی اپنی جان کی فکر دامن گیر تھی۔سوائے اپنے کوئی کسی اور کے لیے فکر مند نظر نہیں آ رہا تھا۔ہر شخص کوٹ کی دوسری منزل کی طرف بھاگ رہا تھا۔کہ وہاں اب بھی زندہ رہنے کی ایک ہلکی سی امید باقی تھی۔لیکن سچ پوچھو تو یہ تباہی دیکھ کر ہر شخص کو یہ یقین ہونے لگا تھا کہ یہ طوفان آیا ہی اس لیے ہے کہ یہاں کے ایک ایک شخص کو ختم کر دے۔لوگ رو رو کر دیوتاؤں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے اپنی سلامتی کی دعا کر رہے تھے۔لیکن دیوتا ان سے بہت ناراض تھے۔ان کی ناراضگی کا سبب اب ہر شخص کی سمجھ میں بھی آ رہا تھا۔انھیں احساس تھا کہ وہ اپنے اپنے گناہوں کی بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔

نہ تو بارش کی شدت میں کوئی کمی آ رہی تھی اور نہ دریائے سندھ کا غضب ہی کم ہو رہا تھا۔ دھیرے دھیرے شہر کا یہ آخری حصہ، دل من پالک کی رہائش گاہ، نہایت مستحکم کوٹ پانی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔اب یہاں موجود لوگ بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور اپنے اپنے پاپوں کو یاد کر کے دیوتاؤں سے معافی مانگ رہے تھے تاکہ ان کے من کو کچھ شانتی مل سکے۔ نگر پالک سرُ ال بھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے مہادیو سے مخاطب تھا۔اسے اِس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ یہ سیلاب بلا خود اسی کے پاپوں کا پھل ہے۔اب اسے اپنی ماں دیوانئی کی یاد بھی شدت سے آ رہی تھی، جس کے ساتھ اس نے ناانصافی کی تھی۔لیکن اب پچھتانے سے کچھ ہونے والا نہیں تھا۔وہ دیوتاوں سے معافی کا طلب گار تھا۔لیکن بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں اس کی آواز دب کر رہ گئی تھی، جیسے مہادیو نے اس کی بات ماننے سے تو دور سننے سے ہی انکار کر دیا ہو۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد دل من اور آس پاس کے علاقوں میں ایک بھی چیخ باقی نہیں بچی تھی۔پورا شہر ایک طویل خاموشی کی گرفت میں تھا۔آواز تھی تو بس تیز ہواؤں کے چلنے کی. جھما جھم پانی کے گرنے کی اور دریائے سندھ کے گرجنے کی لیکن اب طوفان کی شدت میں کمی آنے لگی تھی۔

اس کے بعد سورج نے اس حسین شہر، دیوتاؤں کی پسندیدہ سرزمین، جنت نظیر دل مُن کی شہر پناہ کے پھاٹک کو کھلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(دو)

دل من کے شمال مشرق میں ایک کوس کے فاصلے پر واقع پہاڑی کی ایک بلند چوٹی پر ایک رشی تپسیا میں لین تھے۔ ان کا جسم مضمحل تھا لیکن ان کے تھکے ہوئے چہرے سے بھی نور ٹپک رہا تھا۔ یہ مہرشی سپت منو تھے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ انھوں نے معاشرے کو منظم کرنے کی غرض سے ایک مہا کاویہ کی رچنا بھی کی ہے۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مہادیو کے پتر ہیں اور پہلے دیوتا ہوا کرتے تھے لیکن دل من کی مقدس دھرتی سے اپنے پریم کے سبب سیدھے آسمانوں سے اتر کر زمین پر اوترت ہوئے تھے۔ ان کی عمر کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں مشہور تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ وہ ہزار برس سے زیادہ عرصے سے اس زمین پر موجود ہیں۔ کسی کا خیال تھا کہ انھیں دھرتی پر آئے ہوئے اس سے بھی زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ ایک ڈھونگی ہے جو اپنی طول عمری کی افواہ پھیلا کر عزت حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

ان کے جسم کی ساخت مقامی لوگوں سے مختلف تھی۔ ان کے گال کے اوپر آنکھ کے نیچے گڑھے تھے، آنکھوں کا رنگ سیاہی مائل سبز تھا۔ ان کی رنگت گوری اور قد دراز تھا۔ چہرے پر بغیر ترشی لمبی داڑھی مونچھ تھی، جس پر ان کی عمر کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ سر کے بال بھورے اور چمک دار تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت دیوتاؤں کی شرن میں ہیں۔

اچانک انھیں لگا کہ ان کے کانوں میں کچھ خوف ناک آوازیں گونج رہی ہیں۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں تو دور اس جگہ پر جہاں آسمان اور زمین ایک دوسرے سے گلے ملتے نظر آ رہے تھے، اور جہاں کے بارے میں مشہور تھا کہ روئے زمین پر اس سے خوب صورت کوئی دوسری جگہ موجود نہیں ہے، انھیں پانی ہی پانی نظر آیا۔ انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ان کی تپسیا کے باوجود گذشتہ کچھ دنوں سے ان کے خواب میں زمین کے کچھ خاص حصوں کے تباہ کر دیے جانے کا جو انتباہ دیا جا رہا تھا وہ اب واقع ہو رہا ہے۔ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ پوجیہ دیوی دیوتاؤں نے یہ فیصلہ کافی سوچ سمجھ کر لیا ہوگا۔ لیکن وہ یہ منظر دیکھ کر دکھی تھے۔ ان کی محبوب سرزمین جس کے لیے انھوں نے دیولوک کو تیاگ دیا تھا، تباہ و برباد ہو رہی

تھی۔ بے چینی میں وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور مہادیو کی جے کا نعرہ بلند کرنے لگے، ان کی آنکھیں اب بھی اس منظر پر مرکوز تھیں جہاں دیوتاوں کا عذاب نازل ہو رہا تھا۔

وہ دکھی من سے دل من جیسے بے نظیر شہر، دیوتاوں میں ہر دل عزیز سرزمین کو سیلاب عظیم کی زد میں آ کر دفن ہوتے دیکھ رہے تھے۔ وہ مغموم تھے لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ یہاں کے رہنے والوں سے دیوتا اس حد تک ناراض ہو چکے تھے کہ وہ ان کی تپسیا کو بھی مسلسل نظر انداز کیے جا رہے تھے۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی ان کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اسی پہاڑی کی کسی نسبتاً کم اونچی چوٹی کی تلاش میں نکل پڑے، جہاں سے یہ منظر ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور وہ اپنی تپسیا جاری رکھ سکیں۔

انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب اور اس تباہی کو دیکھ پانے کی قوت اپنے اندر نہیں پا رہے ہیں۔

(تین)

سندھ کے ساحل پر آباد دل من، دیجی کوٹ اور چاہو دارو کی طرح ہی راوی ندی کے کنارے آباد گروکلوں، سنتوں اور ودیارتھیوں کا عظیم الشان شہر ہریوپیکا بھی محفوظ نہیں تھا۔ ہریوپیکا ہی کیا یہ طوفان باد و باراں اور دریائے سندھ اور اس کی تمام معاون ندیوں کا عذاب اس علاقے پر قہر بن کر ٹوٹا تھا۔ اس خطہ زمین کا بیشتر حصہ ویسے بھی میدانی علاقے میں واقع تھا، جہاں ندی کے جزوی ڈھلان سے اوپر پانی کے آتے ہی سارا علاقہ زیر آب ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن ہر بار مناسب احتیاطی تدابیر کے بعد سیلاب کے باوجود یہ شہر محفوظ رہتا تھا۔

لیکن اس بار کا سیلاب تو دیوتاوں کے قہر کی طرح نازل ہوا تھا۔ سارا ہریوپیکا نہ صرف زیر آب آ چکا تھا بلکہ یہاں کے سینکڑوں مکانات منہدم ہو گئے تھے اور یہاں رہنے والے ہزاروں لوگ لقمہ اجل بھی بن چکے تھے۔ اب نہ یہاں پر کوئی گروکل محفوظ تھا، نہ کوئی معلم اور نہ ان گروکلوں میں تعلیم حاصل کرنے والے ودیارتھی۔ سب کچھ تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ ہریوپیکا میں رہنے والے اب صرف وہی لوگ زندہ تھے جو سیلاب کے وقت کسی نہ کسی سبب اس خطے سے دور چلے گئے تھے۔

(چار)

دل من صرف دیوتاوں کے لیے دلکشی رکھتا ہو ایسی بات نہیں تھی۔ زمین کے مختلف حصوں پر رہنے والے لوگ بھی الگ الگ وجوہ کی بنا پر اس شہر سے محبت کرتے تھے۔ کچھ اس لیے اس کے عشق میں گرفتار تھے کہ یہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا اور ان کی تجارت اس شہر کی مرہون منت تھی۔ کچھ لوگ جو یہاں کے رہنے والے تو نہیں تھے لیکن اس شہر میں وقتاً فوقتاً آمد و رفت رکھنے کے سبب اسے پسند کرتے تھے۔ جو یہاں کے رہنے والے تھے وہ تو اپنے اس شہر پر فخر کرتے تھے اور اس شہر کے دلدادہ اس لیے بھی تھے کہ یہ شہر ساری دنیا میں ان کی نیک نامی اور عزت افزائی کا سبب تھا۔

لیکن آج یہ دلکش اور ہر دل عزیز شہر تباہ ہو رہا تھا اور ہر شخص اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، بھلے ہی وہ اس کا تذکرہ کسی دوسرے سے نہیں کر رہا تھا۔

اُدھر دل من کی تباہی دیکھ کر دیوتاوں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ان کے خوابوں کا شہر برباد ہو رہا تھا اور وہ خوش تھے۔ جیسے زمین پر جو قیامت برپا تھی، سب ان کی مرضی کے عین مطابق تھا۔ جیسے کسی نئی تعمیر کے لیے یہ تخریب لازمی تھی۔ جیسے ان کے دل و دماغ میں کسی نئے شہر کا نقشہ ترتیب پا رہا تھا، جو عنقریب ہی منظر عام پر آنے والا تھا۔

(پانچ)

''ارے کچھ سنا تم نے''؟ دل من کے جنوب مشرق میں بیس کوس کے فاصلے پر سرسوتی ندی کے کنارے بسے اور ما گڑھی کے دھرم گرو اور دیوایتن کے مہا پروہت پورب سائیں نے کھانے کا سامان بیچنے والے بھاما کو راستے میں روک کر پوچھا۔

''کیا؟ کیا کوئی بری خبر ہے؟ ...... سب کشل منگل تو ہے نا''؟

''سن رہے ہیں کہ دل من نگر برباد ہو گیا''۔ پورب سائیں نے بتایا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو دیوتاوں کی دھرتی ہے۔ اسے بھلا کون برباد کر سکتا ہے۔ دیوتاوں سے کوئی جھگڑا مول کیوں لے گا۔ یہ سماچار ستیہ نہیں ہو سکتا''۔

"پرنتو میرا وشواس کرو، ایسا ہی ہوا ہے بھاما"۔ پورب سائیں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے لگتا ہے کہ سویم دیوتاوں نے ہی اسے نشٹ کیا ہے۔ وہاں پرلے آ چکی ہے پرلے، دَیوی پرکوپ سے سمت نگر سندھو ندی کی باڑھ اور بے موسم کی ورشا میں ڈوب گیا ہے۔ ادھکانش ناگرک مر کھپ گئے باقی جس کی جہاں سینگ سمائی بھاگ گیا"۔

"دُکھد، اتینت دُکھد"۔ بھاما نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "وشواس نہیں ہوتا۔ دل مَن ہمیشہ سے آس پاس کے تمام نگروں اور بستیوں کے لیے ایک اُداہرن رہا ہے۔ پرنتو دیکھا جائے تو وہاں سچ مچ پاپ کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔ میں ابھی کچھ مہینے پہلے ہی وہاں گیا تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا تھا اس نے مجھے دکھی کر دیا تھا۔ وہاں جو ہو رہا تھا اسے بالکل اچھا نہیں کہا جا سکتا۔ سچ پوچھو تو وہاں نہ کوئی نیم تھا نہ دیوستھا تھی۔ جسے دیکھو سب اپنی من مانی کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ چور اُچکوں کی بن آئی تھی۔ نگر پالک کے ویر لوگوں کو بتاتے پھر رہے تھے کہ وہ اپنے دھن اور سامگری کی سرکشا سویم کریں۔ کیا مہامن، کیا کرتا اور کیا سامانیہ ناگرک جن، سب کے سب سر سے پیر تک بھوگ ولاس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور اِستریوں کا حال تو پوچھو ہی مت۔ وہاں ایک اِستری مجھے ملی تھی۔ اس کی دُردشا دیکھ کر تو میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔ مجھے وشواس ہے کہ دیوتاوں نے انہیں ان کے انہیں کُکرموں کا دنڈ دیا ہے۔ اب ہم ان کے لیے پرارتھنا ہی کر سکتے ہیں کہ مہادیو ان کو چھما کریں اور ان کی آتما کو شانتی دیں۔

(چھ)

لاپیس اور انوبیس دو تاجر اس تجارتی جہاز پر سوار تھے جو مصر کے ہُرغادا بندرگاہ سے دل مَن کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اس جہاز میں وہ سامان لدا ہوا تھا جو انھیں دِل مَن اور دریائے سندھ کے ساحل پر بسے دوسرے شہروں میں فروخت کرنا تھا اور واپسی میں وہاں سے موتیوں اور سونے چاندی کے زیورات اور ہڈیوں سے بنے آرائشی سامان، مانک، مٹی کے کھلونے اور تانبے کے اوزار جیسے سامان لے کر مصر واپس آنا تھا۔ یہی ان کا کاروبار تھا۔ اپنی تجارت کی غرض سے وہ دل مَن آتے جاتے رہتے تھے اور ہر بار انھیں کافی منافع ہوتا تھا لیکن پچھلی بار تو انھیں غیر معمولی

فائدہ ہوا تھا۔ اس بار بھی انھیں پوری امید تھی کہ انھیں اچھا خاصا منافع حاصل ہوگا۔ ابھی ان کے سفر کے آغاز کو تین ہی دن ہوئے تھے کہ مخالف سمت سے آنے والے ایک دوسرے جہاز کے کپتان نے ان کے کپتان کو مطلع کیا کہ وہ جہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ شہر پوری طرح تباہ ہو چکا ہے اور اب وہاں بکھری ہوئی لاشوں، اکھڑے ہوئے درختوں اور ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں بچا ہے۔ یہ سب سن کر کپتان کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ بے حد پریشان تھا۔ اس پریشانی میں اسے اوریش مہاجن کی یاد آئی جو دل من کا ہی رہنے والا ایک تاجر تھا اور ان کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ اس نے سنا تھا کہ وہ شخص تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے بنگر پالک کا کرتا بھی ہے۔ اس نے سوچا، پتہ نہیں اسے یہ خبر ملی بھی ہوگی یا نہیں۔ چنانچہ اسے یہ اطلاع دینے کی غرض سے وہ اسے تلاش کرنے لگا۔

تھوڑی ہی تلاش کے بعد وہ اسے مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ اسے یہ منحوس خبر پہلے ہی مل چکی ہے، جسے سن کر وہ کچھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹا دل من ہی میں رہتے تھے۔ وہ ان کے لیے فکر مند ہو گیا تھا۔ لیکن جو اطلاع اسے ملی تھی اس کی رو سے وہاں کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب ان میں سے کسی کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ ابھی اسی لمحے وہ ان کے پاس پہنچ جائے اور دیکھے کہ وہ کس حال میں ہیں، لیکن یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔ ان کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو چکی تھیں۔ اس نے کپتان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اسے لگا جیسے وہ اسے کچھ بتانا چاہتا ہو۔ وہ بھی آگے بڑھا اور اس کے پاس پہنچ گیا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ دل من کے بارے میں تمھیں خبر مل چکی ہے"۔ کپتان نے کہا۔

"ہاں"۔ اوریش نے کہا۔ "ابھی ابھی ایک جہازی نے بتایا کہ قریب سے گزرنے والے ایک جہاز کے کپتان نے یہ بات بتائی ہے"۔

"یہ بہت بری خبر ہے"۔ کپتان بولا۔ "اب ہمارا کیا ہوگا؟ ہم اس تجارتی مال کا کیا کریں جو ہم دل من میں فروخت کرنے کی غرض سے لائے تھے"۔ اس کے چہرے سے اس کی پریشانی عیاں ہو رہی تھی۔ "کیا ہمیں اپنا سفر یہیں روک کر واپس مصر چلنا چاہیے"؟

"میرا تو پورا پریوار ہی ختم ہو گیا"۔ اوریش کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے

تھے۔اس کا اپنا غم ان تاجروں کے غم سے کئی گنا بڑا تھا۔

اس جہاز میں بیشتر مصری تاجر ہی تھے۔اس خبر کے بعد انھیں دل من جانے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، چنانچہ انھوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جہاز کو واپس مصر کی جانب موڑ لیا جائے اور ہونے والے اس نقصان کو مقدر سمجھ کر صبر کیا جائے۔لیکن اوریش مہاجن نے انھیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ واپس جانے سے تو کوئی فائدہ ہے نہیں، الٹے نقصان ہی نقصان ہے۔اس لیے کیوں نہ ہم لوگ اب دل من کے بجائے لوتھل بندرگاہ پر اتریں، جہاں تجارتی مال کے کھپ جانے کی پوری امید ہے۔وہ دل من جیسا بڑا تجارتی مرکز تو نہیں ہے لیکن وہاں کی آبادی بھی اچھی خاصی ہے اور جلد یا کچھ دیر سے ان کا سامان وہاں فروخت ہو سکتا ہے۔دل من سے وہاں کا فاصلہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔وہ بندرگاہ بس ایک دن اور ایک رات کی مزید مسافت پر واقع ہے۔مصری تاجروں کو اوریش مہاجن کی بات مناسب معلوم ہوئی اور انھوں نے دل من کے بجائے لوتھل جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

نیا سویرا

(ایک)

رفتہ رفتہ تاریکی بڑھ رہی تھی۔ آسمان اب بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن بارش رک چکی تھی۔ ہوا کی رفتار اب بھی تیز لیکن خوش گوار تھی۔ پانی میں تیرتے ہوے اُسے سورج کے دیدار نہیں ہوے تھے لیکن نوجوان تارن نے طلوع آفتاب کے مقام پر دوبار آسمان کو سرخ ہوتے ہوے ضرور دیکھا تھا۔ اس نے اس کا مطلب یہ نکالا تھا کہ اسے پانی میں تیرتے ہوے دو دن گذر چکے ہیں۔ اس کا بدن تھکن سے نڈھال تھا۔ لیکن جان بچانے کی کوشش میں اسے کہیں سے اضافی قوت ملتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، جسے وہ اپنے کرموں کا پھل اور دیوتاوں کی مہربانی تصور کر رہا تھا۔

بالآخر اُس کا انتظار ختم ہوا۔ تیرتے تیرتے اس کے پیر زمین سے لگے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ سیلاب کا زور کچھ کم ہو رہا ہے اور پانی رفتہ رفتہ ندی نالوں کا رخ کر رہا ہے۔ وہ اپنی جان بچ جانے سے بے حد خوش تھا۔ اسے اب بھی اس بات کی حیرانی تھی کہ جن نامساعد حالات میں وہ مبتلا ہوا تھا اس میں اُس کی جان کیسے بچ گئی۔ اس کے لیے اس نے شکریے کے طور پر آسمان کی طرف دیکھتے ہوے دیوتاوں کے احترام میں اپنے سر کو قدرے خم کیا۔ وہ خوش تھا کہ اسے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں رفتہ رفتہ پانی اتر گیا تھا اور اب وہ پوری طرح دلدل سے بھری ہوئی زمین پر کھڑا تھا۔

اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اس کے لیے یہ ایک اجنبی سرزمین تھی۔ اس خطے سے وہ بالکل ناواقف تھا۔ دیوتا ہی سمجھ سکتے تھے کہ وہ دریائے سندھ کے پانیوں میں بہتے ہوئے کہاں سے کہاں نکل آیا تھا۔ اسے یاد تھا تو بس اتنا کہ پانی میں تیرتے ہوئے وہ ندی کے بے قابو بہاو کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کے گھر والے بھی اس عذاب میں مبتلا ہوئے تھے لیکن وہ اب کہاں ہوں گے، زندہ بھی ہوں گے یا نہیں، وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ مغموم ہو گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کے حواس نے جیسے کام کرنا ہی بند کر دیا تھا۔ اس نے اپنے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر دوڑائی تو اس کی نگاہوں کی زد میں ایک طرف ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جس میں وہ دریا جس میں بہتا ہوا وہ یہاں تک پہنچا تھا، آ کر مل گیا تھا۔ اس کی پشت کی جانب کیچڑ بھری زمین تھی، جس میں انسان تو کیا بڑے سے بڑا جانور بھی سما سکتا تھا۔ اس کی دسترس سے تھوڑی دوری پر کچھ جھاڑیاں تھیں جو جان بچانے میں اس کی مدد کر سکتی تھیں۔ صورت حال خطرناک تھی۔ اسے بہت احتیاط سے کام لینا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دلدل میں صرف زمین پر لیٹ کر دھیرے دھیرے تیرتے ہوئے ہی جان بچائی جا سکتی ہے۔ وہ جھاڑیوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اور ذرا سی کوشش کے بعد ایک مضبوط جھاڑی اس کی گرفت میں آ بھی گئی تھی جس کی مدد سے وہ تھوڑی ہی دیر میں دلدل سے باہر نکل کر ساحل کی سبز گھاس پر کھڑا تھا۔

تارن کو وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل نظر آ رہا تھا۔ اسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ وہ اس اجنبی سرزمین پر بے یار و مددگار اور تنہا ہے۔ لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ شام کے اس دھندلکے میں اسے جلد ہی تھوڑی دور پر کچھ اور سائے بھی متحرک نظر آئے۔ وہ ان کی سمت بڑھا۔ قریب پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر وہ خوش گوار حیرت سے دوچار ہوا کہ وہاں کئی انسانوں کے سائے متحرک تھے۔ اسے پہچاننے میں بالکل دیر نہیں لگی کہ ان لوگوں میں اس کی چھوٹی بہن سوناری بھی نظر آ رہی تھی، جو اسی کی طرح کیچڑ میں لت پت تھی۔

وہ لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ ''کہہ نہیں سکتا سوناری! کہ تمہیں دیکھ کر میں کتنا پرسن ہوں''۔ تارن نے حیرانی بھری خوشی سے سوناری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھیا۔۔۔۔''۔ سوناری روتے ہوئے دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"رومت سوناری، یہ تو دیوتاؤں کے کھیل ہیں۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ ان کے کھیل مانو کلپنا سے پرے اور روچتر ہی ہوتے ہیں۔ ہم تو ماتر ان کے ہاتھ کا کھلونا ہیں۔ جب تک ان کا جی چاہے کھیلیں اور جب ان کا جی ہم سے اکتا جائے تو توڑ مروڑ کر پھینک دیں"۔ تارن نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں اپنے عقیدے سے بغاوت کا عکس صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ جس کا سبب حالیہ پریشانی کے علاوہ بھلا اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ آگے بولا۔ "تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہم اب بھی جیوت ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم دونوں ایک بار پھر ساتھ ہیں"۔

"لیکن ۔۔۔"۔ سوناری اپنے بیٹے کے بارے میں سوچ کر پھر رونے لگی۔

تارن خود اپنے خاندان کے لیے فکر مند تھا۔ ظاہر ہے اس تباہی میں کسی کا زندہ رہ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہو سکتا تھا۔ سوناری اس کی نوجوان بہن تھی۔ دیوتاؤں نے اسے بہت خوب صورت اور دلکش بنایا تھا۔ اس کی تانبے جیسی رنگت اس کے حسن میں اضافے کا سبب ہوا کرتی تھی۔ شادی سے پہلے کتنے ہی لوگ اس سے شادی کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن اس کی شادی اس کی اپنی پسند کے ایک تاجر اوریش مہاجن سے ہوئی تھی۔ وہ ہمت نہیں کر پا رہا تھا کہ سوناری سے اس کے بیٹے اور شوہر کے بارے میں کچھ دریافت کر سکے۔ ظاہر ہے، وہ اسے تنہا ملی ہے تو ان کے بارے میں اسے بھی بھلا کیا معلوم ہوگا۔ پھر بھی اس کا جی نہیں مانا اور ہمت کرتے ہوئے اس نے اس کے بیٹے ہانیش بارے میں پوچھا۔ "ہانیش کی کچھ خیر خبر ہے"؟

"نہیں، بھیا، باہر زوردار بارش ہو رہی تھی اور ہم دونوں اندر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک پانی کا ریلا ہمارے گھر میں گھس آیا اور ایک پل میں ہم کہاں بکھر گئے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ ہانیش کے پتا شری ویاپار کے لیے کسی دور دیس کی یاترا پر ہیں۔ اب تو ان کے واپس آنے کا سمے بھی ہو رہا ہے۔ لیکن اب انھیں وہاں دل من میں کوئی جیوت پرانی نہیں ملے گا جو اِس ہونے والی دُرگھٹنا کے بارے میں انھیں کچھ بتا سکے"۔

وہ اچانک پھر زور زور سے روتے ہوئے تارن سے لپٹ گئی۔ "پتہ نہیں میرا پتر ہانیش کس حال میں اور کہاں ہوگا۔ وہ جیوت بھی ہوگا یا مر گیا ہوگا"؟ وہ ایک لمحے کو رکی، اس نے دوبارہ بولنے کی کوشش کی تو اس کے منھ سے بس اتنا ہی نکلا۔ "دیوتا اس کا بھلا کریں"۔

اب وہ پانچ تھے اور خوش گوار اتفاق یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف بھی تھے، کیونکہ ان سب کا تعلق دل من شہر سے ہی تھا۔ اس کے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ دکھ کی اس گھڑی میں تنہا نہیں تھا۔ اس کی پیاری بہن سوناری اب اس کے ساتھ تھی۔ اس کے شہر کے رہنے والے تین اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اب وہ ایک نہیں پانچ تھے۔ سوناری سے بات چیت میں وہ ان لوگوں کو فراموش کر بیٹھا تھا جو وہاں کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اب اس کی نظر ان پر پڑی تو اسے کچھ شرمندگی کا احساس ہوا۔

وہ سب بھوک سے بے حال تھے۔ تین دن سے انھیں کھانے کے لیے کچھ نہیں ملا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ سب سے پہلے انھیں قریب کے جنگل میں کھانے کے لائق کچھ پھل یا کوئی شکار تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاکہ ان کی بھوک کا علاج ممکن ہو سکے۔ وہ ابھی اس کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ انھیں پیڑوں کے جھرمٹ میں ایک ہرن کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ ان سب نے مل کر بغیر آواز کیے ایک گھیرا بنایا اور رفتہ رفتہ ہرن کی طرف بڑھنے لگے۔ کیچڑ میں لت پت ہرن کچھ تھکا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ شاید وہ بھی سیلاب کی زد سے ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ کے باوجود وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ جب وہ بالکل قریب پہنچے تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ وہ ان پانچ انسانوں کی نرغے میں تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ان لوگوں نے ہرن کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

زندہ ہرن کو اپنے کاندھوں پر لادے وہ پانچوں ایک اونچے ٹیلے کے پاس پہنچے۔ فوراً ہی ان میں سے ایک پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا اور دوسرا پہاڑی چٹان پر پتھر کے ایک ٹکڑے کو صیقل کرنے لگا تاکہ اس کی مدد سے ہرن کو کاٹ کر اس کے گوشت کو بھونا جا سکے۔ تھوڑی دیر کی مشقت کے بعد وہ اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ جنگل سے چنی ہوئی خشک لکڑیوں کی مدد سے انھوں نے آگ روشن کر لی تھی اور اب شکار کیے گئے ہرن کا گوشت بھون کر مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔

بالآخر وہ اپنی بھوک کا علاج کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب انھیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ اس دوران وہ اس بات سے بالکل غافل نہیں تھے کہ پاس ہی جنگل ہے جہاں مہلک جنگلی جانور بھی ہو سکتے تھے۔

لیکن اب وہ تازہ دم تھے۔ حالانکہ انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس وقت وہ کس خطہ زمین پر ہیں۔ کیونکہ ان کا کبھی اس طرف آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سمندر کے کنارے کنارے کسی انسانی بستی کی تلاش میں ایک سمت چل پڑے۔ راستے میں انھیں کچھ اور لوگ بھی ملے جو انھیں کی طرح سیلاب کی زد سے بچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ چلتے چلتے انھیں دوسرا دن ہو چکا تھا۔ سورج کے غروب ہوتے ہوتے اب ان کی تعداد گیارہ ہو چکی تھی۔ مگر بدقسمتی سے ابھی تک انھیں کسی انسانی بستی کے دیدار نہیں ہوئے تھے۔

(دو)

دوپہر کا وقت تھا، آج کتنے ہی دنوں کے بعد سورج کے دیدار ہوئے تھے۔ اس کی تمازت میں ہمیشہ کی طرح تیزی اب بھی نہیں تھی۔ بے وقت کی برسات نے اس کی چمک اور گرمی دونوں کو متاثر کیا تھا۔ آسمان میں یہاں وہاں رنگ برنگے بادل اب بھی گردش کر رہے تھے۔ بستی میں دھندلکا چھایا ہوا تھا اور کچھ فاصلے کی چیزیں آسانی سے نظر نہیں آ رہی تھیں۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ بستی کے لوگوں کے آرام کا وقت ہے۔ مجموعی طور پر اس وقت چاروں طرف کا منظر نہایت دلفریب اور ماحول انتہائی خوش گوار اور سکون بخش تھا۔ بستی کے کئی گھروں سے دھواں اٹھ رہا تھا، جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس بستی کی عورتیں کھانا بنانے میں مصروف ہیں۔

مائل گام ایک چھوٹی سی دیہی بستی تھی۔ یہاں بہ مشکل ساٹھ سے ستر گھر رہے ہوں گے، جن میں دو ڈھائی سو انسانی نفوس آباد تھے۔ ان میں کچھ بڑے بوڑھے تھے، جن کی تعداد تو کم تھی لیکن وہ بستی کے لیے محترم تھے، کہ انھیں زندگی کا جو تجربہ تھا وہ باقی لوگوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوا کرتا تھا۔ یہاں اکثریت جوانوں اور بچوں کی تھی۔ یہاں کی عورتیں، اگر انھیں گھر کے کاموں سے وقت ملتا تھا تو مردوں کے شانہ بہ شانہ ہر طرح کا کام کیا کرتی تھیں، لیکن گھروں کے اندر صرف عورتوں کی حکمرانی ہوتی تھی اور مردوں کا عمل دخل کم سے کم ہوتا تھا۔ ان گھروں کی دیواریں مٹی کی تھیں اور ان کی چھتیں لکڑیوں کو کاٹ کر اور جنگلی گھاس پھوس کی مدد سے بنائی گئی تھیں۔ یہ گھر انھیں سردی، گرمی اور برسات سے بچانے کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک جنگلی جانوروں

سے بھی محفوظ رکھتے تھے۔ لیکن عام طور پر وحشی جانور ایسی بستیوں کی طرف رخ کرنے سے ڈرا کرتے تھے، جہاں انسانی آبادی ہو۔ اس بستی میں رہنے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو جنگلی پھلوں اور شکار سے حاصل گوشت سے اپنی گزر بسر کرتے تھے۔ چند ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے کچھ جانور پال رکھے تھے اور اپنی ملکیت کی زمینوں سے اپنی مرضی کے مطابق جو، گیہوں اور چاول جیسی کھانے پینے کی چیزیں پیدا کرنے کے اہل تھے۔

اس چھوٹے سے انسانی سماج میں دو ہی طبقے تھے۔ چند کھاتے پیتے امیر تھے تو بیشتر بے انتہا غریب۔ امیر وہ تھے جن کے پاس گائے بیل، بھینس اور بکریوں جیسے کچھ پالتو جانور تھے۔ ان کے پاس زمینیں اور کاشت کرنے کے وسائل بھی تھے۔ چونکہ بستی کے غریب لوگ مختلف اوقات میں ان سے مدد لینے پر مجبور رہتے تھے، اس لیے وہ ان کا احترام بھی کرتے تھے اور ان کے ہر حکم کو ماننے کے لیے تیار رہتے تھے۔ امیر لوگ اپنی ضرورت اور مرضی کے مطابق بستی کے باقی لوگوں سے کوئی بھی کام لے سکتے تھے۔ ان کی اس محنت مشقت کے بدلے وہ انھیں کچھ اناج یا دودھ دہی وغیرہ فراہم کر دیتے تھے، جو ان کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا تھا۔ ان میں جو سب سے امیر تھا، اسے بستی کے سرپرست کی حیثیت حاصل تھی اور وہ گام پتی کہلاتا تھا۔ ایک طرح سے وہ اس بستی کا مکھیا تھا۔ تنازعے کی صورت میں اس کا فیصلہ حتمی اور سب کے لیے قابل قبول مانا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ماہل کا گام پتی اہوراج تھا جس کے پاس متعدد پالتو جانور تھے، کاشت کے لیے کافی زمین تھی، رہنے کے لیے شہر والوں کی طرح پختہ مکان تھا اور اس کا کاروبار لوتھل بندر تک پھیلا ہوا تھا لیکن وہ کس طرح کا کاروبار کرتا تھا، اس کے بارے میں بستی کے لوگوں کو کچھ اندازہ نہیں تھا۔

یہاں غریب وہ تھے جن کا صرف جنگلوں کے فطری وسائل پر انحصار تھا اور جو وہاں سے شکار کر کے یا جنگلی پھل اور جڑی بوٹیاں مہیا کر کے اپنی اور اپنے گھر والوں کی بھوک کا علاج کیا کرتے تھے۔ یہ عام طور پر ان لوگوں کے سیوک ہوا کرتے تھے جن کے پاس اپنی زمینیں تھیں اور جو ان کی محنت کی مدد سے ان زمینوں سے مختلف قسم کے اناج پیدا کرتے تھے۔ دونوں طبقوں کی زندگی جینے کے طریقے میں بھی بہت فرق تھا۔ اس کے باوجود دونوں طبقے اپنی زندگی سے پوری طرح مطمئن تھے۔ جو بدحالی میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ اپنی حالت کو دیوتاؤں کی

مرضی پر محمول کرتے تھے اور ہر حال میں صابر وشاکر اور خوش رہتے تھے۔

اس بستی کے مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں زیادہ حقوق حاصل تھے۔ یہاں اختیارات کے تعین کی بنیاد قوت تھی۔ جو جتنا طاقت ور ہوتا تھا، اس کے پاس اتنے ہی زیادہ اختیارات ہوتے تھے۔ اسی بنیاد پر مردوں کے اختیارات عورتوں سے زیادہ تھے کہ وہ عورتوں کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہیں۔ مردوں میں بھی اہم اور غیر اہم کا تعین اسی قوت اور اس کے پاس موجود زندگی کے وسائل کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ جو زیادہ قوی ہوتا تھا، بستی میں اس کی زیادہ عزت ہوا کرتی تھی اور جو لاغر اور کمزور ہوتا تھا، اسے اکثر لوگ زمین کا بوجھ سمجھ کر نظر انداز کرتے تھے۔ لیکن معمر لوگ اس امر سے مستثنیٰ تھے۔

دونوں طبقوں کو اس معاملے میں مساوی طور پر آزادی حاصل تھی کہ وہ جوان ہونے کے بعد اپنے ہی طبقے میں سے کسی عورت کو اپنے جیون ساتھی کی حیثیت سے منتخب کرلے اور اس کے ساتھ مل کر بستی کی آبادی میں اضافے کی کوشش کرے۔ اس کے لیے اسے اس عورت کے ساتھ کسی بھی صورت میں زندگی بھر ساتھ رہنے کا عہد کرنا پڑتا تھا اور اس عہد کے ساتھ ہی انھیں نئی ازدواجی زندگی شروع کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ ضمانت کے طور پر انھیں عورتوں کے عزیز واقارب کو حسب حیثیت سونے یا چاندی کی کچھ مہریں ادا کرنی ہوتی تھیں تاکہ کسی طرح کی ناخوش گوار صورت حال پیدا ہونے پر یہ مہریں عورت کے کام آسکیں۔

انسانوں کی قلت کے اس عہد میں یہاں بچے پیدا کرنے کو ایک مذہبی فریضہ بھی سمجھا جاتا تھا اور سماجی ضرورت بھی۔ بچہ خواہ امیر کے گھر پیدا ہو یا غریب کے گھر، اس کی خوشی کا جشن مشترکہ طور پر منایا جاتا تھا، جس میں مائل گام کے سارے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ سماج میں اس خاندان کی عزت بڑھ جاتی تھی جس کے یہاں مرد بچوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یہاں کی عورتوں کو مردوں کی طرح اپنا جیون ساتھی منتخب کرنے کی آزادی حاصل نہیں تھی۔ عام طور پر ایسا مان لیا گیا تھا کہ دیوتاؤں نے عورتوں کو مردوں کی خدمت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی اس بات کی عادت ہو چکی تھی۔ وہ اس بات کو تسلیم کر چکی تھیں کہ وہ محکوم ہیں اور مرد ان کے حاکم ہیں، اس لیے انھیں ان کا ہر حکم ماننا چاہیے۔ عورتوں کی اس خدمت کے بدلے میں مرد انھیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتے تھے۔ وہ ان

کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور ان کی دیگر ضروریات زندگی کا سارا بندوبست کرتے تھے۔ اس ماحول میں رہتے ہوئے عورتوں نے بھی بغیر کسی چون و چرا کے اپنی زندگی گذارنے کا ہنر سیکھ لیا تھا اور دونوں فریقوں میں سے کسی کو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

اس وقت بھی ماہل گام میں کافی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں کچھ ایسا واقع ہوا ہے، جو غیر معمولی ہے۔ اس طرح کا خوش گوار ماحول عام طور پر اس وقت ہوا کرتا تھا جب کسی کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا یا پھر کسی نے کسی ایسے بڑے جانور کا شکار کر لیا ہو، جس سے بستی کے تمام لوگوں کے کھانے کا انتظام ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ شکاری اجابل اور اس کی گھر والی نے مل کر ایک قوی الجثہ جنگلی بھینسے کا شکار کیا تھا، جس کا مطلب تھا کہ بستی کے باقی لوگ آج آرام کر سکتے تھے۔ چنانچہ مرد آرام کر رہے تھے اور عورتیں اپنے اپنے حصے کا گوشت حاصل کر کے اسے پکانے میں مصروف تھیں۔

(تین)

وہ تعداد میں گیارہ تھے۔

ان پر سب سے پہلے میدان میں کھیلتے ہوئے بچوں کی نظر پڑی تھی۔ ان بچوں نے اپنے گاؤں میں اتنی تعداد میں اجنبی انسانوں کو ایک ساتھ داخل ہوتے ہوئے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مہمان دیوتا سوروپ ہوتے ہیں۔ انھیں علم تھا کہ ان کے گھر کے لوگ نئے مہمانوں کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ اور آج تو اتنے لوگوں کی ایک ساتھ آمد کا مطلب یہ تھا کہ پورے گاؤں کے لوگ مل جل کر ان کی میزبانی کے فرائض انجام دے سکتے تھے۔ خوشی کی بات یہ بھی تھی کہ آج کھانے پینے کے سامان کی بھی کوئی قلت نہیں تھی۔ چنانچہ یہ بچے خوشی خوشی چیختے اور شور مچاتے ہوئے اپنے گھر والوں کو یہ خوش خبری دینے کے لیے دوڑ پڑے تھے۔

کچھ ہی دیر میں ماہل گام کے مردوں اور عورتوں کا ایک ہشاش بشاش مجمع ان اجنبی مہمانوں کے استقبال کے لیے کھڑا تھا۔ آنے والے یہ اجنبی لوگ جن میں تین عورتیں اور آٹھ مرد تھے، اتنے سارے لوگوں کی بھیڑ کو دیکھ کر پہلے تو خوف زدہ ہو گئے لیکن جب انھوں نے

ان سب کو ہنستے مسکراتے دیکھا تو آہستہ آہستہ ان کی طرف آگے بڑھنے لگے۔ وہ خوش تھے کہ کسی انسانی بستی کی ان کی تلاش آج پوری ہوگئی تھی۔ وہ تھکے ہوئے اور بھوکے بھی تھے۔ وہ اس لیے بھی خوش تھے کہ یہاں خلاف توقع لوگ ان کا استقبال کر رہے تھے۔ مابل گام کی عورتوں نے آگے بڑھ کر جنگلی پھولوں اور پتیوں سے بنے ہار پہنا کر ان کا خیر مقدم کیا اور انھیں ساتھ لے کر اپنی بستی کی طرف لوٹے۔

ان مہمانوں میں سے کون کس کی میزبانی کرے گا، اس کے لیے قرعہ اندازی ہوئی اور اس کا فیصلہ آسانی سے ہوگیا تھا۔ بستی کے گام پتی اور سب سے امیر شخص اہوراج اور اس کی بیوی سکھدا کے حصے میں تارن اور سوناری آئے تھے اور وہ انھیں لے کر خوشی خوشی اپنے گھر آگئے تھے۔

(چار)

مصر کے حُرغادا بندرگاہ سے آنے والے تجارتی جہاز کے کپتان نے اس وقت جب وہ دل من کے قریبی ساحلی علاقے بالاکوٹ کے پاس ںت کا بندر سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ ساحل سمندر سے چار پانچ لوگ پانی میں تیرتے ہوئے ان کے جہاز کی طرف آ رہے ہیں۔ پہلے تو اسے شک ہوا کہ کہیں یہ بحری لٹیرے نہ ہوں لیکن جب ان کے چہرے نظر آنے لگے تو اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ بالکل نہتے ہیں۔ جہاز کے قریب آنے کے بعد وہ سب ان سے مدد مانگ رہے ہیں۔ کپتان نے اپنے عملے کی مدد سے سمندر میں رسیاں ڈال کر ان سب کو جہاز کے اوپر کھینچ لیا۔ یہ تعداد میں پانچ تھے اور اپنی جانیں بچ جانے کی وجہ سے بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ لیکن ان کی حالت بھوک کی شدت سے دگرگوں ہو رہی تھی۔ جہاز کے لوگوں نے سب سے پہلے انھیں کھانا اور میٹھا پانی مہیا کیا تو وہ کچھ ہوش میں آئے اور اس لائق ہوئے کہ اپنا حال چال بتا سکیں۔

آنے والے دل من کے آس پاس کی ان بستیوں سے تھے جو زیر آب آگئی تھیں اور وہاں رہنے والوں میں سے جو تیر کر اپنی جان بچا سکتے تھے وہ پانی میں بہتے ہوئے سمندر کے کنارے تک آگئے تھے۔ اب انھیں میں سے کچھ لوگ اپنی جان بچانے کی غرض سے اس جہاز پر پہنچ چکے تھے۔

دل من کا تاجر اوریش مہاجن ان آنے والوں کو اس امید کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ شاید ان میں اس کی بیوی اور بچے کا جاننے والا کوئی ایسا شخص بھی ہو جو اس کو ان کی کوئی خبر دے سکے۔ لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ ان میں ایسا کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُسے لگا کہ شاید ان میں کوئی دل من کا رہنے والا بھی نہیں ہے۔ البتہ ان میں دھاون نام کا ایک نیم دیوانہ شخص ضرور موجود تھا، جسے وہ اپنا شناسا کہہ سکتا تھا۔ وہ رہنے والا تو دل من کا ہی تھا، لیکن اسے ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا جاتا تھا۔ وہ مسلسل گردش میں رہا کرتا تھا۔ کبھی کسی بستی میں تو کبھی کسی شہر میں۔ دل من کے لوگ اسے ایک مجذوب مستقبل بیں کی حیثیت سے جانتے تھے اور اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ شخص جب تک دل من رہتا تھا، عام طور پر بھیک مانگ کر اپنی گزر بسر کیا کرتا تھا۔ وہاں کے لوگ اس کے آشیرواد کو مبارک تصور کرتے تھے۔ وہ عام طور پر لوگوں کو ان کے مستقبل کے بارے میں بتایا کرتا تھا اور جو باتیں وہ بتایا کرتا تھا ان میں سے کبھی درست بھی ثابت ہو جایا کرتی تھیں، جس سے لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے عقیدت میں اضافہ ہوتا تھا۔ جب بھی اس کی آمد دل من میں ہوتی، اپنے مستقبل میں دلچسپی رکھنے والے دل من کے باشندے اس سے رجوع کرتے اور اس کی ہر طرح سے خدمت کرنے کو خود پر فرض تصور کرتے۔

اوریش نے بھی ایک بار اپنی بیوی سوناری کے کہنے پر نگر پالک سے اپنے بنتے بگڑتے رشتوں کے بارے میں اس سے کچھ جاننا چاہا تھا لیکن اس وقت اس نے جواب میں صرف اتنا ہی کہا تھا کہ 'سب کچھ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا'۔ اس کے بعد خاصا وقت گذر جانے کے باوجود نگر پالک سے اس کے رشتوں میں کوئی سدھار نہیں آیا تھا۔ چنانچہ وہ اس دیوانے کو ایک ڈھونگی خیال کرتا تھا، جو اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے لوگوں کو بیوقوف بنانے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں اس کے لیے وہ عزت بہر حال نہیں تھی جو دل من کے دوسرے باشندوں کے دل میں اس کے لیے پائی جاتی تھی۔

لیکن اس وقت صورت حال دوسری تھی۔ یہاں وہ اس کی اکلوتی امید تھا جو اسے اُس کے افراد خاندان کے بارے میں کوئی معلومات فراہم کر سکتا تھا۔ چنانچہ مجبوری میں ہی سہی، سب سے پہلے اس نے اس کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اور جب وہ بات چیت کرنے کے قابل ہوا تو اس نے اس سے سوناری اور ہانیش کے بارے میں پوچھ تاچھ شروع کی۔ دیوانہ دھاون اس کے

پوچھنے پر کسی قسم کا جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس طرح اس کا منھ تکتا رہا، جیسے کچھ کہنے سے پہلے حتمی طور پر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے طویل سکوت پر اوریش کو غصہ آ رہا تھا۔ ابھی وہ اسے کچھ بھلا برا کہنے ہی والا تھا کہ دھاون زیر لب بڑبڑانے لگا۔ اوریش نے محسوس کیا کہ اس کی اس بڑبڑاہٹ میں سوناری اور ہانیش کے الفاظ بھی آئے تھے۔ اس کے اندر امید کی ایک کرن روشن ہوئی اور اس نے بڑی بے صبری سے اس سے پوچھا۔ "کیا تم سوناری کو جانتے ہو"؟

"ہاں جانتا ہوں، بھلا اسے میں بھول بھی کیسے سکتا ہوں"۔ دھاون بولا۔ "وہ مجھ سے بہت سنیہ رکھتی تھی اور دوسرے دل من واسیوں سے کچھ ادھک ہی میرے کھان پان اور سکھ سویدھا کی دیوتھا کرتی تھی، پرنتو دکھ کی بات یہ ہے کہ اب تو دل من رہا ہی نہیں۔ وہ تو اب مرگھٹ بن چکا ہے جہاں لاشوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ پانی اتر جانے کے بعد میں واپس وہاں گیا تھا"۔ اس کے بعد وہ رکا جیسے اپنی سانسیں درست کرنا چاہتا ہو۔

"میرے پاس کئی پرکار کی شکتیاں ہیں"۔ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے وہ آگے بولا۔ لیکن اب جیسے وہ بہک گیا تھا اور اپنی خود کی تعریف پر اتر آیا تھا۔ "میرے جیسا انتریامی بھلی بھانتی جانتا تھا کہ اس طرح کی باڑھ اور طوفان میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ دل من جلد ہی تباہ و برباد ہونے والا ہے اور کچھ لوگوں کے سامنے میں نے یہ بھوشیہ وانی کر بھی دی تھی"۔

وہ ایک لمحے کو رکا۔ اوریش پر ایک گہری نظر ڈالی اور بولا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت بیاکل ہو اور میری بات پر وشواس نہیں کر رہے ہو۔ جب تمھیں مجھ پر وشواس ہی نہیں ہے تو پھر مجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ شاید تمھیں میری شکتیوں کا پرمان چاہیے؟ تو یہ پرمان کیا کم ہے کہ میں اس پرلے کے بعد بھی ابھی تک جیوت ہوں اور اب اس وقت تمھاری سرکشا میں ہوں"۔ اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے آگے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم کو مجھ پر کرودھ آ رہا ہے۔ لیکن تم چاہو بھی تو میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ تم کیا کوئی بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھ پر مہادیو کی وشیش کرپا ہے تو سنسار بھلا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے"۔

اوریش دیکھ رہا تھا کہ اس کی گفتگو اصل موضوع سے بھٹک رہی ہے۔ لیکن جلد ہی بغیر اس کی مداخلت کے وہ پھر موضوع پر واپس آ گیا اور ٹھہر ٹھہر کر بولنا شروع کیا۔ "اب

پوچھا ہے تو سن لو۔ دل من نگر نہیں رہا۔ میرا پیارا دل من۔ اب وہاں جگہ جگہ لاشوں کے ٹیلے بن گئے ہیں جن کے اوپر دریائے سندھ کی ریت جم گئی ہے"۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ پھر رکا، گہری سانس لی اور بولا۔"میں جانتا ہوں کہ تمھارے لیے یہ سماچار اتینت دکھد ہے، کنتو ستیہ یہی ہے کہ اب وہاں کوئی بھی جیوت نہیں ہے"۔

یہ کہہ کر وہ پھر خاموش ہوگیا۔ کچھ توقف کے بعد اوریش نے اس سے پوچھا۔" کچھ سوناری اور اس کے بیٹے کی بھی خبر ہے تمھیں"۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ آ گئی تھی۔

وہ تاریک آسمان پر اپنی نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔"ہاں، مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ سوناری جیوت ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا بیٹا نہیں ہے"۔ اس کے بعد وہ کچھ دیر چپ چاپ آسمان کی طرف دیکھتا رہا، زبان کھولی تو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی آواز کہیں دور سے آ رہی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔" پرنتو سب کچھ بہت دھندلا ہے۔ ہاں۔۔۔۔۔۔ وہ اس وقت دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ ہے اور وہ رو رہی ہے۔۔۔۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی دکھائی دے رہے ہیں جو اس کی جان بچانے کا پریاس کر رہے ہیں"۔ یہ کہہ کر وہ پھر خاموش ہوگیا۔

اس سے پہلے کہ اوریش اسے کچھ اور بولنے کے لیے اکساتا، تھوڑے توقف کے بعد وہ خود سے ہی کہنے لگا۔"بہت دھندلا دکھائی دے رہا ہے۔ میری درشٹی کام نہیں کر رہی ہے۔۔۔۔ اندھیرا بھی بڑھتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ چھما کرنا، اب مجھے ٹھیک سے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے، لیکن میں پریاس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ پریاس ضرور کروں گا، کیونکہ وہ مجھ سے پریم کرتی تھی اور میرا بہت ادھک دھیان رکھتی تھی"۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی آسمان پر مرکوز تھیں، جیسے وہ کسی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ تھوڑی دیر تک وہ خلا کو تاکتا رہا۔ پھر ایک لمبی سانس لینے کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔"ہاں، لوگ اسے گھسیٹ کر دلدل سے باہر لا رہے ہیں۔۔۔ وہ بچ گئی ہے۔۔۔۔ وہ جیوت ہے۔۔۔ وہ جیوت بچ گئی ہے۔۔۔ اوشواس کا تیاگ کرو مہاجن اور میری بات کا وشواس کرو۔۔۔ وہ بچ گئی ہے۔۔۔ وہ ابھی تک جیوت ہے۔۔۔ جاؤ خوشی مناؤ۔۔۔ تمھاری پتنی جیوت ہے۔۔۔ تمھیں گیات ہونا چاہیے کہ میرے مکھ میں مہا پوجیہ مہا دیو کا واس ہے۔ میں انھیں کی وانی ہوں۔۔۔ ہاں تو وہ بچ گئی ہے۔۔۔ اچھا مجھے

تھوڑا سا پانی اور پلا دو۔ میرا گلا بری طرح سوکھ رہا ہے"۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

اوریش لپک کر گیا اور جلدی سے اس کے لیے مٹی کے کٹورے میں پانی لے لایا۔ وہ غٹ غٹ کر کے ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔ اس کے بعد اس نے پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ "پرنتو وہاں کافی دھند ہے، اندھکار بھی دھیرے دھیرے بڑھ رہا ہے۔ مجھے کھید ہے کہ اب مجھے گھور کالما کے اتی رکت وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے"۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ جو گھٹنائیں تمھیں دکھائی دے رہی ہیں، وہ سب کہاں گھٹت ہو رہی ہیں"۔ اوریش نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "وہ کون سی جگہ ہے، جہاں اُسے دلدل سے نکال لیا گیا ہے؟"۔ اوریش جھنجلا رہا تھا۔ جیسے وہ سب کچھ جلدی سے جان لینا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم اس استھان کو پہچان پا رہے ہو"؟

"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے"۔ وہ بولا۔ "میں بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ ساگر کا کنارہ ہے اور پاس ہی کوئی گھنا جنگل بھی ہے"۔ وہ سانس لینے کے لیے رکا پھر ہکلاتے ہوئے بولا۔ "یہ علاقہ میرے لیے اجنبی ہے۔ میں یہاں کبھی نہیں گیا۔ اس لیے میں اس کی پہچان نہیں کر پا رہا ہوں۔ اور اب تو میری درشٹی بھی بادھت ہو رہی ہے، کچھ کام نہیں کر رہی ہے"۔

اوریش یہ سن کر خوش تھا کہ سوناری زندہ ہے لیکن اسے اس پاگل بوڑھے پر پوری طرح یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہیں یہ اپنی شان بگھارنے کے لیے اول فول نہ بک رہا ہو۔ اس کا دل اس کی بات پر یقین کر لینے کو کہہ رہا تھا اور دماغ کہہ رہا تھا کہ ایسے پاکھنڈی پاگل کی باتیں بھروسے کے لائق نہیں ہو سکتیں۔ پھر بھی اس نے آنکھ بند کر کے دل کی گہرائیوں سے مہادیو کو یاد کرتے ہوئے پرارتھنا کی۔ "ہے دیوؤں کے دیو، مہادیو، میری پرارتھنا سویکار کرو اور میری پتنی اور بچے کی رکشا کرو"۔

وہ تذبذب کے عالم میں تھا۔ اس دوران رات کی تاریکی نے جہاز کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ اس میں روشن چند چراغوں کے علاوہ سارے ماحول پر تاریکی کی گہری پرت چڑھ چکی تھی۔ جہاز کا عملہ اور اس میں سوار دوسرے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر سونے کی تیاری میں مصروف تھے۔ جہاز کا کپتان رات میں جہاز کو سنبھالنے کے لیے نائب کپتان

کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ اور ریش مہاجن بھی اپنے بستر کی طرف بڑھا اور لیٹ کر تصور میں اپنی بیوی سوناری کو دیکھنے لگا۔

(پانچ)

تھکے ہوئے ہانیش اور کاویا سمندر کے کنارے بے سدھ سو رہے تھے۔ سمندر ان سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ جہاں پر وہ لیٹے ہوئے تھے، وہاں کی ریت نسبتاً خشک تھی، آسمان پر سورج بادلوں کے ساتھ مل کر دھوپ چھاؤں کھیل رہا تھا۔ اس وقت تک اس نے کافی بلندی اختیار کر لی تھی۔ طلوع آفتاب کو کم از کم ایک پہر کا وقت ضرور بیت چکا تھا۔ حالانکہ دھوپ میں تمازت تھی لیکن اس کے باوجود وہ دونوں گہری نیند میں تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکے کے بدن میں کچھ لرزش پیدا ہوئی۔ اس نے آنکھ کھولی اور ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ جیسے اسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ یہاں سمندر کے کنارے کیوں اور کیسے پہنچ گیا ہے۔ جیسے وہ جاننا چاہتا ہو کہ اس وقت وہ جہاں ہے، وہ مقام کون سا ہے اور اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ اب بھی غنودگی کے عالم میں تھا۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا جو اس سے کچھ فاصلے پر سو رہی تھی۔ اسے اطمینان ہوا کہ اس مشکل وقت میں کم از کم ایک انسان اس کے ساتھ ہے۔ اس نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا تو وہ بھی چونک کر اٹھ بیٹھی۔ وہ بھی اسی کی طرح گھبرائی ہوئی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ان دونوں کے درمیان گفتگو میں تکلف موجود ہے، جو ثابت کر رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ بالآخر وہ لڑکی بولی۔ ''ہم بہت دیر تک سوتے رہ گئے۔ سوریہ کافی اوپر آ چکا ہے۔ قریب ہی جنگل بھی دکھائی دے رہا ہے، اس لیے یہ استھان سرکشت نہیں ہو سکتا''۔

ہانیش اب پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا۔ وہ بولا۔ ''ہاں ہم یہاں اَئرکشت ہیں۔ مجھے تو بھوک پیاس بھی پریشان کر رہی ہے''۔

سمندر کا کھارا پانی ان سے کچھ ہی فاصلے پر تھا جو بہر حال پینے کے لائق نہیں تھا، لیکن

خوش قسمتی سے یہ مقام ایک ایسی جگہ پر واقع تھا جہاں ایک دریا بھی سمندر میں آ کر ملا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر دریا کے دہانے پر پہنچے اور سیر ہو کر اس کے میٹھے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔ اب وہ اپنے اندر کچھ توانائی محسوس کر رہے تھے لیکن یہ مسئلہ اب بھی برقرار تھا کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ دونوں ہی نو عمر تھے اور انھیں زندگی کا زیادہ تجربہ نہیں تھا۔ شاید یہی سوچ سوچ کر ہانیش کچھ پریشان بھی نظر آ رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنے سر کو اس طرح جھٹکا دیا، جیسے ماضی سے کچھ یادیں حال میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

اسے یاد آیا کہ گذشتہ رات وہ دونوں آرام سے ایک کشتی پر سوار تھے۔ رفتہ رفتہ اسے ہفتہ بھر پہلے کے وہ سارے خوف ناک واقعات بھی یاد آنے لگے، جن کی وجہ سے ان کا پورا شہر تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ جب وہ بھیانک سیلاب میں پھنس کر ڈوب رہا تھا تو اسی وقت دریائے سندھ سے گذرنے والی ایک تجارتی کشتی پر سوار کچھ لوگوں نے اسے کشتی کے اوپر کھینچ کر اس کی جان بچائی تھی۔

اسے بچانے والے یہ لوگ اپنے حلیے، لباس، صورت شکل اور رکھ رکھاو سے مقامی باشندے نہیں لگ رہے تھے اور اپنے ہاو بھاو سے شریف بھی نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ تعداد میں یہ تین تھے۔ تینوں کے بدن گورے تھے جو عام طور پر اس خطے میں نہیں ہوا کرتے تھے۔ ان کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں اور لمبی داڑھیاں تھیں۔ داڑھی کے بالوں کو گانٹھیں دے کر سنوارا گیا تھا۔ ان کے سر اور داڑھی مونچھ کے بال سیاہ کے بجائے سنہرے تھے۔ ان کی آنکھیں سبز تھیں۔ ان کے حلیے اور لباس میں کچھ بھی مقامی لوگوں جیسا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ دھوتی کے بجائے ایک لمبا لبادہ پہنے ہوئے تھے۔ شاید وہ کسی اور ہی خطہ زمین سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے اور کسی لمبے سفر کے مسافر معلوم ہو رہے تھے۔

کشتی پر آنے کے بعد ان مسافروں نے اسے کھانا کھلایا تھا۔ رات ہو رہی تھی، اس لیے اس سے کہا گیا تھا کہ اب وہ آرام کرے۔ اس نے دیکھا تھا کہ اس کے پاس ہی ایک نوجوان لڑکی بھی بیٹھی ہوئی ہے۔ پہلے تو اسے جھجک محسوس ہوئی لیکن پھر ہمت کر کے اس نے اس سے پوچھ ہی لیا تھا۔ ''تم کون ہو لڑکی''؟

''میں کاویا ہوں اور دل من کے پاس بسے دیجی کوٹ گاوں کی رہنے والی ہوں۔

اچانک باڑھ نے ساری بستی کو تباہ کر دیا۔ میں بھی ڈوب رہی تھی تو دیوتاوں نے ان بھلے مانسوں کو بھیج دیا اور ان لوگوں نے مجھے بچالیا"۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے لڑکے سے پوچھا۔"تم بھی اپنے بارے میں کچھ بتاؤ"۔

"میرا نام ہانیش ہے اور میرا سمبندھ دِل مَن سے ہے۔ ہم دونوں کی کہانی ایک جیسی ہی ہے۔ میں بھی سندھو کے پرواہ میں ڈوب رہا تھا اور تم نے دیکھا ہی ہے کہ ان لوگوں نے مجھے بھی بچالیا"۔

"اچھے اور بھلے لوگ لگتے ہیں یہ"۔ کاویا نے کہا۔

"ہمیں اجنبی لوگوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے"۔ ہانیش نے اس کے جواب میں کہا تھا۔

ان تینوں مسافروں کا مزاج بڑا عجیب تھا۔ انھیں اس بات کا خیال تو تھا کہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے لیکن ان میں سے کسی نے راستے بھر ان دونوں میں سے کسی سے کوئی بات چیت نہیں کی تھی۔ وہ گونگے بھی نہیں تھے کیونکہ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ لیکن اس کے لیے جو زبان وہ استعمال کر رہے تھے وہ ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ شاید وہ اپنے علاقے کی زبان میں باتیں کر رہے تھے تاکہ یہ دونوں نوجوان ان کی باتیں سمجھ نہ سکیں۔ لڑکے نے سوچا تھا کہ شاید وہ چوری چھپے والی کسی ناجائز تجارت میں ملوث لوگ ہوں گے، جو ہر وقت محتاط رہنا پسند کرتے ہیں کہ کہیں ان کے بھید دوسروں پر نہ کھل جائیں۔ ایسے لوگوں کی کئی کہانیاں اس نے بچپن میں اپنی ماں کی زبانی سنی تھیں۔۔۔۔ کشتی میں کپڑے کے بڑے بڑے بنڈلوں میں لپٹا ہوا تجارتی مال بھرا تھا، جو ان کے خیال کو مزید تقویت پہنچا رہا تھا۔

بھلے ہی وہ ناجائز تجارت میں ملوث لوگ رہے ہوں لیکن ان میں کم از کم اتنی انسانیت تو تھی ہی کہ کسی ڈوبتے ہوئے شخص کی زندگی بچا سکتے تھے۔ انھوں نے دو لوگوں کی زندگی تو بچا ہی لی تھی۔ کشتی کو چلتے چلتے دو دن ہو چکے تھے۔ رفتہ رفتہ رات کی تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ کشتی پر سوار لوگوں نے انھیں وہی کھانا کھلایا تھا جو وہ خود کھا رہے تھے۔ یہ کھانا بھی ان کے اپنے روزمرہ کے کھانے سے مختلف لیکن لذیذ تھا۔ اس کے بعد وہ لوگ انھیں تنہا چھوڑ کر سونے کے لیے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد یہ دونوں بھی سونے کی تیاری کرنے لگے لیکن

بانیش کو تھکن کی شدت اور جس خطرے سے اس کی جان مشکل میں پڑ گئی تھی، اس کی یاد ذہن و دماغ میں پچوکے لگا رہی تھی۔ اسے اپنی ماں کی یاد بھی آ رہی تھی کہ جانے وہ کس حال میں ہوگی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ البتہ کاویا جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

لاکھ کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آئی۔ شاید لاشعور میں وہ اب بھی خود کو غیر محفوظ تصور کر رہا تھا۔ اسی بے چینی میں وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا اور کشتی میں ادھر ادھر چکر لگانے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ کشتی کے نچلے تلے والے حصے سے کچھ ہلکی آوازیں آ رہی ہیں۔ ایسی آوازیں جیسے کوئی آہستہ آہستہ کسی اوزار کی مدد سے کسی چیز کو کاٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے ایک سوراخ سے جھانک کر دیکھا تو وہاں دس بارہ لوگ رسیوں میں جکڑے ہوئے آپس میں گڈمڈ پڑے کراہ رہے تھے۔

انھیں دیکھ کر اسے ماں کی بتائی وہ بات یاد آئی کہ کچھ برے لوگ انسانوں کو خریدنے اور بیچنے کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ ماں نے بتایا تھا کہ ایسے لوگ ہمارے یہاں سے غریب اور نادار لوگوں کو سستی قیمتوں میں خرید کر اپنے ملک لے جاتے ہیں اور وہاں انھیں بیچ کر اچھی قیمت حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے بیشتر غریب لوگ اکثر کھانے اور اچھے رہن سہن کی لالچ میں اور اپنے خاندان کے باقی لوگوں کی خوش گوار زندگی کی امید میں خود کو فروخت کرنے پر خوشی سے تیار ہو جاتے تھے اور کچھ کو وہ زبردستی قید کر لیتے تھے۔ اس نے سوچا شاید یہ لوگ بھی غلاموں کی ناجائز تجارت کرنے والے تاجر ہیں۔ ان کے اپنے شہر دل من میں حالانکہ اس طرح کی تجارت ممنوع تھی لیکن گذشتہ کافی عرصے سے شہر کا نظم و نسق خراب ہونے کی وجہ سے چوری چھپے یہ کاروبار پھل پھول رہا تھا۔ اس نے لوگوں سے سنا تھا کہ مغرب کے شہروں میں یہ عام بات ہے۔ یہ سب سوچ کر اسے اپنی بے چینی کا سبب سمجھ میں آ گیا۔ وہ لوگ اب بھی خطرے میں تھے۔ اب اسے گھبراہٹ کے ساتھ یہ خوف بھی معلوم ہونے لگا کہ کہیں یہ لوگ انھیں بھی کسی دوسری جگہ لے جا کر غلاموں کی طرح فروخت نہ کر دیں۔ گھبرا کر وہ جلدی سے اس جگہ آ گیا جہاں کاویا گہری نیند میں سو رہی تھی۔

اس نے اس کے شانے ہلا کر نیند سے بیدار کیا اور ساتھ ہی انگلیوں کے اشارے سے خاموش رہنے کے لیے بھی کہا۔ اس نے سرگوشی میں کم سے کم الفاظ میں اسے یہاں کی

صورت حال اور آنے والے خطرے سے آگاہ کیا۔ یہ سب سن کر وہ گھبرا گئی اور سسکیاں لینے لگی۔ لڑکے نے اس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔" کاویا، یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ جلدی سے اٹھ جاؤ۔ ہمیں کسی بھی طرح اپنی جان بچانی ہے۔ ہمیں ہمت سے کام لینا ہوگا"۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ہانیش"۔ گھبرائی ہوئی لڑکی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے لگ رہا ہے کہ ہم پہلے سے بھی بڑی مشکل میں پھنس گئے ہیں اور ہمارے پاس بچنے کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے"۔

"ہمیں نراش نہیں ہونا چاہیے کاویا۔ ہم اب بھی اپنی جان بچا سکتے ہیں۔ ہم ساہس کریں گے تو وشواس کرو کہ مہادیو بھی ہماری سہایتا کریں گے"۔ ہانیش نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کسی بھی حالت میں ہمت نہیں ہارنی ہے۔۔۔ میں نے تاروں کی دھندلی روشنی میں جتنا نظر آیا، دیکھا ہے کہ اس وقت ہماری کشتی سمندر میں آ چکی ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہے۔ ہم اگر تھوڑی سی ہمت کریں تو تیر کر یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکتے ہیں"۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ہانیش"۔ لڑکی اب بھی سسک رہی تھی۔ وہ بولی۔ "مجھے تو تیرنا بھی نہیں آتا"۔ کاویا نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"تم گھبراؤ نہیں۔ تم میری پیٹھ مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ میں تمہیں لے کر تیرتے ہوئے ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا"۔

"اچھا چلو، میں ہمت کرتی ہوں۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے"۔ کاویا نے جواب میں کہا۔

ان دونوں نے ایک لمحے کو سوچا، پھر ایک نے دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ چاروں طرف رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک چھپاک کی آواز ہوئی لیکن وہ سمندر کی لہروں کے شور میں دب گئی۔ رات کی تاریکی میں سمندر دن کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس کی آدم قد لہریں حوصلہ شکن معلوم ہو رہی تھیں۔ لیکن اچھی بات یہ تھی کہ بادلوں بھرے آسمان میں روشن دھندلا سا چاند اور اس کے آس پاس ٹمٹماتے ستاروں کی آنکھ مچولی میں کم از کم اتنی روشنی تو تھی ہی کہ وہ کچھ دور تک دیکھ سکتے تھے۔

کاویانے ہانیش کی پیٹھ پر سوار ہوکر مضبوطی سے اس کی گردن جکڑ رکھی تھی۔ اسے امید تھی کہ یہ اجنبی نوجوان اسے حفاظت سے ساحل تک پہنچا دے گا۔ اونچی لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے قریبی ساحل تک آنے میں انھیں کچھ خاص پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کنارے پر پہنچ کر وہ دونوں پانی سے باہر آئے تھے اور کچھ فاصلے پر خشک ریت میں ہی لیٹ گئے۔ انھوں نے دیکھا تھا کہ وہ بادبانی کشتی، جس سے وہ فرار ہوئے تھے، اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ ڈوبتے ابھرتے چاند کی مدھم روشنی میں انھوں نے اس بادبانی کشتی کو نگاہوں سے اوجھل ہوتے دیکھا، جس سے وہ فرار ہوئے تھے۔ اب ان کی جان میں جان آئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تک ان کے فرار کی خبر غلاموں کی سوداگری کرنے والے ان خبیثوں کو نہیں ہونے پائی تھی اور اب وہ بڑی حد تک خطرے سے باہر تھے۔ شاید تھکن اور آزادی کے اسی احساس کی وجہ سے وہ دونوں تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے تھے۔

لیکن اب دوسرا اور ایک نیا دن نئے مسائل کے ساتھ ان کے سامنے آچکا تھا۔ سورج کافی بلند ہوچکا تھا اور رفتہ رفتہ اس کی تمازت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ انھیں جلد ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ کرلینا تھا۔ انھیں یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ صبح ہو جانے کے بعد غلاموں کے سوداگروں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ ہم لوگ فرار ہوچکے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری تلاش میں یہاں واپس آجائیں۔ چنانچہ انھیں مناسب معلوم ہوا کہ جتنی جلدی ممکن ہو انھیں ساحل سے دور چلے جانا چاہیے تاکہ وہ سمندر میں آنے جانے والی کشتیوں کی نظر سے اوجھل رہیں۔

(چھ)

دل من میں بارہ دنوں کی مسلسل بارش کے بعد پانی کا برسنا رک گیا تھا۔ بچے کھچے لوگوں نے یہاں کالے بادلوں کی اوٹ میں چھپے سورج کے دیدار بھی کئے تھے۔ رفتہ رفتہ سندھ کا پانی بھی اترنے لگا تھا، لیکن اب دریائے سندھ دل من کی شہر فصیل سے پہلے کے مقابلے تھوڑی دور چلا گیا تھا۔ حالانکہ بارش پچھلے کئی دنوں سے بند تھی لیکن اس وقت تک یہ پورا شہر برباد ہوچکا تھا اور رہنے کے لائق بالکل نہیں رہ گیا تھا۔

پانی اترنے کے بعد یہاں چاروں طرف کیچڑ جمع ہوگئی تھی۔ یہاں رہنا تو کجا چلنے

پھرنے کے لائق بھی حالات نہیں رہ گئے تھے۔ باڑھ کے بعد وہ لوگ جو آس پاس کے علاقوں اور پہاڑوں پر اپنی جان بچانے کے لیے پناہ گزیں تھے، رفتہ رفتہ واپس ضرور آ گئے تھے اور یہاں دوبارہ ایک چھوٹی سی بستی آباد کر لی تھی، لیکن ان کی زندگی مکمل طور پر بدل چکی تھی۔ آرام و آسائش کے عادی یہ لوگ اب یہاں رہ کر خوش نہیں تھے۔ سارے شہر میں گندگی کا ڈھیر جمع ہو گیا تھا۔ جن سڑکوں اور نالیوں پر کبھی شہر کے لوگ فخر کرتے نہیں تھکتے تھے اور اپنی گفتگو میں انھیں اپنے ترقی یافتہ ہونے کی علامت کے طور پر استعمال کرتے تھے، برباد ہو چکی تھیں اور شہر میں جگہ جگہ گندا پانی رک کر بدبو کے ساتھ ساتھ بیماریاں بھی پھیلا رہا تھا۔ ابھی اس بستی کو جزوی طور پر بسنے میں کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ یہاں کے لوگ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرنے لگے تھے۔ یہ بیماری ایک وبائی شکل اختیار کر چکی تھی اور لوگ ایک بار پھر یہاں سے ہجرت کرنے کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔

(سات)

نسبتاً کم اونچائی والی چوٹی پر متمکن مہادیو پتر مہرشی سپت منو کی تپسیا مکمل ہو چکی تھی۔ منتروں کے پاٹھ اور جسمانی ریاضت میں انھوں نے کوئی کور کسر نہیں چھوڑی تھی۔ گذشتہ چھ مہینوں سے وہ ایک پیر پر کھڑے ہوئے منتروں کا جاپ کر کے مہادیو کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شاید یہی سبب تھا کہ وہ اپنی اس ریاضت سے پوری طرح مطمئن بھی تھے۔ اب ان رخنہ اندازیوں کے ذکر کا کوئی مفہوم بھی نہیں تھا جو اَدھرمیوں اور پشاچوں نے ان کی تپسیا کو بھنگ کرنے کے لیے کی تھیں اور جن کی وجہ سے انھیں بار بار اپنا تپو استھل بدلنا پڑا تھا۔ اب وہ اپنی تپسیا پوری طرح مکمل کر چکے تھے اور انھیں امید تھی کہ جلد ہی انھیں مہادیو کے درشن ہوں گے۔ ان کی یہ امید بے نتیجہ بھی نہیں رہی۔ مہادیو واقعی ان کی اس ناممکن حد تک مشکل ریاضت سے خوش ہوئے تھے اور خود انھیں درشن دے کر ان کی مرضی کا وردان دینے کے لیے ان کے سامنے ظاہر ہو گئے تھے۔

"پتر، ہم تمھاری تپسیا سے پرسن ہوئے۔ بتاؤ، تم ہم سے کیا چاہتے ہو"؟ مہادیو نے محبت کے ساتھ اپنے بھگت سے پوچھا۔

مہرشی سپت منو نے بڑی حیرانی سے مہادیو کی طرف دیکھا۔ انھوں نے ان کے احترام میں نہایت عقیدت سے اپنا سر جھکایا، ہاتھ جوڑے اور ان کی مدح میں بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔

بھگون سَرو وَرنا نام یتھا وَدَنو پوُ روشہ
اَنتر پربھو وانا چہ دھرمان نو وکتو مرہسی
آسی دِدَم تمو بھوتم پرگیا تم لکشنم
اَ پرترکیامو گییَم پرَسُپت سروتہ

"دل من کی دھرتی پر پُنہ مَنشیوں کے جیون کا دان مہا پربھو"۔ مہرشی نے نرم لہجے میں لیکن مکمل خود اعتمادی کے ساتھ اپنے وردان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔ "میری کیول یہی اِچھا ہے کہ اس پرتھوی کے سورگ دل من پر منشیہ جاتی پنہ سکھ اور سمردھی کے ساتھ واس کرے"۔ ایک لمحے کو رک کر وہ آگے بولے۔ "رہی میری بات تو میرا سکھ تو آپ کے چرنوں میں ہی نہت ہے"۔

مہادیو کو امید نہیں تھی کہ مہرشی سپت منو اس طرح کا کوئی وردان طلب کرلیں گے جن کے لیے دیوتاؤں کی اکثریت بالکل تیار نہیں تھی۔ لیکن اب وہ وچن دے چکے تھے۔

"تتھاستو، وتس"۔ بالآخر مہادیو نے کہا اور روپوش ہو گئے۔

۱۔ ہے بھگون برھما، چاروں ورنوں اور لوگوں کے مقابلے میں آپ ہر کام کے لیے زیادہ اہل ہیں۔ (منوسمرتی باب اول شلوک ۲)

۲۔ یہ سنسار تاریکی میں غرق، لاعلم، علائم سے عاری، منطق سے دور خواب میں ڈوبا ہوا ہے۔ (منوسمرتی باب اول شلوک ۵

تجارتی نگر

(ایک)

مصر سے آنے والا بحری جہاز سمندر سے اب دریائے سابرمتی میں داخل ہو چکا تھا اور اس کی منزل مصنوعی طور پر بنائی گئی نہر سے ہوتے ہوئے لوتھل بندرگاہ تک پہنچنا تھی۔ تاجروں کے علاوہ سُت کا بندر اور بالاکوٹ کے پاس سے اس جہاز پر کچھ ایسے لوگ بھی سوار ہوئے تھے جو مصیبت زدہ تھے اور جنھیں جہاز کے کپتان نے ازراہ ہمدردی سیلاب سے بچانے کی نیت سے اپنے جہاز میں سوار کرلیا تھا۔

لوتھل پہنچنے کے بعد لاپیس اور انوبیس دونوں مصری تاجر کپتان کے پاس عرشے پر آئے اور انھوں نے آواز دے کر مزدوروں کو ہدایت دی کہ وہ جہاز کو لنگر انداز ہونے میں مدد کریں۔ کچھ مزدور آگے بڑھے اور انھوں نے جہاز سے پھینکی گئی رسی کو پاس کے ایک پختہ ستون سے باندھ دیا جو اس گودی کی تعمیر کرنے والے نگر پالک اریک شا کے ذریعے اسی مقصد کے تحت بنائے گئے تھے۔ اس کے بعد تاجروں کی نگرانی میں مزدوروں نے تجارتی سامان اتار اتار کر نزدیک ہی پکی اینٹوں سے تعمیر کی ہوئی ایک وسیع وعریض عمارت میں لے جا کر رکھنا شروع کر دیا۔

لوتھل بندر پر قدم رکھتے ہوئے اوریش مہاجن مغموم تھا کہ اسے اپنوں سے بچھڑ کر اور اپنے شہر دل من سے دور لوتھل بندر پر اترنے کے لیے مجبور ہونا پڑا تھا۔ اس کے قدم میں لڑکھڑاہٹ بھی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ اس نے رات میں گیہوں، جو اور چاول سے بنی ہوئی مصری

شراب کی کچھ زیادہ ہی بوتلیں خالی کردی تھیں اور اس وقت بری طرح نشے میں جھوم رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ لوتھل میں اپنی کاروباری مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنے افراد خاندان کی کھوج خبر کے لیے زمینی راستے سے دل من کی طرف جانے کی کوئی سبیل کرے گا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے مہادیو کو یاد کرتے ہوئے بار بار پرارتھنا کررہا تھا کہ اس کی بیوی اور بچہ اس وقت جہاں کہیں بھی ہوں، زندہ اور صحیح سلامت ہوں۔ لیکن اب جب کہ وہ مجبوراً ہی سہی اس شہر میں آ گیا تھا تو یہاں سے متعلق کچھ پرانے ضروری کاموں کو نپٹا لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مابل گام کے گام پتی اہوراج سے بھی مل لے اور اس سے کچھ پرانے کاروباری معاملات پر گفتگو کرے جو رازداری برقرار رکھنے کے چکر میں کئی برسوں سے ٹلتے چلے آرہے تھے۔ اس کے لیے اسے کسی شخص کو معاوضہ دے کر مابل گام بھیجنا تھا جو اہوراج کو یہ اطلاع دے کہ اوریش مہاجن اس وقت لوتھل بندر میں ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے۔

لیکن ان سب سے بھی پہلے اسے نیم پاگل دھاون سے جان چھڑانی تھی، جو اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے مائی باپ ہیں اور وہ اب اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ اس نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔ چونکہ وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے بیوی بچے کو تلاش کرنے میں مدد کر سکتا ہے، اس لیے اس کے دل میں اس پاگل کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔

اسے فوری طور پر لوتھل میں اپنے رہنے کا کوئی معقول بندوبست بھی کرنا تھا اور مصر سے لائے ہوئے اپنے تجارتی سامان کو بازار تک لے جا کر اسے فروخت کرنے کی سبیل بھی کرنی تھی۔ لیکن ان سارے کاموں میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا، کیونکہ وہ اپنے بیوی بچے کی فکر میں بے قرار و بے چین تھا۔

جو تین لوگ ست کا بندر سے اور دو لوگ بالاکوٹ سے اس بادبانی جہاز پر سوار ہوئے تھے، اتر کر مزدوروں میں شامل ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ مل کر جہاز سے سامان اٹھا اٹھا کر پختہ عمارت میں پہنچانے کا کام کرنے لگے تھے، کیونکہ اس اجنبی شہر میں انھیں اپنے کھانے پینے اور رہنے بسنے کا انتظام کرنے کے لیے کچھ مہروں کی ضرورت پڑنے والی تھی۔ اس کے لیے گودی پر مزدوری کے علاوہ انھیں کوئی دوسرا راستہ نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ دونوں مصری

تاجروں کو ان سے ہمدردی ہوگئی تھی۔شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بڑے طوفانی سیلاب سے گذر کر اپنی جان بچاتے ہوئے صحیح سلامت یہاں تک پہنچے تھے۔اس ہمدردی کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا کہ سارا سامان اتر جانے کے بعد انھیں عام طور پر مزدوروں کو دی جانے والی مزدوری سے دوگنی رقم ادا کی تھی تاکہ وہ اس نئے شہر میں اپنے لیے کچھ معقول انتظام کرلیں۔

(دو)

لوتھل بندر ایک ترقی یافتہ شہر اور ایک اہم تجارتی مرکز تھا، جسے دل من کی طرز تعمیر کو سامنے رکھتے ہوئے پوری ہوش مندی اور منصوبہ سازی کے ساتھ بسایا گیا تھا۔اس کا طول و عرض اور یہاں رہنے والے لوگوں کی آبادی بھلے ہی دل من کا مقابلہ نہ کرسکتی ہو لیکن یہ شہر اپنی آرائش و زیبائش، اپنے طرز تعمیر، اپنے مکانات کی کشادگی، شہر بھر میں اپنی زمین دوز نالیوں کے بچھے ہوئے جال اور اپنی چھوٹی بڑی پختہ سڑکوں اور صاف ستھری گلیوں کے لیے مشہور تھا۔شہر کے تحفظ کے نظم و نسق میں یہ شہر کسی بھی طرح دل من سے کم نہ تھا۔یہاں بھی شہر کے گرد اسی طرح کی مضبوط فصیل تھی جیسی دل من کی تھی، جو شہر کو بیرونی لوگوں کی ریشہ دوانیوں اور جنگلی جانوروں سے تحفظ فراہم کرتی تھی۔یہ فصیل پکی ہوئی اینٹوں، مٹی کے گارے اور سلیقے سے ترشے ہوئے پتھروں کی مدد سے بنائی گئی تھی۔اس کی موٹائی تین ہاتھ تھی اور اس کے اوپر ایک راہداری کی تعمیر کی گئی تھی جس میں وقت پڑنے پر شہر کے محافظ دستے کے ویر گھوم گھوم کر شہر کی حفاظت کا جائزہ لیا کرتے تھے۔

اس فصیل کے شمال اور جنوب کی سمت شہر سے باہر جانے آنے کے لیے دو بڑے چوبی پھاٹک تھے جہاں ہمہ وقت پہرے کا انتظام رہتا تھا۔شمالی پھاٹک عام ناگرکوں کے لیے تھا اور جنوبی پھاٹک صرف نگر پالک، ان کے افراد خاندان اور ان کے عملے کے استعمال میں رہتا تھا۔ہر پھاٹک پر دو ویر دن رات پہرہ دیتے تھے۔دن میں جو ویر پہرہ دیتے تھے رات میں انھیں آرام کرنے دیا جاتا تھا اور ان کی جگہ دوسرے ویروں کو تعینات کردیا جاتا تھا، تاکہ شہر کا تحفظ کسی بھی حالت میں سستی کی نذر نہ ہونے پائے۔انصاف پسند لوتھل پالک مہامن اریک شا کے حکم سے رات کے وقت یعنی غروب آفتاب کے ایک پہر بعد یہ دونوں پھاٹک

بند کر دیے جاتے تھے اور انھیں کھولنے کے لیے صرف نگر پالک، مہا کرتا یا مہاویر ہی اجازت دے سکتے تھے۔ عام حالات میں انھیں صبح صادق سے پہلے نہیں کھولا جاتا تھا۔ شمال مغرب کی جانب فصیل شہر کے باہر کچھ فاصلے پر ایک قبرستان تھا جہاں شہر کے لوگ نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ اپنے مرحومین کو تمام رسوم و رواج کی پیروی کرتے ہوئے دفن کیا کرتے تھے۔

لوتھل بندر شہر اگرچہ سمندر کے کنارے آباد نہیں تھا جیسا کہ عام طور پر ایسے دوسرے بندرگاہی شہر ہوا کرتے تھے، پھر بھی یہ ایک اہم تجارتی بندرگاہ تھا، تو اس کے اپنے اسباب تھے۔ یہاں کے نگر پالک اریک شاکو شہر کی معیشت کا بڑا خیال تھا۔ اسی لیے انھوں نے اسے مستحکم بنانے کی غرض سے یہاں پر بڑے سلیقے سے ایک مصنوعی گودی کی تعمیر کروائی تھی جہاں ہمہ وقت ضروری گہرائی کے ساتھ پانی کی فراہمی کا نظم تھا۔ اس میں ایک مصنوعی نہر کے ذریعے سابرمتی ندی کا تازہ پانی مسلسل آتا رہتا تھا۔ گودی اسی وسیع و عریض نہر سے ملحق تعمیر کی گئی تھی۔ سابرمتی ندی سمندر میں جا کر گرتی تھی اور لوتھل کے پاس سے سمندر کا فاصلہ بھی بہت زیادہ نہیں تھا، اس لیے اس شہر میں آمد و رفت کے لیے گودی میں پانی کی قلت کبھی نہیں رہتی تھی اور سال کے ہر موسم میں جہازوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

تجارتی جہاز اس اندرونی بندرگاہ تک پہنچنے کی زحمت اس لیے اٹھاتے تھے کہ جو تجارتی اشیا یہاں سے دستیاب ہو سکتی تھیں وہ دور دور تک کہیں اور سے نہیں مل سکتی تھیں۔ یہاں دھاتوں سے بنے برتن اور ضروریات کا دیگر سامان بنانے کے کارخانے تھے، جہاں دھات کو گلانے کے لیے بڑے بڑے آتش دان تعمیر کیے گئے تھے۔ یہاں گھر گھر لکڑی اور مٹی کے خوب صورت کھلونے اور دیگر سامان بھی تیار کیے جاتے تھے۔ یہاں موتیوں اور ہیروں کی کٹائی کا کام بھی بڑی صفائی اور نفاست سے ہوتا تھا۔ یہاں کے کاسہ گر نہ صرف مٹی کے خوب صورت برتن اور دستاویزی تختیاں بنانے میں ماہر تھے بلکہ ان پر خوب صورت نقاشی اور تصاویر بنانے کے فن میں بھی طاق تھے۔ یہ شہر اپنے دلکش اور خوب صورت زیورات خصوصاً موتیوں اور سونے چاندی کے بنے ہار اور آویزوں کے لیے دور دور تک شہرت رکھتا تھا۔ اس علاقے میں حالانکہ بارش کم ہوتی تھی اور زراعت کے لیے پانی کی فراہمی کبھی کبھی مسئلہ بن جاتی تھی لیکن مصنوعی نہر کی مدد سے پانی حاصل کر کے کھیتوں میں چاول کی کاشت بڑے پیمانے پر ہوتی تھی جس سے نہ صرف شہر کی

ضروریات پوری ہو جاتی تھیں بلکہ خاصی مقدار میں اسے دور دراز کے ان شہروں کو برآمد بھی کیا جاتا تھا جہاں کے لوگ اس جنس گراں اور اس کی کاشت کرنے کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

عملی طور پر یہ شہر تین حصوں میں منقسم تھا۔ ایک بڑا میدانی حصہ ایسا تھا جہاں عام شہریوں کی رہائش تھی۔ اس حصے میں بیشتر رہائشی مکانات کچی اینٹوں اور مٹی کے گارے کی مدد سے بنے ہوئے تھے۔ لیکن، ان میں سے جو لوگ کھاتے پیتے خاندانوں سے متعلق تھے ان کے کچھ مکانات پختہ اور پکی ہوئی اینٹوں سے بنے ہوئے بھی تھے۔ سابرمتی ندی میں اکثر آنے والے سیلاب سے بچنے کے لیے یہ مکان ایک یا دو گز بلند چبوتروں کے اوپر بنائے جاتے تھے۔ یہاں کچھ چھوٹے بڑے کنویں بھی تھے جن سے عوام کے روزمرہ استعمال کے لیے پانی کی ضرورت کی تکمیل ہو جاتی تھی۔

شہر کا دوسرا حصہ نسبتاً کچھ بلندی پر واقع تھا۔ یہاں شہر کے بڑے تاجر، متمول لوگ، نگر پالک اریک شا کے کچھ کارکن اور بڑی تعداد میں حفاظتی دستے کے ویر رہائش پذیر تھے۔ یہاں بھی رہائشی مکانوں کی تعمیر اونچے چبوتروں پر تھی۔ یہاں ایک دیوایتن بھی تھا، جہاں پر ہر ایک کو، خواہ اس کا تعلق اس شہر کے کسی حصے سے ہو یا وہ کہیں باہر سے آیا ہو، آ کر عبادت کرنے کی اجازت تھی۔ اس دیوایتن میں آٹھوں پہر عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ عبادت گاہ سے ملحق ایک طویل و عریض عمارت تھی جس میں ان مقدس پجاریوں کی رہائش تھی جو عبادت گاہ میں دعا اور پوجا کا اہتمام کرنے کا نظم کرتے تھے۔ عبادت گاہ کے قریب ہی ایک بڑی عمارت میں نیایے پنچایت تھی جہاں پر تنازعے کی صورت میں لوگ انصاف پانے کے لیے جایا کرتے تھے۔ یہ نیایے پنچایت پانچ ذی فہم اور اپنے میدان کے نہایت تجربے کار اور وسیع النظر پنچوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ ان میں سے ایک مہا پنچ ہوتا تھا جو نگر پالک کی زیر سرپرستی باقی پنچوں کے مشورے سے انصاف پر مبنی حتمی فیصلے صادر کرنے کے لیے بااختیار تھا۔ شہر کے لوگ اس عمارت کو بھی دیوایتن کی ہی طرح مقدس تصور کرتے تھے۔

شہر کی جنوبی فصیل سے ملحق تیسرا حصہ ایک اونچی پہاڑی پر واقع تھا۔ یہ دراصل ایک فصیل بند قلعہ تھا، جہاں خود نگر پالک، ان کے افراد خاندان اور ان کے نجی داسوں اور کارکنوں

کی رہائش تھی۔ اس کوٹ کے اطراف حفاظت کی غرض سے اپنی فصیل تعمیر کی گئی تھی۔ اس کی تعمیر میں پختہ اینٹوں کا استعمال ہوا تھا اور اس کی دیواریں تقریباً دو سے تین ہاتھ موٹی تھیں، کوٹ میں داخل ہونے کے لیے ایک ہی پھاٹک تھا، جو ناقابل شکست تھا اور جسے لوہے کو گلا کر بنایا گیا تھا۔ یہاں دل من کی طرز پر ایک بڑا پختہ تالاب بھی بنایا گیا تھا جو نگر پالک اور ان کے افراد خاندان کے غسل اور تفریحات کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس کے اطراف ایک باغیچہ بھی تعمیر کیا گیا تھا جہاں دنیا کے کونے کونے سے لا کر طرح طرح کے پھولوں کے پودے لگائے گئے تھے، جو ہر موسم میں باغیچے کی رونق میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ یہاں ایک بڑا کنواں بھی تھا، جس سے قلعے کے اندر کی پانی کی ضروریات پوری ہوا کرتی تھی۔ قلعے کے جنوب مشرق کی طرف ایک بڑی عمارت تھی جسے اناج اور زراعت سے متعلق دوسری اشیا کے گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور جہاں لوگ تجارت کی غرض سے استعمال ہونے والا اپنا اناج اور دوسری اشیا رکھا کرتے تھے۔ اس گودام کی چھت قلعے کی دیوار سے ملحق رکھی گئی تھی اور یہاں سے نگر پالک اکثر مشرق کی سمت واقع گودی میں ہونے والی جملہ سرگرمیوں کا بہ نفس نفیس جائزہ لیا کرتے تھے۔

شہر کے شمالی پھاٹک سے جنوب کی طرف ایک کافی چوڑی شاہراہ تھی، جو مہا پتھ کہلاتی تھی۔ اس کے دونوں طرف بازار لگتا تھا۔ یہ بازار یوں تو روز ہی لگتا تھا اور یہاں لوگوں کو اپنی ضرورت کی تمام چیزیں آسانی سے مل جاتی تھیں، لیکن ہفتے میں ایک دن یہ بازار اور دنوں کے مقابلے میں کئی گنا بڑا ہو جاتا تھا۔ اس دن دور دراز سے آئے ہوئے چھوٹے بڑے تاجر بھی اس بازار میں اپنا مال فروخت کرنے کے لیے آتے تھے۔

(تین)

گام پتی اہوراج اچھا آدمی نہیں تھا۔ سوناری کو لے کر اس کی نیت میں کھوٹ تھا۔ اس نے اسے حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا، جس کے تحت اپنی بیوی سکھدا کو، جو کئی دنوں سے قریب کے دوسرے گاؤں میں اپنی ماں سے ملاقات کے لیے جانا چاہتی تھی، جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی حفاظت کی غرض سے اس نے گاؤں کے بہترین شکاری اجابل کو

اپنے تیر کمان سمیت اس کے ساتھ کر دیا تھا تاکہ اسے راستے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ لیکن اس کو بھیجنے کا اصل منشا کچھ اور ہی تھا۔ شاید اسی لیے اسے اپنی بیوی کی طرف سے شک تھا کہ کہیں وہ اپنی ماں کے گھر جانے کا بہانہ کر کے اچانک واپس نہ آ جائے اور اسے رنگے ہاتھ پکڑ لے۔

اس کی غیر موجودگی میں سوناری نے گھر کا سارا کام کاج سنبھال لیا تھا تاکہ اس کے میزبان کو اس کی بیوی کے نہ ہونے کی وجہ سے کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ ہو۔ گام پتی نے اس کے بھائی تارن کو بھی اپنے کسی دوست کو دودھ پہنچانے کی غرض سے قریب کے کسی دوسرے گاؤں بھیج دیا تھا اور وہ رات دیر تک یا دوسرے دن واپس آنے والا تھا۔

اہوراج کا گھر چاروں طرف سے پیپل اور برگد کے گھنے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ ویسے بھی اپنے کاموں کی راز داری برقرار رکھنے کے لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے گھر کے آس پاس کوئی دوسرا شخص آ کر رہے۔ اس کے سخت مزاج اور اس کی مشکوک سرگرمیوں سے لوگ ویسے بھی خائف رہتے تھے۔ اب یہ لوگوں کا چشم دید سچ تھا یا ان کا اندازہ لیکن وہ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ اہوراج کا تعلق آس پاس کے شہروں کے بڑے بڑے غنڈوں اور ناجائز کام کرنے والوں سے ہے۔ چنانچہ اس کے کسی کام میں مداخلت کرنے کی ہمت گاؤں میں کسی کو نہیں تھی۔ پھر برے وقتوں میں وہی ایک تھا جو ان کی مدد کے لیے آگے آیا کرتا تھا، اس لیے بھی لوگ اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرنے سے گریز کرتے تھے۔ ایک طرح سے وہ اس گاؤں کا خود مختار مالک تھا، جہاں صرف اس کا حکم چلتا تھا۔

یہاں پیپل اور برگد کے ہر درخت کے اطراف ایک گول چبوترہ بنایا گیا تھا تاکہ گھر کے لوگ دن کی گرمی میں درخت کے نیچے آرام اور رات میں ٹھنڈی ہوا کا مزہ لے سکیں۔ اندھیرا ہونے پر کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سوناری نے برگد کے ایک درخت کے نیچے بنے چبوترے پر اپنا بستر لگا لیا تھا۔ دن بھر گھر کے کام کرنے کی وجہ سے وہ تھکی ہوئی بھی تھی اور نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مچھروں نے اسے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ یہ سوچ کر لیٹی رہی کہ شاید یہ مچھر خود بخود بھاگ جائیں گے لیکن جب اسے ان سے نجات نہیں ملی تو اس نے پاس ہی کچھ لکڑیاں جمع کیں، اس میں تھوڑا سا سوکھا گوبر ملایا اور اسے جلا کر دھواں پیدا کر لیا تاکہ ان مچھروں سے نجات مل سکے۔ اس میں اسے

کامیابی بھی ملی اور جلد ہی اسے نیند آ گئی اور وہ اطمینان سے سوگئی۔

وہ اس وقت گہری نیند میں تھی جب رات کے کسی پہر اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ہو۔ اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ اسے اس کی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید اس کا بھائی تارن اپنا کام کر کے کچھ جلدی واپس آ گیا ہے اور اسے وہاں سوتے دیکھ کر اس کے پاس چلا آیا ہے۔ لیکن جب یہ ہاتھ اس کے سر سے رینگتے ہوئے اس کے سینے تک آ گئے تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ یہ اس کا بھائی تو ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ چیخنے ہی والی تھی لیکن اس سے پہلے ہی اس کا منہ ان سخت ہاتھوں نے بند کر دیا جو کچھ دیر پہلے اس کے سر اور سینے کا طواف کر رہے تھے۔ اس نے حیرت سے سنا۔ کوئی سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ ''پر یے، گھبراو نہیں، یہ میں ہوں۔ میں گام پتی، اہوراج''۔

''لیکن یہ تم کیا کر رہے ہو''؟ سوناری نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔

''ارے تو اس میں کون سا کشٹ ہونے والا ہے تمھیں۔ شادی شدہ ہو۔ ایک بچے کی ماں ہو۔ میں وہی تو کر رہا ہوں جو ایک پرش کسی استری کے ساتھ کرتا ہے۔ تم نراشریے ہو اور ایسی عورتوں کی سہایتا کرنے کا میرا اپنا طریقہ ہے، تم سندر تھیں اور میرے من کو بھا گئی تھیں، اسی لیے تو میں نے مہمانوں کے بنٹوارے کے وقت تم کو اور تمھارے بھائی کو اپنے حصے میں لے لیا تھا''۔ اہوراج نے کچھ پیار اور کچھ غصے کے ملے جلے لہجے میں کہا۔ ''ہم لوگ مل کر آج رات مزے کریں گے''۔

''چھوڑو مجھے، دُشٹ کہیں کے، ورنہ میں چیخ چیخ کر لوگوں کو جمع کرلوں گی''۔ سوناری نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ گام پتی کا گھر ہے استری۔۔۔۔کیا نام بتایا تھا تم نے اپنا''؟ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہاں سوناری۔ گاوں کے سارے لوگ میرے داس ہیں۔ وہ میرے گھر میں ہونے والی گھٹناوں پر دھیان نہیں دیتے۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ سے سے پر سب کو مجھ سے کچھ نہ کچھ کام پڑتا ہی رہتا ہے۔ اس لیے وہ آئے دن اس طرح کی چیخیں سنتے تو ہیں پرنتو کچھ جاننے کے لیے ادھر آنے کا پریاس کبھی نہیں کرتے''۔

اہوراج اس سے بات بھی کر رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اس کے بدن کے نرم و

نازک حصوں کو سہلاتا بھی جا رہا تھا۔اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے آگے کہا۔
''گاؤں والے جانتے ہیں کہ ہمارے گھر میں کچھ بھی ہو، کتنی بھی چیخ پکار مچی ہو، کوئی بھی ہنگامہ برپا ہوا ہو، دوسرے دن سب کچھ ٹھیک ہی ہو جاتا ہے اور گاؤں والوں کو کبھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ چیخ کس کی تھی اور پچھلی رات کو کیا ہوا تھا۔تم یہ بات اچھی طرح جان لو کہ وہ تمہاری چیخ سن کر بھی اِدھر نہیں آئیں گے''۔گام پتی اہوراج نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔''اس لیے تمہارے لیے یہی اچھا ہے کہ تم چپ چاپ میری بات مان لو۔اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔میرا شوق پورا ہو جائے گا اور آگے سے تمہاری اور تمہارے بھائی کی ہر آوشیکتا پوری کرنے کی ذمہ داری میری ہوگی۔گاؤں میں تم دونوں کا ایک وششٹ استھان ہوگا اور کوئی تم لوگوں کی اور آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا ساہس بھی نہیں کر پائے گا''۔اہوراج بڑے کاروباری انداز میں اسے اونچ نیچ سمجھا رہا تھا۔

ڈری سہمی ہوئی سوناری کو اس عجیب سی صورت حال میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ادھر اس کے نوجوان بدن پر ادھر ادھر رینگتی ہوئی انگلیاں اسے بے چین اور بے بس بھی کر رہی تھیں۔اس نے اہوراج کی بات کا اپنی زبان سے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن اپنے جسم کو ڈھیلا ضرور چھوڑ دیا۔تجربے کار اور دنیا دیکھا ہوا گام پتی اہوراج اس کے اس اشارے کو سمجھ گیا اور اس کے ہاتھ اس کے بدن پر اور تیزی سے حرکت کرنے لگے۔

اس نے پہلے اس کے سارے کپڑے اتارے، پھر اس سے لپٹ کر وہیں چبوترے پر لیٹ گیا۔

سوناری مجبور تھی، کمزور تھی، بے سہارا تھی۔اسے سہارے کی ضرورت تھی۔وہ جانتی تھی کہ اسے یہ ٹھکانہ کتنی دشواریوں کے بعد ملا ہے۔وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس وقت یہاں اسے بچانے کے لیے کوئی آنے والا نہیں ہے۔اگر وہ یہاں سے بھاگ کر بھی کہیں جاتی ہے تو بھی کہاں جائے گی۔یہ بستی چاروں طرف سے جنگل سے گھری ہوئی ہے۔رات کا وقت ہے۔تھوڑی ہی دیر میں کوئی جنگلی جانور اس کی جیون لیلا سماپت کر دے گا۔پھر اسے یہ بھی لگ رہا تھا کہ اب ہے ہی کون جس کے لیے وہ اپنے بدن کو سنبھال کر رکھے۔اس کے پتی سے تو اب کبھی بھینٹ ہونے سے رہی۔جانے وہ کہاں ہوگا اور کیا کر رہا ہوگا۔اس لیے اس نے اسی میں اپنی بھلائی سمجھی کہ وہ چپ چاپ گام پتی کو وہ کرنے دے جو وہ کرنا چاہ رہا تھا۔

جس طرح کے سماج میں اس پرورش ہوئی تھی وہاں اس طرح کے کاموں کو برا ضرور سمجھا جاتا تھا لیکن یہ اس حد تک معیوب بات نہیں تھی کہ ایسا کرنے والے کے ساتھ کوئی برا سلوک کیا جائے۔ اس طرح کے واقعات اس سماج میں آئے دن ہوتے ہی رہتے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ایک رات میں اس کا کچھ بگڑنے والا بھی نہیں تھا۔ وہ سندر تھی، شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں تھی۔ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر کبھی اس کا پتی اسے دوبارہ مل بھی گیا تو اسے یہ بات کبھی پتہ نہیں چل پائے گی کہ اس رات اس کے ساتھ کیا کچھ ہو چکا ہے۔ اور اگر اسے معلوم ہو بھی جائے گا تو ان غیر معمولی حالات میں ایسا سب کچھ ہونے پر اسے نہ کوئی حیرت ہوگی اور نہ اعتراض۔ یہ سب سوچتے ہوئے اس نے نہ صرف اپنے آپ کو اہوراج کے حوالے کر دیا بلکہ تن من سے اس کی خواہش پوری کرنے میں بھرپور تعاون بھی دینے لگی۔ اس رات کافی دیر تک کام پتی نے جی بھر کر اس کی جوانی کا رس پان کیا اور اس کے بعد بغیر کچھ کہے اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے چپ چاپ اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔

دوسرے دن اس کا بھائی آ گیا اور دو تین دن بعد کام پتی کی بیوی سکھدا بھی اپنی ماں کے گھر سے واپس لوٹ آئی۔ سوناری کو اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ گئی تھی کہ دونوں کا اس طرح گھر سے دور کیا جانا کوئی اتفاق نہیں تھا۔ ماں کے گھر سے واپس آنے کے بعد اس کے بدلے ہوئے رنگ روپ اور ہاو بھاو کو سکھدا نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ یہاں اس عورت کے ساتھ اس کے پتی نے کیا کچھ کیا ہوگا۔ لیکن اس نے نہ تو سوناری سے کچھ کہا اور نہ اپنے پتی سے کوئی باز پرس ضروری سمجھی۔ جیسے اس کے لیے یہ سب روزمرہ کی بات تھی۔ شاید وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ ان کے سماج میں پرش اپنی من مانی کرنے کو پوری طرح آزاد ہیں اور استری ان کی کسی حرکت پر کچھ بولے تو اپنے لیے مشکلیں ہی کھڑی کر سکتی تھی۔ اس سماج میں استری کی چپ رہنے میں ہی بھلائی تھی اور وہ چپ تھی۔

سوناری کا بھائی تارن دیکھ رہا تھا کہ کام پتی ان دونوں پر کافی مہربان ہے۔ وہ اسے ایک بھلا آدمی سمجھ رہا تھا اور جی جان سے اس کی سیوا کرنا چاہتا تھا۔ اہوراج نے ان دونوں کے رہنے اور کھانے پینے کا بہت اچھا انتظام کر دیا تھا۔ تارن اور سوناری خوشی سے اس کا ہر کام کرتے

تھے، تاکہ وہ ان سے خوش رہے اور ان کا یہ آشرے اسی طرح برقرار رہے۔

(چار)

ہانیش اور کاویا آپس میں بڑی حد تک بے تکلف ہو چکے تھے۔ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ دونوں بے سہارا اور مجبور تھے۔ آپس میں بات کر کے ان دونوں نے طے کیا کہ اگر وہ ندی کے کنارے کنارے چلیں تو شاید آگے چل کر انھیں کوئی انسانی بستی مل جائے، جہاں وہ اپنی زندگی اور روزی روٹی کا انتظام کر سکیں۔ حالانکہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے گھنے جنگل سے وہ خوف زدہ بھی تھے، جہاں جنگلی جانوروں کے ساتھ ساتھ وحشی جنگلی انسان بھی ہوتے تھے، جو مسافروں کی تاک میں رہا کرتے تھے اور انھیں لوٹ کر انھیں جان سے بھی مار دیتے تھے۔ لیکن یہ خطرہ بھی کم نہیں تھا کہ کشتی کے تاجر ان کی تلاش میں واپس آ کر انھیں دوبارہ پکڑ سکتے ہیں۔ دونوں کو ہی یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کسی قیمت پر انھیں جلد از جلد ساحل سے دور چلے جانا چاہیے۔

خوف اور احتیاط کے ملے جلے احساس کے ساتھ ان دونوں نے پہلے دریا پار کیا اور پھر اس کے کنارے کنارے ایک بے نام منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

(پانچ)

''مجھے دل من کے کرتا اوریش مہاجن نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اس سمے وہ لوتھل بندر میں ہیں۔ میں ان کا دوت ہوں۔ میرے پاس آپ کے لیے ان کا ایک سندیش ہے، پرنتو ان کا سخت آدیش ہے کہ یہ سندیش میں آپ کو ایکانت میں بتاؤں''۔ آنے والے دوت نے گام پتی اہوراج کو مخاطب کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''اوریش مہاجن! ارے ایسا لگتا ہے جیسے ان کو دیکھے ہوئے اور ان کا نام سنے ایک یگ بیت گیا۔ کیا سندیش بھیجا ہے انھوں نے، میں ترنت سننے کا ابھلاشی ہوں''؟ اہوراج نے اسے گھر سے کچھ دور ایکانت میں لے جاتے ہوئے کہا۔ ''بہت دنوں سے ان کے بارے میں کچھ گیات نہیں ہو سکا تھا تو میں بہت چنتت ہو گیا تھا۔ وہ ٹھیک ہیں، سوتھ ہیں، یہ جان کر میں

اتی پرسن ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے اہوراج نے اپنے ایک داس کو دوت کے لیے جل پان کا بندوبست کرنے کے لیے آواز دی۔

"انھوں نے کہا ہے کہ آپ کے پاس جو مال بھی اپلبدھ ہو اسے ساتھ لے کر بنا کوئی ولمب کیے ہوئے لوتھل بندر کے مہا پتھ پر استھت یاتری نواس پر آ کر ان سے بھینٹ کر لیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ شرط کیول یہ ہے کہ مال اچھا اور بنا کسی جھنجھٹ کے ہونا چاہیے۔ آج کل لوتھل میں مہا کرتا نے استھان استھان پر چوکیاں بنا دی ہیں۔ ہر جگہ تلاشی ہوتی رہتی ہے۔ مال کو چوری سے لے جانے میں بہت خطرہ ہے۔ سودا ہو جانے کے بعد اس کا مولیہ آپ کو ترنت ادا کر دیا جائے گا"۔

آنے والے دوت نے سندیش کی تفصیل بتاتے ہوئے اہوراج سے آگے کہا۔ "انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دل من کی باڑھ میں کھوئی ہوئی ان کی پتنی اور پتر کی تلاش میں وہ آپ سے کچھ سہایتا بھی چاہتے ہیں اور یدی اس میں تم سپھل ہوتے ہو تو وہ اس کا مولیہ تمھیں الگ سے دیں گے"۔

"اوشیہ، وہ میرے مائی باپ ہیں۔ ان کے ہر آدیش کا پالن کرنا میرا دھرم ہے"۔ اہوراج بولا۔ "یدی وہ چاہیں گے تو ان کی پتنی اور پتر کو ڈھونڈنے میں بھی میں اوشیہ ہی ان کی سہایتا کروں گا"۔ اس کے بعد اس نے دوت سے کہا۔ "تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ لمبی یاترا کر کے آئے ہو۔ آج کی رات وشرام کرلو۔ اس بیچ میں یاترا کے لیے آوشیک تیاری کر لیتا ہوں اور سمبھو ہوا تو کل ہم ساتھ ساتھ ہی لوتھل چلیں گے۔۔۔۔ اس بیچ میں یاترا کے لیے کسی بیل گاڑی کا پربندھ بھی کرلوں گا"۔

"دھنیہ واد گام پتی اہوراج، تو اب کل بھینٹ ہوگی"۔ دوت ان کے داس کے ساتھ جاتے ہوئے بولا۔ "دیوتا آپ کو پرسن رکھیں۔ آپ جیسے سجن لوگ کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں"۔

اہوراج نے اپنے گھر کے باہری کمرے میں اس کے کھانے پینے اور رہنے کا بندوبست کر دیا تھا اس کے بعد وہ اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔ وہ فوراً سوناری سے ملنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ سیدھا اس کمرے میں پہنچا، جہاں وہ رہتی تھی۔ لیکن وہ اس وقت کمرے میں نہیں تھی۔ اس نے اپنے گھر کے اندر جا کر دیکھا تو وہ اس کی پتنی کے ساتھ کھانا پکانے میں مصروف تھی۔

اس نے سوچا کہ اس سے اس وقت بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ کسی بہانے رات میں اسے باہر جنگل کی طرف لے جائے گا اور وہاں اس سے اُسے فروخت کیے جانے کی منظوری لے گا، اس سے لوتھل چلنے کی بات بھی کرے گا اور ہو سکا تو اس کے ساتھ آخری بار اپنی رات کو رنگین بنانے کی کوشش بھی کرے گا۔

سوناری کو گھر سے باہر لے جانے کا موقع اُسے آسانی سے مل گیا۔ ہوا یہ کہ اس کا بھائی تارن شام کے وقت جنگل میں چولھے میں جلانے لائق سوکھی لکڑیاں چننے گیا ہوا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ سوناری فکر مند تھی۔ اس نے جب یہ بات اہوراج سے کہی تو اس نے کہا کہ میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں کہ اسے اتنی دیر کیوں ہوگئی ہے۔ اس پر سوناری نے ضد کی تھی کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہی چلے گی۔ جنگل کی طرف جاتے وقت راستے میں اس نے اسے اپنے کل کے سفر کے بارے میں بتایا۔

''اوہ، آپ یاترا پر جا رہے ہیں''۔ سوناری نے کچھ گھبراتے ہوئے کہا۔ ''اس کا یہ ارتھ ہوا کہ مجھے کچھ دن آپ کی پتنی کے ساتھ اکیلے رہنا ہوگا۔ ایکانت ہوتے ہی وہ مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم دونوں کے سن سرگ کے بارے میں اسے سب کچھ گیات ہو چکا ہے۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اب اتنے دنوں اس کے ساتھ اکیلے رہنا ہوگا تو وہ تو میری جان ہی لے لے گی''۔

''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ پریے۔ وہاں تمہارے بنا میں اکیلے کیسے رہ پاؤں گا''۔ اہوراج نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا۔

سوناری یہ سن کر خوش ہوگئی۔ ''تو کیا آپ مجھے بھی یاترا میں ساتھ لے چلیں گے''؟ اس نے حیرت سے پوچھا ''میں نے بھی بہت دنوں سے کوئی نگر نہیں دیکھا۔ اس چھوٹی سی بستی میں رہتے رہتے میرا جی اوب گیا ہے۔ تم کتنے اچھے ہو اہوراج''۔

''اتنا ہی نہیں ہے پریے، وہاں میں تمہیں ایک ایسے ویکتی کے حوالے کرنے والا ہوں، جو تمہارے جیون کو سکھ سویدھا سے بھر دے گا''۔ اہوراج نے اس سے کہا۔

سوناری کو اہوراج کی بات ٹھیک سے سمجھ میں تو نہیں آئی لیکن اُسے اس بات کا پورا یقین تھا کہ وہ اس کے لیے جو بھی کرے گا، وہ اس کے بھلے کے لیے ہی ہوگا۔

(چھ)

''ارے، وہ دونوں کہاں چلے گئے''؟ بادبانی کشتی میں سفر کر رہے ان تینوں تاجروں میں سے ایک نے دوسرے کو جھنجھوڑ کر جگاتے ہوئے پوچھا۔

''کون یار۔تم بھی کیا بک بک کر رہے ہو۔۔۔۔نیند آ رہی ہے۔۔۔۔مجھے سونے دو''۔ دوسرے نے نیند میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''وہ لڑکی اور لڑکا جنھیں ہم نے دل مَن کے پاس سیلاب سے بچایا تھا۔کشتی میں نہیں ہیں''۔ پہلے نے کہا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟ کہیں چھپ گئے ہوں گے، یہیں کشتی میں۔سمندر میں بھاگ کر کہاں جائیں گے۔تمھیں یاد ہے نا۔جب ہم سمندر میں داخل ہوئے تھے تب تو وہ دونوں یہیں بیٹھے تھے۔ہمارے سامنے ہی وہ سو بھی گئے تھے۔ٹھیک سے تلاش کرو انھیں۔وہ کہیں نہیں جا سکتے، یہیں کہیں چھپے ہوئے ہوں گے''۔

انھوں نے ساری کشتی چھان ماری۔لیکن ان دونوں کا کوئی اتا پتہ نہیں تھا۔ہر جگہ تلاش کرنے کے بعد اب انھیں یقین آ گیا تھا کہ وہ واقعی فرار ہو گئے ہیں۔البتہ کشتی کے نچلے حصے میں بندھے سارے غلام محفوظ اور صحیح سلامت تھے۔ان کو ٹھیک سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان غلاموں میں سے بھی ایک نے بڑی حد تک اپنی رسیاں کاٹ لی تھیں، لیکن وہ ابھی تک فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہونے پایا تھا۔شاید وہ کسی مناسب موقعے کی تلاش میں تھا۔وہ ان نوجوانوں کے فرار ہو جانے کی وجہ سے پہلے ہی غصے میں تھے۔چنانچہ انھوں نے سارا غصہ اسی پر اُتار دیا۔پہلے تو انھوں نے اسے خوب پیٹا، پھر اُسے دوسری رسی سے اور مضبوطی کے ساتھ جکڑ دیا۔اس کی بے دردی سے پٹائی ہوتے دیکھ کر باقی لوگ بھی سہمے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔شاید ان کو بھی سبق مل گیا تھا کہ اگر وہ اس طرح کی حماقت کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔

انھیں یاد آیا کہ کشتی جس وقت کچھ کے رن کے پاس سے گذر رہی تھی تو ساحل سے بہت قریب ہو گئی تھی۔رات کا وقت تھا۔شاید وہ دونوں تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی وقت وہ سمندر

میں کود گئے ہوں گے۔ بچے ہٹے کٹے جوان اور خوب صورت تھے۔ ان کے اتفاقاً مل جانے سے وہ سب بہت خوش بھی ہوئے تھے۔ اُل بابلون کے بازار میں ان کی اچھی قیمت ملنے کی امید تھی۔ ان کے اس طرح فرار ہو جانے سے ان بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کشتی واپس موڑ کر انھیں تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ لیکن ان میں سے دو کی رائے یہ ہوئی کہ اب ان کو تلاش کرنا وقت کی بربادی ہو گی۔ کیونکہ اب ان کا دوبارہ ملنا یقینی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اجنبی ساحلوں میں اتر کر ہم کسی نئی مصیبت میں پھنس جائیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ ہم ان سے دست بردار ہو کر لوتھل بندر کی طرف چلیں اور وہاں سے کسی طرح ان دونوں کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اب اپنے وطن واپسی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ تھوڑی سی بحث کے بعد بالآخر ان کا اسی بات پر اتفاق رائے ہو گیا کہ کشتی واپس نہیں لے جائیں گے اور اب وہ لوتھل کے راستے پر چل پڑے تھے۔

دو دن کی مزید مسافت کے بعد بالآخر ان کا جہاز لوتھل کے بندرگاہ پہنچ گیا تھا۔ گودی میں داخل ہوتے ہی انھوں نے دیکھا کہ اس وقت وہاں کافی بھیڑ ہے۔ ایک جہاز لنگر ڈال چکا ہے اور مزدوروں کی مدد سے اس کا سامان خالی کیا جا رہا ہے۔ ایک جہاز اب بھی ساحل پر لنگر ڈالنے کے لیے قطار میں تھا۔ انھوں نے بھی اپنی کشتی اس کے پیچھے لگا لی اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان جہازوں کے خالی ہونے میں پورا دن لگ جائے گا۔ اس لیے ایک تاجر کو کشتی میں چھپائے ہوئے غلاموں کی نگرانی کے لیے چھوڑ کر باقی دو تاجروں نے ایک چھوٹی سی کشتی پانی میں اتاری اور اس میں بیٹھ کر کنارے پر آ گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ بازار جا کر آگے کے سفر کے لیے کچھ ضروری سامان بھی خریدیں گے اور ممکن ہوا تو اپنے مستقل دلالوں سے ملاقات کر کے ان کی مدد سے دو نوجوان غلام خریدنے کا انتظام بھی کر لیں گے۔ یہ کام لوتھل بندر جیسے شہر میں کافی جوکھم بھرا تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ دل مَن ہی کی طرح لوتھل بندر میں بھی انسانوں کی تجارت ممنوع ہے، اس لیے یہ کام انھیں چوری چھپے کرنا تھا۔

دلال تلاش کرنے میں انھیں کچھ زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ لیکن ان دونوں کی باتیں سن کر وہ کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ اس نے انھیں متنبہ کرتے ہوئے جلدی جلدی بتایا۔ ''اس سے لوتھل

میں تمہارا ٹھہرنا اُچت نہیں ہے"۔ گھبراہٹ میں جیسے اپنی بات کہنے کے لیے اسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اس نے بتایا۔"کل یہاں ایک تاجر کا قتل ہو گیا ہے۔ مقتول نگر پالک کا دوست بھی تھا اس لیے مہاپالک کے سارے ویر اس کے ساودھان او ستھا میں ہیں۔ گودی اور نگر کے پرتیک چپّہ چپّہ پر ہر اجنبی اور غیر ملکی کی تلاشی لی جارہی ہے۔ اگر کسی کو ذرا بھی شنکا ہو گئی تو تم لوگ دھر لیے جاؤ گے"۔

"لیکن ہمیں کسی بھی حالت میں دو نوجوان غلاموں کی ضرورت ہے"۔ تاجروں میں سے ایک نے کہا۔"اب اتنا بڑا تجارتی مرکز ہے تو یہ سب تو ہوتا ہی رہتا ہے"۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس خبر کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے تھے۔ انھوں نے دلال سے کہا۔"تم سمجھنے کی کوشش کرو کہ اس کے بغیر واپس لوٹنے میں ہمارا بہت خسارہ ہو جائے گا۔ تم کسی بھی طرح چھپ چھپا کر ہمارے لیے دو ہٹے کٹے اور خوب صورت نوجوانوں کا انتظام کر دو۔ ہم تمھیں اس کے لیے دوگنا معاوضہ دیں گے"۔

دوگنا معاوضے کی بات سن کر دلال بھی لالچ میں آ گیا۔ اسے لگا کہ لوتھل بندر جیسی جگہ پر اتنی بڑی رقم کا ایک ساتھ کمانا ہر وقت ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔ یہ سنہرا موقع اسے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ تھوڑی احتیاط سے یہ کام کرے تو ممکن ہو سکتا ہے۔ اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔"تمھارے کہے انوسار میں ویوستھا تو کر سکتا ہوں پرنتو اس میں جوکھم بہت ہے"۔

"تم کوشش کرو۔ اگر کوئی پریشانی ہوئی تو ہم دیکھ لیں گے"۔

دلال کچھ ایسے غریب لوگوں کو جانتا تھا جو اپنے خاندان کے تحفظ اور بقا کے لیے اپنے آپ کو بیچنے کے لیے تیار ہو سکتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے کچھ لوگوں نے اس سے بنتی بھی کی تھی کہ انھیں بکوانے کا انتظام کر دے۔ اس نے ان سے وعدہ بھی کیا تھا کہ اس بار جب بھی کوئی تاجر لوتھل آئے گا میں تمھارے بیچنے کا انتظام کر دوں گا اور کوشش کروں گا کہ تمھیں اس کے بدلے میں زیادہ سے زیادہ رقم مل جائے تاکہ تمھارا خاندان زندگی بھر آرام سے رہ سکے۔ بالآخر وہ وقت آ گیا تھا۔ اس میں کچھ خطرہ ضرور تھا لیکن کچھ سوچ بچار کرنے کے بعد وہ ان سے ملنے کے لیے وہاں سے چل پڑا۔

ان دونوں کی رہائش پاس پاس ہی تھی۔ اس لیے ان سے ملنے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا۔ ملاقات کر کے اس نے سارے معاملات بھی طے کر لیے لیکن جب ان کو لے کر وہ تاجروں کے پاس گودی کی طرف جارہا تھا تو راستے میں نگر پالک کے کچھ ویروں نے اس کے ساتھ دو نوجوانوں کو دیکھ کر اسے روکا اور پوچھ تاچھ شروع کر دی۔ انھوں نے پوچھا۔"ان دونوں ناگرکوں کو لے کر تم کہاں جارہے ہو"؟

یہ سن کر وہ گھبرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ بڑی مشکل سے وہ بولا۔"میں ان کے ساتھ بازار جارہا تھا"۔

ویروں نے ان دونوں سے پوچھ تاچھ شروع کی تو اصل معاملہ کھل کر سامنے آ گیا۔ تھوڑی سی سختی کے بعد ان غریب لوگوں نے بھی اپنی زبان کھول دی تو دلال کو بھی سب کچھ سچ سچ بتا دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس کی نشان دہی پر ان دونوں تاجروں کو بھی حراست میں لے لیا گیا، جو اس وقت گودی کے پاس ہی ایک دکان میں مدرا کا مزہ لے رہے تھے۔ لیکن وہ تاجر جو کشتی پر تھا، اس پر کوئی آنچ نہ آئی۔ لوتھل کے ضابطے کے مطابق انھیں نیائے پنچایت کے سامنے پیش کیا گیا جہاں تھوڑی سختی کے بعد انھوں نے اعتراف جرم کر لیا اور لوتھل کے قانون کے مطابق دونوں غریب لوگوں کو تو ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا گیا لیکن ان تینوں کو تین تین سال کی سخت مشقت والی سزا تجویز کرتے ہوئے حراست میں لے لیا گیا۔

ہانیش اور کاوِیا

(ایک)

شام ہو چکی تھی۔ سورج کے غروب ہونے میں اب کچھ ہی وقت رہ گیا تھا۔ گھنے جنگل کے درمیان ایک وسیع وعریض نیم تاریک میدان میں شمال کی جانب ایک بڑا اور بلند چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر پتیوں، پتلی بیلوں اور جنگلی پھولوں کی مدد سے نہایت سلیقے سے آراستہ کیے گئے ایک بڑے پتھر کو اس طرح ایستادہ کیا گیا تھا کہ وہ کسی دیوتا کے ان گڑھ مجسمے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اس چبوترے کے اردگرد تیس پینتیس لوگ تعظیم سے جھکے ہوئے کھڑے تھے جیسے یہ ان کا طریقہ عبادت ہو اور وہ پتھر جس کے سامنے وہ جھکے تھے، ان کا معبود۔ اس مجسمے کے پاس ہی ایک طرف ایک تومند بکرا ایک کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ شاید اسے دیوتا کے سامنے قربان کرنے کی غرض سے یہاں لایا گیا تھا۔ میدان کے درمیان میں ایک بڑا روشن الاؤ تھا، جس کے گرد گیلی مٹی سے ایک منڈیر بنائی گئی تھی۔ ممکن ہے یہ ان کی مذہبی رسم کے لیے کوئی ضروری شرط رہی ہو یا پھر اس نیم تاریک ماحول کو اس کی مدد سے روشن رکھنے کی کوشش۔ میدان کی دوسری جانب نوجوان ہانیش اور کاویا جنگلی سرکنڈے میں لپٹے اور سن سے بٹی ہوئی رسیوں میں بندھے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انھیں کہیں سے پکڑ کر کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لیے یہاں لایا گیا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ شاید یہاں جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ ان کے لیے بالکل خلافِ توقع تھا۔

اس بات کو بھی خارج از امکان نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ ان کا مقصد اپنے دیوتا کے سامنے ان دونوں کی قربانی دینا رہا ہو۔ جو بھی تھا اس پر عمل درآمد میں کسی وجہ سے تاخیر ہو رہی تھی۔ شاید ان لوگوں میں باہم اس معاملے کو لے کر کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور وہ ان نوجوانوں کی بلی کے بارے میں ابھی تک کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔

یہ تیس پینتیس لوگوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا وحشی قبیلہ تھا۔ حالانکہ ان کا ایک سردار بھی تھا، جس کا فیصلہ کسی بھی متنازعہ معاملے میں حتمی سمجھا جاتا تھا لیکن یہ دھرم کا معاملہ تھا، جس میں شاید سردار کو دخل دینے کا اختیار نہیں تھا۔ اگر ان دونوں کی بلی کا ارادہ کیا گیا تھا تو اسے عمل میں لانے کے لیے قبیلے کے تمام لوگوں میں اتفاق رائے کا ہونا ضروری تھا۔ ان کے رسم و رواج کے مطابق اگر کسی مذہبی امر میں اتفاق نہ ہو پا رہا ہو تو پھر وہ اس کے لیے خود دیوتا کی مرضی جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے یہاں اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ دیوتا کے سامنے ایک تومند بکرے کی قربانی پیش کرتے تھے۔ اگر اس بکرے کی گردن ان کی کلھاڑی کی ایک ہی ضرب میں پوری کٹ گئی تو سمجھا جاتا تھا کہ دیوتا انسانوں کی قربانی کے خواہش مند ہیں اور اگر بکرے کا سر دھڑ سے الگ نہ ہوا تو پھر اسے دیوتا کا انکار تصور کیا جاتا تھا۔

ہانیش اور کاویا دونوں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا تھا کہ سنسان راستوں پر کسی بھی حالت میں تنہا سفر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر سفر ضروری ہے تو اس کے لیے کسی قافلے کے ساتھ ہی چلنا محفوظ ہوتا ہے، ورنہ جنگل میں رہائش رکھنے والے قبائلی لوگ مسافروں کو پکڑ لیتے ہیں اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالتے ہیں۔ اکثر قبائل آدم خور بھی ہوتے ہیں۔ یہ سب ان کے علم میں تھا لیکن ان کے پاس اپنی جان بچانے کا اور کوئی راستہ موجود ہی نہیں تھا۔ ساحل پر تاخیر کرنے میں بھی دوبارہ قید کر لیے جانے کا خطرہ موجود تھا۔

وہ دونوں ساحل سمندر سے من ہر ندی کے کنارے کنارے پیدل جا رہے تھے۔ ان پر مسلسل ایک خوف مسلط تھا۔ انھیں راستے میں آنے والے خطرات کا اندازہ بھی تھا لیکن ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی متبادل بھی نہیں تھا، کہ وہ مسلسل چلتے رہیں۔ ساحل سمندر سے نکل کر سفر کرتے ہوئے انھیں آج تین دن ہو چکے تھے۔ کھانے کے لیے وہ جنگل سے پھل تلاش کر کے اپنا پیٹ بھر لیتے اور ندی کا میٹھا پانی پینے کے لیے استعمال کر لیتے۔ وہ ہر لمحہ کسی بھی خطرے کے اندیشے

میں گھرے ہوئے تھے۔ یہ خطرہ جنگلی انسانوں سے بھی ہو سکتا تھا اور وحشی جانوروں سے بھی۔ وہ نہتے بھی تھے۔ اپنے دفاع کے نام پر ان دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک ڈنڈا تھا جو انھوں نے ایک خشک درخت سے توڑ لیا تھا۔

تنہا مسافروں کے لیے جنگلی جانوروں کا خطرہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔ ان دونوں نوجوان مسافروں نے اپنے طور پر اس بات کی احتیاط رکھی تھی کہ اگر کوئی جنگلی جانور ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ فوراً ندی میں چھلانگ لگا کر ندی کی دوسری طرف چلے جائیں گے اور اس طرح اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جنگلی جانوروں سے بچنے کے لیے ان کے پاس ایک متبادل یہ بھی تھا کہ وہ کسی بلند درخت پر چڑھ کر اپنی جان بچائیں۔ گذشتہ دو راتوں میں انھوں نے اسی طرح اپنی راتیں درختوں کے اوپر شاخوں سے لپٹ کر سوتے ہوئے گذاری تھیں۔

لیکن تمام تر احتیاط کے باوجود اب وہ ایک وحشی جنگلی قبیلے کی گرفت میں تھے۔ ابھی تک ان وحشیوں میں کسی طرح کی رحم دلی کا کوئی جذبہ نظر نہیں آیا تھا۔ ان پر جنگلی قبیلے کا یہ حملہ اچانک اور پوشیدہ طور پر گھات لگا کر کیا گیا تھا۔ وہ اس وقت ندی کے کنارے خشک ریت پر بیٹھے ستا رہے تھے اور آنے والے خطرے سے بالکل بے خبر تھے۔ اچانک انھوں نے دیکھا تھا کہ تقریباً دس بارہ لوگ جو لباس سے پوری طرح عاری تھے ان دونوں کو اپنے نرغے میں لے کر کسی اجنبی زبان میں انھیں متنبہ کر رہے تھے۔ وہ ان کی زبان تو نہیں سمجھ سکے لیکن ان کے اشاروں سے انھیں اندازہ ہوا کہ وہ خود کو ان حوالے کر دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ اتنے لوگوں کے گھیرے میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دینے کے علاوہ بھلا وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ وہ دونوں تھوڑی دیر وہیں ساکت و جامد کھڑے رہے اور وہ وحشی رفتہ رفتہ اپنے گھیرے کو تنگ کرتے ہوئے ان کے قریب آتے گئے۔ انھوں نے ان دونوں کو رسیوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر لاد لیا۔ اس کے بعد وہ نہایت اطمینان سے انھیں لے کر جنگل کے درمیان موجود اس میدان میں آ گئے تھے، جہاں ان کے سردار نے فوراً ہی دیوتا کے سامنے ان کی قربانی دینے کا حکم جاری کر دیا تھا۔

دیوتا کی مرضی جاننے کا عمل شروع کیا گیا۔ ہانیش اور کاویا دونوں اپنے انجام کے خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بکرے کو کھول کر دیوتا کے سامنے لایا گیا اور سردار نے

ایک مضبوط اعضا والے شخص کو حکم دیا کہ وہ بکرے پر وار کرے۔ اس نے اپنی کلھاڑی ہوا میں لہرائی اور پوری قوت سے بکرے کی گردن پر وار کیا۔ بکرے کی گردن کٹ ضرور گئی لیکن زمین پر گرنے کے بجائے کھال کے ایک چھوٹے حصے کی مدد سے لٹکی رہی۔ یہ دیکھ کر سردار نے اپنی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ان دونوں کی بلی دیوتاوں کو پسند نہیں ہے، اس لیے انھیں عزت و احترام کے ساتھ جہاں سے لایا گیا ہے وہیں لے جا کر چھوڑ دیا جائے۔ سردار کے ہاو بھاو سے ان دونوں کو بھی اندازہ ہو گیا کہ ان کی جان بچ گئی ہے۔ دیوتاوں نے ایک بار پھر ان پر رحم کیا تھا۔ انھیں لگا کہ اب وہ محفوظ ہیں۔ کیونکہ یہ کسی اور کا نہیں قبیلے کے سردار کا فیصلہ تھا۔

اگلے ہی لمحے دو لوگ آگے بڑھے اور ان کی رسیاں کھول دی گئیں۔ اب وہ تمام لوگ ان کے ساتھ بڑی عزت کے ساتھ پیش آ رہے تھے۔ ہانیش اور کاویا ان سے اس طرح کی انسانیت کی توقع بالکل نہیں کر رہے تھے۔ وہ ان کا بدلا ہوا رویہ دیکھ کر حیران تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اب رفتہ رفتہ چاروں طرف تاریکی پھیلنے لگی تھی۔ قبائلیوں نے انھیں کھانے کے لیے گرم گرم کھانا دیا اور پینے کے لیے بکری کا دودھ اور پانی۔ اب وہ ان کے معزز مہمان تھے اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جا رہا تھا۔ ان کی محبت بھری میزبانی سے دونوں کی گھبراہٹ میں بڑی حد تک کمی آ گئی تھی۔ پیٹ بھر کھانا ملنے سے ان کو بھوک سے راحت ملی تھی اور اب ان کے چہروں پر بشاشت اور اطمینان کی کیفیت نظر آنے لگی تھی۔ اشاروں کنایوں سے وہ ان سے کہہ رہے تھے کہ رات میں سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا، اس لیے انھیں یہیں پر آرام سے سونا چاہیے۔ اب انھیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ان کی جان بچ گئی ہے اور اب یہ لوگ ان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، اس لیے ان کی بات مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ سکون سے کھانا کھانے کے بعد رات گذارنے کے لیے وہیں درختوں کے سائے تلے لیٹ گئے۔

صبح نمودار ہوئی تو موسم کافی خوش گوار تھا۔ ہانیش اور کاویا کے چہروں کی مردنی بشاشت میں بدل چکی تھی اور وہ آپس میں خوش گپیاں کرتے ہوئے اس خوش گوار موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ ابھی ایک دن پہلے ہی وہ دونوں زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے تھے۔ قبیلے کے کچھ لوگ ان کے لیے دودھ اور پھل لائے اور

انھیں پیار سے کھلایا۔ تھوڑی دیر بعد قبیلے کا سردار ان کے پاس آیا اور اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ حفاظت سے ان لوگوں کو وہاں پہنچا دے جہاں سے انھیں اٹھا کر لایا گیا تھا۔

اب ان کا رخ من ہر ندی کی طرف تھا۔ ان کا رہبر قبائلی ان کے آگے آگے چل رہا تھا اور خاموش تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ان دونوں کے لیے عقیدت تھی جس کا اظہار اس بات سے ہو رہا تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے جنگلی میوے لا لا کر انھیں کھانے کے لیے دے رہا تھا۔ ہانیش نے محسوس کیا کہ اگر اس سے کہا جائے تو شاید یہ شخص انھیں کسی قریبی مہذب بستی تک پہنچنے میں مدد کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ جب وہ ستانے کے لیے رکے تو اس نے زمین پر تصویریں بنا بنا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ انھیں قریب کی کسی بستی تک پہنچا دے۔ یہ ان دونوں کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ان کا مقصد اس قبائلی کی سمجھ میں آ گیا تھا اور اس نے اپنے گردن اور ہاتھ کے اشارے سے انھیں بتانے کی کوشش بھی کی تھی کہ وہ ان کو کسی بستی تک پہنچا دے گا۔

اور انسانی بستی یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں رہ گئی تھی۔ ابھی چلتے ہوئے انھیں آدھا پہر بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو ندیاں کا سنگم تھا۔ یہ دونوں ندیاں من ہر اور من سر کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ انھیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس سنگم پر لکڑی کا ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ جس پر ان کی اپنی زبان میں دونوں ندیوں کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد انھوں نے ایک فصیل بند شہر کے دیدار کیے جس کا لکڑی سے بنا ہوا بڑا سا پھاٹک بھی انھیں نظر آ رہا تھا۔ اس کے اوپر بھی لکڑی کے ایک بڑے تختے پر ڈھوَل دِیپ میں خُوش آمدِید لکھا ہوا تھا۔

انھوں نے اپنی گردن خم کر کے اس قبائلی کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں قبائلی نے بھی ان کے اس عمل کو دہرایا اور بغیر کچھ کہے الٹے پاوں وہاں سے واپس چلا گیا۔

(دو)

سفر طویل اور دشوار گذار تھا لیکن ماہل گام پتی اہوراج سوناری کو فروخت کرنے کے بعد

ملنے والی رقم سے اپنے مستقبل کی تعمیر کے سنہرے خوابوں میں ڈوبا ہوا تھا، اس لیے اس کے لیے یہ سفر تکلیف دہ نہیں رہ گیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے فوراً بعد بغیر آرام کیے وہ اوریش مہاجن سے ملنے کے لیے لوتھل بندر میں اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔

اپنی بیوی سوناری کو اہوراج کے ساتھ دیکھ کر اوریش مہاجن حیران رہ گیا۔ جیسے بالکل غیر متوقع طور اسے دنیا کی ساری دولت مل گئی ہو۔ اس نے سمجھا کہ وہ اسے اس کے لیے ہی تلاش کر کے لے آیا ہے۔ یکایک وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور فرطِ مسرت اور انتہائی جوش کے عالم میں اپنی بیوی سے لپٹ گیا۔ کام چتی اہوراج یہ سب کچھ بڑی حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن معاملات کو سمجھنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ اسے یاد آ گیا کہ اوریش اپنی کھوئی ہوئی پتنی کی تلاش میں ہے۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ سوناری دل من کے سیلاب سے بچتے بچاتے اس کے گاؤں تک پہنچی تھی۔ چنانچہ اسے اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ ہو نہ ہو یہی اوریش کی بیوی ہے۔ یہ سمجھ میں آتے ہی اس کے مستقبل کے تمام سنہرے خواب چکنا چور ہونے لگے۔ اس نے سوچا کہ اگر اس کا اندازہ درست ہوا تو اب وہ سوناری کو فروخت نہیں کر سکے گا اور اگر وہ اسے اوریش کے حوالے کرتا ہے تو اسے اس کے بدلے سوائے شکریے کے کچھ نہیں ملے گا۔

اسے یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ اگر سوناری نے اپنے پتی کو اس کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کے بارے میں بتا دیا تو اس کی جان بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ اس کے پاس سوچنے سمجھنے اور کوئی فیصلہ کرنے کا زیادہ وقت نہیں ہے۔ اسے جلد ہی طے کرنا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور یہ فیصلہ اس نے ایک ہی لمحے میں کر لیا تھا کہ سوناری کو تو وہ کہیں اور بھی بیچ سکتا ہے۔ فی الحال اسے اوریش کا قتل کر کے اپنے مستقبل کو بچانا ضروری ہے۔

اوریش اس کے شیطانی ارادوں سے بے خبر تھا۔ اس کے اندر اہوراج کے لیے احسان مندی کا جذبہ تھا۔ اور اہوراج اس پر حملہ آور ہونے کو پوری طرح تیار تھا۔ اس نے دھیرے سے اپنی کمر میں کپڑوں کے اندر بندھا ہوا خنجر نکالا اور اپنی پتنی کے ملن کے سکھ میں سرشار اوریش پر وار کر دیا۔ اوریش کے لیے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اہوراج اس پر حملہ کر سکتا ہے۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنا سینہ دبائے خون میں لت پت زمین پر پڑا ہوا ہکا بکا سا اس

کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبے کے ساتھ اس سے کہا۔
"یہ تم نے کیا کیا اھوراج۔ میں نے تمہارا آخر کیا بگاڑا تھا"؟
"کچھ نہیں چاہتا ہوں مہاجن۔ لیکن اس سے تمہارا قتل میرے لیے انی واریہ ہو گیا تھا"۔
اس نے اس کے سینے اور پیٹ پر متواتر مزید دو تین وار کرتے ہوئے کہا۔"اس لیے کہ سوناری کو بیچ کر مجھے جو موٹی رقم ملنے والی تھی، تمہارے زندہ رہنے کی صورت میں وہ خطرے میں پڑ سکتی ہے۔
دوسرے یہ کہ تمہاری پتنی کے ساتھ میں اتنے دنوں تک مزے کرتا رہا ہوں، یہ راز منکشف ہو جانے کے بعد تم کسی بھی صورت مجھے زندہ نہیں چھوڑتے"۔

یہ کہنے کے بعد وہ اس کے پیٹ پر خنجر کے وار متواتر اس وقت تک کرتا رہا جب تک کہ اس کی جان نہیں نکل گئی۔

اپنے پتی اور ریش مہاجن کو اچانک سامنے دیکھ کر سوناری بھی بوکھلا گئی تھی۔ اس کے دل میں خوف اور خوشی کے ملے جلے جذبات تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ ابھی اپنے ہوش و حواس میں آتی کہ اھوراج نے اس کے پتی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ سب دیکھ کر وہ اھوراج پر بپھر پڑی اور اس پر دوہتھڑ برسانا شروع کر دیا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اھوراج اتنا ظالم ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے اھوراج جیسے مضبوط قویٰ والے انسان پر بھلا اس کے دوہتھڑوں کے وار کا کیا اثر ہوتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر بیہوشی طاری ہونے لگی۔ یہ نئی صورت حال اھوراج کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ اسے تو سوناری کے ساتھ فوراً یہاں سے نکل کر اپنے تحفظ کا انتظام کرنا تھا۔ آخر اس کے ہاتھوں ایک قتل ہوا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اگر وہ گرفتار ہو جاتا ہے تو یہاں کی نیائے پنچائت اسے بخشے گی نہیں اور اس کی بھی موت یقینی ہو گی۔ لیکن کسی بھی صورت وہ سوناری سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے گھڑے سے پانی لیا اور سوناری پر چھڑک کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ اس کی یہ کوشش کامیاب بھی رہی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ لیکن وہ بیحد غصے میں تھی۔ اب اگلا مرحلہ اسے سمجھا بجھا کر اور ریش کو بھول جانے اور اس کے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر آمادہ کرنے کا تھا۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں تھا۔ اس گفتگو کے لیے یہ جگہ بالکل محفوظ بھی نہیں تھی۔ کسی کو اس قتل کا پتہ چلے اس سے پہلے ہی اسے اس جگہ سے کافی دور چلے جانا چاہیے تھا۔

اس نے دیکھا کہ باہر اچھا خاصا اندھیرا ہو چکا ہے۔ اس نے سوناری کے منھ پر ایک کپڑا باندھا تا کہ وہ آواز نہ نکال سکے اور اس کا ہاتھ پکڑ لوگوں کی نظروں سے بچتے بچاتے وہاں لے آیا جہاں اس کا قیام تھا۔ یہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی۔ اب یہاں اس کے پاس تھوڑا وقت تھا کہ وہ سوناری کو اونچ نیچ سمجھا سکے۔ اہوراج اتنے دنوں تک ساتھ رہنے کے بعد یہ جان چکا تھا کہ سوناری کا مزاج کسی بھی مسئلے میں جلدی سے ہار مان کر ہتھیار ڈال دینے کا ہے، اس لیے اسے یقین تھا کہ اسے سمجھانے میں زیادہ مشکل نہیں ہوگی۔ اس نے سوناری کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ اگر وہ اسے کسی ودیشی تاجر کو فروخت کرتا ہے تو ان کے ملک میں جا کر اسے ایک خوش گوار زندگی جینے کو مل سکتی ہے۔ سوناری خود کو بے بس اور لاچار محسوس کر رہی تھی۔ وہ اہوراج سے خوف زدہ بھی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اہوراج نے نہایت بیدردی سے اس کے شوہر کا قتل کر دیا ہے۔ اس لیے اسے یہ بھی لگ رہا تھا کہ اگر اس نے اس کی بات نہ مانی تو وہ اس کا بھی قتل کر سکتا ہے۔ وہ اپنا اچھا برا سمجھنے والی ایک دنیادار عورت تھی۔ اس کا شوہر مر چکا تھا اور اگر وہ اہوراج سے دور جاتی بھی ہے تو مردوں کی اس دنیا میں اس کے ساتھ وہی سب کچھ ہوگا جس کے خوف سے وہ بھاگ رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ بہتر یہی ہوگا کہ وہ اہوراج کی بات مان لے۔ اس طرح اس کی جان بھی بچ جائے گی اور اس کی مدد سے ممکن ہے مستقبل کی بہتری کی کوئی صورت بھی نکل آئے۔

اہوراج نے اس سے کہا کہ وہ گھبرائی ہوئی ہے اس لیے تھوڑی دیر آرام کر لے۔ اس نے اسے یقین دلایا کہ وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تھوڑی دیر میں واپس آنے کا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

اس کا رخ گودی کی طرف تھا۔ اس نے دیکھا کہ یہاں کچھ تجارتی جہاز لنگر انداز ہیں۔ اسے کسی ایسے تاجر کی تلاش تھی جو سوناری کو خرید کر فوراً یہاں سے روانہ ہو جائے۔ اتفاق سے وہاں اس کی ملاقات اس کشتی بان سے ہوگئی جو اپنے دو ساتھیوں کو گنوا کر واپس اپنے ملک جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس تاجر کا نام دودو تھا۔ اسے اپنے دو ساتھیوں کے گرفتار ہو جانے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ فوراً لوتھل سے نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی پریشانی یہ تھی کہ وہ تنہا تھا اور سمندر میں اتنا طویل سفر تنہا کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ البتہ وہ اس

بات سے خوش تھا کہ اس کے پاس اب بھی غلام محفوظ تھے اور اب وہ ان سب کا تنہا مالک تھا۔ جب اہوراج نے اسے سوناری کے بارے میں بتایا تو اس نے اسے مشورہ دیا کہ چونکہ وہ اس کشتی پر اکیلا ہے اور اسے فوری طور پر کسی ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ خود اس کے ساتھ چلے اور سوناری کو یہاں فروخت کرنے کے بجائے سیدھے اَل بابلون میں فروخت کرے۔ وہاں پر اسے یہاں کے مقابلے میں کم از کم تین گنا زیادہ قیمت مل سکتی ہے۔ اس نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کی بات مان لیتا ہے تو وہ وہاں اسے سوناری کی اچھی قیمت دلوانے میں پوری مدد بھی کرے گا۔

اہوراج کو فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے سوچا کہ سوناری کو بیچ کر وہ کچھ دن وہیں رکے گا۔ اس وقت تک یہاں قتل کا معاملہ بھی رفع دفع ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ کسی جہاز سے واپس آئے گا اور یہاں آ کر اپنی عیش و عشرت کی زندگی کو جاری رکھے گا۔ اس نے اس سے تھوڑی دیر کی اجازت لی اور اپنی رہائش گاہ جا کر ضروری سامان لے کر آیا۔ اس کے بعد وہ لوگ بغیر کسی دشواری کے لوتھل بندر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

سابرمتی ندی کا سفر پورا کرنے کے بعد اب وہ سمندر کے گہرے پانیوں میں تھے اور پوری طرح محفوظ تھے۔ اہوراج خوش تھا کہ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار کسی دور دراز کے نئے ملک کا سفر کر رہا تھا۔ اسے اُس تاجر پر بھی پورا بھروسا تھا کہ وہ اس نئے شہر میں سوناری کو فروخت کرنے اور واپسی کے لیے جہاز کا انتظام کرنے میں اس کی مدد ضرور کرے گا۔

(تین)

وہ اَل بابلون کے شہر لارسا میں لنگر انداز ہوئے تھے۔ دودو نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ اس نے نہ صرف معبد کے پجاریوں سے اُسے ملوا کر سوناری کی فروخت کے معاملات طے کرا دیے تھے بلکہ خود اس کی اور سوناری کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے بھی ملائے تھے۔ اس کی اس چرب زبانی کا فائدہ اہوراج کو مل گیا تھا۔ معبد نے سوناری کو خرید لیا تھا اور اس سودے سے اہوراج کو جو رقم حاصل ہوئی وہ اس کی توقعات اور دودو کے کیے گئے وعدے سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ کچھ مہینے اس نے دودو کا مہمان رہتے اور اس کی خاطر مدارات کے

مزے لیتے ہوئے اس نئے شہر میں تفریح کی، پھر اس نے اپنے میزبان سے اپنی واپسی کے ارادے کے بارے میں بات چیت کی۔ اس نے دودو سے کہا کہ اب کافی وقت ہو چکا ہے اور وہاں لوتھل میں قتل کا معاملہ بھی اب تک ٹھنڈا ہو چکا ہوگا اس لیے وہ لوتھل جانا چاہتا ہے۔ اس نے اسے یہ بھی بتایا کہ اسے زیادہ دنوں تک اپنے گاؤں گھر والوں سے دور رہنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ وہ اتنے دنوں کے لیے ان سب سے دور ہے۔ اس لیے اسے اپنے گاؤں کی یاد بھی بہت آ رہی ہے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کا کاروبار بھی متاثر ہو رہا ہے۔ دودو خود بھی ایک تاجر تھا اور ان باتوں کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ دودو کا لوتھل آنا جانا لگا ہی رہتا تھا، اس لیے اس کی کئی جہاز رانوں سے پہچان تھی۔ اس نے اہوراج کی واپسی کے لیے جہاز رانوں سے بات کر کے اس کی واپسی کے معاملات طے کرا کے اسے اس جہاز میں سوار بھی کر دیا تھا، جو لوتھل بندر کے لیے روانہ ہونے والا تھا۔ بالآخر اتنے دنوں تک دودو کی مہمان نوازی کے مزے لوٹنے کے بعد اس نے جذبہ شکر گزاری کے ساتھ اسے اور اَل بابلون کو الوداع کہا اور اپنے واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

معبد کے پجاریوں کو لگ رہا تھا کہ انھیں حسین و جمیل اور سانولی سلونی سوناری کی شکل میں ایک ایسی نوجوان دوشیزہ مل گئی ہے جس کی لالچ میں معبد میں آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اَل بابلون میں سانولا رنگ مفقود تھا، اس لیے اس رنگت کی لڑکی لوگوں کو پسند آتی تھی۔ ان کے لیے اس کا نام عجیب تھا اس لیے انھوں نے مقامی رسم رواج کی پیروی کرتے ہوئے اس کا نیا نام زورمی رکھ دیا۔ پہلے کچھ دن اسے بابلی رقص و موسیقی کی مشق کرائی گئی، وہاں کے رسم و رواج سے واقف کرایا گیا اور بتایا گیا کہ اسے یہاں رہ کر آخر کرنا کیا ہے۔ سوناری کو یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک عبادت گاہ میں یہ سب ہو سکتا ہے، لیکن وہ بہر حال خوش تھی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ معبد سے متعلق جسم فروش عورتوں کی یہاں کے سماج میں بہت عزت کی جاتی ہے، تو اسے اور بھی اطمینان ہوا۔

یہاں کے معاشرے میں جنسی تعلقات استوار کرنا معیوب نہیں تھا۔ اسے ایک نئی روح کو جنم دینے کا سبب سمجھا جاتا تھا۔

اب سوناری کو اپنے فرائض منصبی کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے

یہاں آنے والے عقیدت مندوں کی تفریح طبع کا سامان کرنا ہے۔ تاکہ معبد کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔

لیکن سوناری کے ساتھ سب کچھ ویسا نہیں ہوا جیسا کہ اس نے سوچ رکھا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں اس نے محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہے۔ ظاہر ہے اس کے پیٹ میں پرورش پانے والا یہ بچہ اہوراج کے ساتھ اس کی متواتر شب باشیوں کا نتیجہ تھا۔ پہلے تو اسے ڈر لگا کہ اس راز کے فاش ہونے پر معبد کے پجاری اس سے خفا ہو جائیں گے کیونکہ وہ آئندہ اپنے فرائض منصبی انجام نہیں دے سکے گی۔ لیکن جب اس نے ڈرتے ڈرتے یہ بات مہا پجاری کو بتائی کہ تو خلاف توقع وہ اس خبر سے بیحد خوش ہوئے۔ انھوں نے اسے رہنے کے لیے ایک علاحدہ کمرہ دیا اور اس کے کھانے پینے کا نسبتاً بہتر انتظام کیا تاکہ اسے بچے کی ولادت سے پہلے کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

چند ماہ بعد اس نے ایک خوب صورت لڑکے کو جنم دیا۔ معبد میں اس کی پیدائش کا جشن منایا گیا اور ضروری رسوم کی ادائگی کے ساتھ عبادت گاہ کے ذمہ داروں نے اس کا نام این لل تام رکھا اور تاکید کی گئی کہ سارے لوگ اسے تاماس کے نام سے پکاریں گے۔ ان کے لیے وہ ان اپل[1] تھا۔ اس لیے معبد کی طرف سے اس کی پرورش کے لیے بہتر سے بہتر انتظام کیا گیا تھا۔

وہ ان اپل تھا اس لیے معبد میں ہر ایک کو اس کے مستقبل کے بارے میں جاننے کا اشتیاق تھا۔ اس مقصد کے لیے علم نجوم کے ایک ماہر کو طلب کیا گیا اور اس سے درخواست کی گئی کہ وہ اس بچے کا زائچہ تیار کر کے بتائیں کہ اس کے مستقبل میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔ نجومی نے اس کی ولادت کے وقت کا زائچہ تیار کیا اور کچھ عجیب وغریب باتیں بتائیں۔ انھوں نے بتایا ایک خاص عمر کو پہنچ جانے کے بعد یہ بچہ ال بابلون میں نہیں رہ سکے گا۔ اس کے پاس گل گموش کی قوت اور شمس دیوتا کی عقل ہوگی۔ یہ عالم انسانیت کے لیے بیک وقت رحمت بھی ہوگا اور زحمت بھی۔ یہ ایک عظیم جنگ جو ہوگا اور اپنی زندگی میں جو جنگیں لڑے گا فتح یاب ہوگا۔ لیکن ایک دن ایسا بھی

---

[1] ۔ ان اپل بابلی زبان میں دیو پتر کو کہتے ہیں۔

آئے گا کہ ایک جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے یہ یا تو اپنی جان گنوا بیٹھے گا یا شدید زخمی ہو جائے گا۔ اس کے مقدر میں یہ بھی لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ اسے اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت مشرق کے کسی شہر میں گذارنا ہے۔ اگر ہمارے ستاروں کا حساب غلط نہیں ہے تو یہ اپنی زندگی میں کچھ عرصے کے لیے کسی مشرقی شہر کا حکمراں بھی بننے والا ہے۔ یہ انصاف پسند حکمراں ہوگا۔ اس کی مملکت میں خوش حالی بھی ہوگی اور چاروں طرف اس کی انصاف پسندی کی دھوم ہوگی۔ لیکن یہ سب عارضی ہوگا۔ اس سے محبت کرنے کے باوجود لوگ اس کے غضب سے کانپیں گے۔

(چار)

لوتھل کے نگر پالک مہامن اریک شا نے نگر سبھا کی ہنگامی نشست طلب کی تھی اور مہا کرتا اور مہاویر سمیت اپنے تمام کرتاوں کو سبھا میں موجود رہنے کا حکم جاری کیا تھا۔ ایسی ہنگامی نشستوں کی نوبت کبھی کبھی ہی آتی تھی۔ سبھا میں سارے لوگ آچکے تھے اور مہامن اریک شا اپنے تمام کرتاوں کے ساتھ نگر کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر غور و فکر کر رہے تھے۔ گذشتہ کچھ عرصے سے شہر میں سنگین جرائم کی تعداد غیر معمولی اضافہ ہوا تھا۔ کئی قتل ہوئے تھے۔ کئی لڑکیوں کو اغوا کرلیا گیا تھا اور کوشش کے باوجود ان کا کہیں کوئی سراغ بھی نہیں مل سکا تھا۔ شہری پریشان تھے۔ نگر پالک کی سبھا تک روز ہی کوئی نہ کوئی شکایت آتی رہتی تھی۔ وہ یہ سب سن سن کر بہت دکھی تھے۔ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ چاروں طرف ان کے پیارے شہر لوتھل بندر کی بدنامی ہو رہی تھی۔ لوگ حیران تھے کہ ان دنوں شہر میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ اس سے پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان میں سے بیشتر کا خیال تھا کہ نگر پر مہامن کی پکڑ کمزور ہوگئی ہے۔ انھیں اپنے بھوگ ولاس کے سادھنوں کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان اپرادھوں کے پیچھے کچھ بڑے لوگوں کا ہاتھ ہے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ یہ سب کچھ ودیشی تاجروں کا کیا دھرا ہے۔ انھیں اس بات کا بھی شک تھا کہ نگر پالک اریک شا کے کچھ کرتا بھی ان اپرادھوں میں لپت ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کی طرف انگلی اٹھا سکیں۔

سبھا میں آنے کے بعد نگر پالک نے سیدھے مہا کرتا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مہا کرتا چترانن، ہمارے پاس ایسی سوچنا آ رہی ہے کہ اِدھر کافی دنوں سے ہماری نگر سیما کے اندر اپرادھ میں بڑی تیزی سے ورِدھی ہوئی ہے"۔ فکر میں ڈوبے ہوئے مہامن اریک شانے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے مہا کرتا سے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم اور تمھارے ویر آخر کیا کر رہے ہیں"؟

چترانن کو اپنے پاوں کے نیچے کی زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ ڈر گیا تھا کہ کہیں مہامن کو وہ باتیں معلوم نہ ہو گئی ہوں جو اس نے ودیشیوں سے کی ہیں۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "ہاں مہامن، میں چھما پرارتھی ہوں۔ مجھے ان باتوں کے بارے میں سب کچھ گیات ہے۔ ادھر کچھ سمے سے باہر کے یاتریوں کے آنے جانے میں ورِدھی ہوئی ہے، جس سے ہمارے یہاں ویاپار تو بڑھا ہے پرنتو ان کے ساتھ کچھ اپرادھی بھی اندر آنے میں سپھل ہو گئے ہیں"۔ مہا کرتا نے آگے کہا۔ "میں مہامن اور سبھا میں اپستھت سمست مہاجنوں کو آشوست کرانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ویر ایسے ویکتیوں کی پہچان کرنے اور ہر گھٹنا کی گہن چھان بین کرنے میں ویست ہیں اور اب تک دس بارہ لوگوں کو بندی بھی بنایا جا چکا ہے۔ میں آشا کرتا ہوں کہ آنے والے کچھ ہی دنوں میں ہم استھتی پر نینترن پا لیں گے"۔

"ہم اپرادھ ورِدھی کے مولیہ پر لوتھل کی سمرِدھی کے پکش میں نہیں ہیں مہا کرتا چترانن۔ یاتریوں کی گہن جانچ پرکھ اتی آوشیک ہے"۔ نگر پالک اریک شا آج کچھ مغموم نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "شاید تمھیں آبھاس نہیں ہو رہا ہے کہ لوتھل کا نام تینوں لوکوں میں بدنام ہو رہا ہے اور ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں ترنت ہی کو کچھ کرنا ہوگا۔ ہم تمھارے اور تمھارے ویروں کے ویست رہنے سے سنتشٹ نہیں ہو سکتے۔ ہم تمھارے کریا کلاپوں کا پرینام دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ترنت ہی نگر میں اپرادھ سماپت ہوں۔ اس کے لیے تم جو بھی کر سکتے ہو، کرو۔ اپنے ویروں کو ہر اس استھان پر تعینات کرو جہاں ایسے لوگوں کے ہونے کا شک ہو اور پکڑ میں آئے ہوئے اپرادھیوں کو مہا پتھ پر ناگرکوں کی اپستھتی میں کڑے سے کڑا دنڈ دیا جائے۔ ایسی ہماری اِچھا ہے، جس سے اپرادھیوں میں بھے کا واتاورن نرمت ہو اور اپرادھ پر روک لگ سکے"۔

"ایسا ہی ہوگا مہامن"۔ مہا کرتا چترانن نے کہا۔

سبھا کے ایک سدسیہ نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "مہامن، مجھے شنکا ہے کہ ہمارے بیچ کچھ غدار ہیں، جنھیں ہم پہچان نہیں پا رہے ہیں۔ کچھ تو گڑبڑ اوشیہ ہے"۔

اسی بیچ نگر سبھا میں موجود ایک رکن سارگما سیٹھی نے کچھ بولنے کی اجازت چاہی۔ مہامن نے اسے اپنی بات رکھنے کی اجازت دی تو وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر بولا۔ "ویاپار میں وردھی کی بات کیول ایک چھلاوا ہے مہامن۔ میں سویم ایک ویاپاری ہوں اور جانتا ہوں کہ ہمارے کچھ سمانت سدسیہ اپنی کچھ کمیوں کو چھپانے کے لیے ایسا پرچار کر رہے ہیں۔ ہو یہ رہا ہے کہ ہماری نگر سبھا کے کچھ گن مانیہ سدسیہ بھی ان اپرادھوں کو شہ دینے میں لپت ہیں۔ وہ اپرادھیوں کو شرن دیتے ہیں اور میں ایسا مانتا ہوں کہ مہا کرتا بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کنتو وہ ان پر ہاتھ ڈالنے میں ڈرتے ہیں، اس لیے کہ ان میں سے کوئی ان کا متر ہے تو کچھ اپرادھی ایسے ہیں جن سے وہ بھے بھیت ہیں۔ میرا سجھاؤ ہے کہ مہا کرتا چتران کو ہٹا کر ہمیں ایک ایسے مہا کرتا کی نیکتی کرنا چاہیے جو ان اپرادھیوں کو دنڈ دینے میں سکشم ہو"۔ اس معزز رکن نے نہایت تفصیل سے اپنی بات رکھتے ہوئے کہا۔ "بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا مہامن"۔

یہ سن کر مہا کرتا چتران کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اپنے اوپر لگائے گئے ایسے گمبھیر آروپ سن کر وہ غصے میں کھول رہا تھا۔ ادھر مہامن اریک شا اس کی طرف غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے مہا کرتا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مہا کرتا چتران، کیا تمھیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے"؟

مہا کرتا اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر بولا۔ "مہامن، جو گمبھیر آروپ مجھ پر لگائے گئے ہیں وہ متھیا ہیں۔ وستوتہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پرنتو نگر سبھا کے مان نیہ سدسیہ کو یدی ایسا لگتا ہے تو انھیں ساکشیوں سے اپنی بات کا پرمان دینا چاہیے"۔

اتنے میں ایک اور رکن نے کھڑے ہو کر کہا۔ "مان نیہ سارگما نے جو باتیں کہی ہیں وہ بالکل سچ ہیں۔ میرا بھی یہی وچار ہے کہ ان اپرادھوں کے پیچھے ہمارے ہی کچھ لوگ ہیں"۔ اس نے کہا۔ "میرے پاس جو سوچنا ہے وہ یہ کہ یہ سب وہ ودیشی کر رہے ہیں جو ایک وچتر پشو پر سوار ہو کر نگر میں ادھر ادھر وچرن کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں"۔

یہ سن کر مہا کرتا بوکھلا گیا۔ اس نے مہامن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مہامن سے

پرارتھنا ہے کہ مجھے کچھ سمے دیا جائے تاکہ میں ان آروپوں کو غلط ثابت کرسکوں"۔

"تم ان آروپوں سے بچ سکتے ہو مہاکرتا چترانن۔ یدی آنے والے کچھ مہینوں میں تم ہمارے نگر کو اپرادھ مکت بنادو، ورنہ ہم یہ مان لیں گے کہ تم سویم اپرادھ میں لپت ہو اور پھر تمھیں ایسا دنڈ دیا جائے گا کہ دوسرے اس کے بارے میں سوچ کر بھی کانپ اٹھا کریں گے"۔ مہامن کا غصہ اب اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔

اس کے ساتھ ہی نگر پالک نے نگر سبھا کے ختم ہونے کا اعلان کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے محل کی طرف چلے گئے۔

(پانچ)

ہانیش محسوس کر رہا تھا کہ گاوں کے مقابلے شہر میں زندگی گذارنا کتنا دشوار ہے۔ گاوں میں کم از کم آس پاس جنگل تو ہوتے ہیں جہاں سے ضرورت پڑنے پر پیٹ کی آگ بجھانے کو کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا تھا لیکن شہر میں یہ جنس نایاب تھی۔ اسے دھول دیپ آئے آج تین دن ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک اپنی روزی روٹی کا کوئی انتظام نہیں کر سکا تھا۔ یہ نگر خوب صورت ضرور تھا، لیکن یہاں بھوک کے مسئلے کا حل نہیں تھا، ایسا ہانیش کو لگ رہا تھا۔ اس بیچ وہ متواتر کام کی تلاش میں رہا۔ کئی لوگوں سے ملا۔ لیکن یا تو اسے انکار سننے کو ملا یا لوگ اس سے بات کرنے کو ہی تیار نہیں ہوتے تھے۔ وہ دونوں تین دن سے سڑک کے کنارے بنے ایک چبوترے پر ڈیرا ڈالے ہوئے تھے۔ آج جب وہ ابھی سو کر اٹھے بھی نہیں تھے کہ کچھ ویروں نے آکر انھیں جھنجوڑ کر اٹھاتے ہوئے نہایت کرخت لہجے میں حکم دیا۔ "یوک، تم دونوں ترنت یہ چبوترہ خالی کردو"۔

"کیوں"؟ ہانیش نے ان سے پوچھنا چاہا۔

لیکن یہ سوال سن کر ان میں سے ایک ویر کو غصہ آگیا۔ وہ ان پر گھونسے سے وار کرنے ہی والا تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی نے اسے روک لیا۔ پھر دوسرے ویر نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر چبوترے سے اُتار دیا اور سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں سے چلے جاو۔ ہانیش نے لاچاری سے ان کی طرف دیکھا تو ان میں سے ایک ویر بولا۔ "آج سپتاہ

کے بازار کا دن ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں بازار لگنے والا ہے۔ یہ پرتی بندھت چبوترہ بازار کے اُپیوگ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس پر کوئی عام ناگرک نہیں رہ سکتا''۔

''تو غصہ کیوں کرتے ہو بھراتا''۔ ہانیش نے نرمی سے کہا۔''ہم اس نگر میں نئے ہیں۔ یہاں کے ودھی ودھان سے اوگت نہیں ہیں۔ ہمیں سیدھے سے بتا دیتے، مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب آپ لوگ کہتے ہیں تو ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں''۔ وہ چبوترے سے اپنے کپڑے اور پوٹلی اٹھاتے ہوئے بولا۔

کاویا بڑی بے چارگی سے ہانیش کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اس صورت حال میں انھیں کیا کرنا چاہیے۔ وہ دونوں ہی بری طرح بوکھلائے ہوئے تھے۔ مایوسی کی حالت میں دونوں ایک طرف چل پڑے۔ اسی وقت ان کی نظر مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک بیل گاڑی پر پڑی جس میں سامان لدا ہوا تھا۔ اس بیل گاڑی کے ساتھ ساتھ ایک شخص پیدل چل رہا تھا۔ اس کے کپڑوں سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی تاجر ہے۔ جو آج لگنے والے بازار میں اپنا سامان بیچنے کے لیے آ رہا تھا۔ اس نے اسی بڑے چبوترے پر اپنا سامان رکھا، جس پر کچھ دیر پہلے ہانیش اور کاویا سو رہے تھے، اور ایک طرف بیٹھ کر کسی کا انتظار کرنے لگا۔ ہانیش کو لگا کہ یہ آدمی شریف لگ رہا ہے، اس سے کام مانگنا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی وہ اس کے پاس گیا اور ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کرنے کے بعد نہایت نرمی سے بولا۔''میں ایک بے روزگار ہوں اور نوکری کی تلاش میں ہوں''۔

''دیکھ بھایا، میں اناج کا ویاپاری ہوں اور سچ پوچھو تو مجھے ایک آدمی کی آوشیکتا بھی ہے، پرنتو چھما چاہتا ہوں، میں کسی اپریچت کو یہ کام نہیں دے سکتا''۔ ویاپاری نے کہا۔ کیا تم یہاں کسی کو پہچانتے ہو''؟

''ہم دونوں دل من کے باڑھ پیڑت اور بے سہارا ہیں۔ یہاں ہم کسی کو نہیں جانتے''۔ ہانیش نے بڑی بیچارگی سے کہا۔

دل من کا نام سن کر جیسے اس ویاپاری کے من میں اس کے لیے ہمدردی پیدا ہوئی۔ بہتوں کی طرح اس نے بھی دل من کی تباہی کے بارے میں سن رکھا تھا۔ اس نے محبت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''کیا تم کو کچھ پڑھنا لکھنا آتا ہے''؟

''ہاں، میں پڑھ بھی سکتا ہوں اور لکھ بھی سکتا ہوں''۔ ہانیش نے جلدی سے کہا۔

''تو تم میرے کام کے آدمی ہو بھایا''۔ ویاپاری نے کہا۔''لوگ مجھے دھرما سیٹھی کے نام سے جانتے ہیں۔ تمھارا نام کیا ہے''؟

''میرا نام ہانیش ہے''۔

''تو ٹھیک ہے، تم میرے ساتھ کام کر سکتے ہو''۔ دھرما سیٹھی نے کہا۔''پرنتو من لگا کر اور ایمان داری سے کام کرنا ہوگا''۔

''دھنیہ واد، آپ نے مجھ پر کرپادرشٹی کی ہے۔ جو بھی کام آپ مجھے دیں گے میں پریشرم اور پورے منویوگ سے کروں گا۔۔ مجھے کیا کام کرنا ہوگا''۔ ہانیش نے پوچھا۔

''میں یہاں سے دوکوس کی دوری پر بانسی گاوں میں رہتا ہوں۔ گاوں گاوں جا کر وہاں کے کسانوں سے غلہ خریدتا ہوں اور پھر اسے دھول دیپ اور لوتھل کے بازاروں میں لے جا کر بیچتا ہوں۔ یہی میرا کاروبار ہے۔ تم اگر میرے پاس کام کرو گے تو تمھیں بھی گاوں گاوں جانا ہوگا اور کسانوں سے مول بھاو کر کے کم سے کم مولیہ پر ان سے اناج خریدنے کا کام کرنا ہوگا۔ خریدے ہوئے اس اناج کو میرے گودام تک پہنچانا بھی تمھارا ہی اتر دائتو ہوگا اور اس کا پورا حساب کتاب بھی تمھیں ہی رکھنا ہوگا''۔

''یہ سارا کام تو میں آسانی سے کر لوں گا''۔ ہانیش نے کہا۔ پھر کچھ جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا۔''چھما کیجیے گا پرنتو اس کے لیے مجھے ویتن کیا ملے گا''۔

''میں ہر ہفتے دھول دیپ کے بازار کے دن تمھیں چاندی کی پانچ مہریں دیا کروں گا۔ پرنتو اگر تم نے ایمان داری اور پریشرم سے کام کیا تو میں تمھارا ویتن بڑھا بھی سکتا ہوں''۔ ویاپاری نے کہا۔

کام کے بدلے اسے جو رقم ملنے والی تھی، اس سے وہ آسانی سے اس شہر میں اپنے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ جلدی سے بولا۔''مجھے آپ کے پاس کام کرنا سویکار ہے''۔

اس پر ویاپاری نے کہا۔''تو بھایا، ابھی تم اِدھر اُدھر گھوم پھر لو''۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دو مہریں نکالیں۔ انھیں ہانیش کو دیتے ہوئے بولا۔''بازار میں کہیں سے کھانا خرید کر کھا

لینا۔شام میں بازار کے بعد تم لوگ میرے ساتھ میرے گاوں چلنا۔ وہاں میں تمھارے اور تمھاری پتنی کے رہنے اور کھانے پینے کا پربندھ کر دوں گا۔ یہ سب میری اور سے ہوگا۔ اس کا تمھارے ویتن سے کچھ لینا دینا نہیں ہوگا''۔

یہ سن کر ہانیش خوش ہوگیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے یہ ویاپاری ویتن کے ساتھ ساتھ مفت میں کھانے اور رہنے کی سہولت بھی دے رہا تھا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ من ہی من سوچ رہا تھا کہ اُس کے اس پروپکار کا بدلہ وہ پوری محنت اور وفاداری کے ساتھ کام کر کے دے گا۔

اس نے ویاپاری کے منھ سے یہ بات بھی سنی کہ وہ کاویا کو اس کی پتنی سمجھ رہا ہے، لیکن وہ اس وقت اس معاملے میں خاموش ہی رہا۔ اس نے سوچا کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ بات اس کی سمجھ میں خود بخود آ جائے گی کہ کاویا میری ہی طرح مصیبت کی ماری ایک لڑکی ہے اور یہ کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ البتہ وہ اس بات سے خوش نہیں تھا کہ اس کام کے لیے اسے شہر سے دور کسی گاوں میں رہنا ہوگا۔

ہانیش کو کام مل جانے کی وجہ سے کاویا بھی خوش تھی۔ اس نے بھی سنا تھا کہ ویاپاری دھرما سیٹھی اسے ہانیش کی بیوی سمجھ رہا ہے۔ اس نے اپنے من میں سوچا کہ وہ جلد ہی اس سلسلے میں ہانیش سے بات کرے گی اور اگر اس نے سویکار کر لیا تو ہم دونوں وواہ کر لیں گے۔ اس نے ہانیش کو کہنی مارتے ہوئے اشارے سے کہا کہ وہ یہ بات ویاپاری کو بتا دے کہ کاویا اس کی پتنی نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں اس کی وجہ سے کوئی مشکل کھڑی ہو جائے۔

بادل ناخواستہ ہانیش نے ویاپاری سے کہا۔ ''کاویا میری ہی طرح مصیبت کی ماری ایک کنیا ہے۔ ہم دونوں دل من کے سیلاب سے زندہ بچ جانے والوں میں سے ہیں۔ ہمیں ایک ناو والے نے بچایا تھا۔ ابھی ہم پتی پتنی نہیں ہیں، پرنتو یدی کاویا نے سویکار کیا تو جلدی ہی ہم لوگ شادی کر لیں گے''۔

''کوئی بات نہیں بھایا''۔ ویاپاری نے کہا۔ ''مجھے تم لوگوں کے نجی رشتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ بس کسی بھی کارن سے میرے کسی کام میں کوئی ویودھان نہیں آنا چاہیے۔ اگر تم دونوں نے وواہ کے بارے میں نرنئے کر لیا تو میں تم دونوں کے وواہ کا سارا خرچ بھی دوں گا''۔

یہ خرچ میں اس لیے دوں گا کہ تم دونوں پر گاؤں کے لوگ انگلی نہ اٹھائیں''۔

''میں بانیش سے وواہ کرنے کی ابھجک ہوں''۔ کاویا نے شرماتے ہوئے دھرما سیٹھی سے کہا۔

''تب تو کوئی بات ہی نہیں ہے''۔ دھرما سیٹھی بولا۔''یدی بانیش اور تم دونوں تیار ہو تو اگلے سپتاہ میں تم دونوں کا وواہ کروا دوں گا''۔

(چھ)

تنانی تنانی تن تن
تان تان تان
تنانی تنانی تنانی تن تن [1]

یہ وہ آواز تھی جو دھول دیپ کے گلی کوچوں میں اکثر سنائی دیا کرتی تھی۔ لوگ اس کے اس حد تک عادی ہو گئے تھے کہ اکثر اب اس کی طرف توجہ بھی نہیں دیتے تھے۔ یہ آواز ایک دیوانے شخص کی تھی جو شہر میں بے وجہ اِدھر اُدھر گھومتا رہتا تھا۔ کبھی اس کے جسم پر کچھ پھٹے پرانے کپڑے ہوتے تو کبھی وہ بھی نہ ہوتے۔ لیکن اس دیوانگی کے عالم میں بھی اس نے آج تک کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

یہ تارن تھا۔ سوناری کا بھائی تارن۔

(سات)

اَل بابلون کی تہذیب مشرقی شہروں سے کئی معاملات میں مختلف تھی۔ وہاں شہر کی تعمیر کا انداز، کئی کئی منزلہ عمارتیں، گھروں کے اندر کمرے بنانے کا طریقہ، خوابگاہوں میں مکینوں

---

[1] ان بولوں کو اور آگے بھی جہاں جہاں ان جیسے بولوں کا استعمال ہوا ہے، انھیں مشہور موسیقار (محترمہ) ڈاکٹر تنوی گوسوامی نے راگ میں ڈھالا ہے۔

کے سونے کے لیے الگ الگ چبوتروں کی تعمیر، غسل خانے، مطالعہ گاہیں، سڑکیں اور سرائیں بنانے کا طریقہ، آباد اور غیر آباد جگہوں پر یہاں وہاں آرائشی ستونوں کی تعمیر، جگہ جگہ معبدوں کی تعمیر، ان کا رکھ رکھاو، ان کی اہمیت، وہاں رہنے والے پجاریوں اور پروہتوں کی سرگرمیاں، ان کے بارے میں عام لوگوں کے خیالات، شہر کا ایک تحریری قانون اور ہر شخص کے لیے اس کی لازمی پابندی، عام شہریوں کے عقائد، عورتوں کے بارے میں لوگوں کے عمومی تصورات، اور عام انسانوں کا پہننا اوڑھنا اور رہن سہن کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو کسی مشرقی شہر سے ملتا جلتا ہو۔ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص کسی مشرقی شہر سے آ کر یہاں آباد ہو تو اسے روزمرہ کی زندگی میں کئی طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

اَل بابلون کا یہ علاقہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھا۔ اس کا شمالی حصہ کوہستانی اور جنوبی حصہ دلدل سے بھرا ہوا تھا۔ چکنی مٹی اور چونا یہاں آسانی سے دستیاب تھا۔ یہاں کی خاص پیداوار کھجور تھی، جو دوسرے شہروں کو برآمد بھی کی جاتی تھی۔ سرکنڈوں کے جنگل یہاں بہتات میں تھے۔ شاید اسی لیے یہاں سرکنڈوں سے کئی طرح کی ضرورت کا سامان تیار کیا جاتا تھا۔ یہاں کے لوگ زراعت سے بھی بخوبی واقف تھے اور جو، گندم، تل اور پٹ سن کی کھیتی کرتے تھے۔ مویشی پالنا ان کی روزمرہ کی ضروریات کا حصہ تھا، چنانچہ یہاں دودھ، دہی اور گھی کی فراوانی تھی۔ انھیں پھلوں کے باغات لگانے کا بھی بہت شوق تھا۔ زراعت اور باغات کی آب پاشی کے لیے مصنوعی نہریں بنانا ان کے شوق کا حصہ بھی تھا اور ضرورت بھی۔ اس کی تعمیر میں حکمراں طبقہ تو حصہ لیتا ہی تھا عام انسان بھی اپنی ضرورت کے مطابق چھوٹی چھوٹی نہریں تعمیر کر لیا کرتے تھے۔ باغات کے اندر بھی عام طور پر نہریں بنائی جاتی تھیں، تاکہ ان کے افراد خاندان یہاں تفریح کے لیے آئیں تو غسل بھی کر سکیں۔ ان سے باغات کی آبپاشی کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی تھی۔

زراعت کے علاوہ یہاں کی معیشت میں تجارت کا بھی بہت اہم کردار تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عام طور پر یہاں کے لوگ خوش حال تھے۔ یہ لوگ تجارتی حساب کتاب میں جوڑ اور گھٹانا اچھی طرح جانتے تھے۔ یہ مربع اور مکعب سے بھی بخوبی واقف تھے اور عام طور پر اپنے حساب کتاب میں ان کا استعمال کیا کرتے تھے۔ تجارتی تحریروں، حساب کتاب اور معاہدوں کے لیے

مٹی کی تختیوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے سارے شہر میں بالخصوص بازاروں اور ان جگہوں پر جہاں تاجروں کا قیام رہتا تھا، جگہ جگہ کاسہ گر اور ان کے آنوے ہوتے تھے جو ان تختیوں کو بنانے اور ان کو پکانے کا کام کیا کرتے تھے۔ اس کے لیے پہلے کچی اور قدرے گیلی مٹی کی تختی میں معاہدے کی تحریر لکھی جاتی تھی اور بعد میں اسے آنوے میں پکا لیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ تحریر عرصے تک محفوظ بھی رہتی تھی اور اس میں کسی طرح کی شاطرانہ تبدیلی کی گنجائش بالکل نہیں ہوتی تھی۔ یہاں کی عدلیہ بھی معاہدے کی ایسی تختیوں کو ثبوت کے طور پر قبول کرتی تھی۔

اَل بابلون کا سیاسی نظام بیشتر عبادت گاہوں سے متعلق لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں کا حکمراں جملہ معبدوں کا مہا پروہت بھی ہوتا تھا، جسے پتیسی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ سیاسی اور مذہبی امور میں اس کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا۔ اس کی ایک مجلس مشاورت بھی ہوتی تھی لیکن اس کے اراکین صرف پتیسی کے ذریعے طلب کیے جانے پر ہی مشورہ دے سکتے تھے۔ پتیسی کے کسی فیصلے پر اعتراض یا اصلاح کرنے کی انھیں اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس مجلس مشاورت میں عورتوں اور مردوں کی مساوی تعداد ہوتی تھی لیکن ان سب کا تعلق کسی نہ کسی صورت معبد سے ہونا ضروری ہوتا تھا۔ عام شہریوں کو سیاسی معاملات میں مداخلت کرنے کے حق نہیں تھا۔ یہاں کے اہم دیوتا مردوک، این لل اور شمس تھے۔ تموز اور اشتر دیوی کو یہاں زرعی پیداوار سے متعلق سمجھا جاتا تھا۔ لوگ بہتر فصل کے لیے ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہاں پر ایسی قبروں کی عبادت بھی کی جاتی تھی جہاں کسی خدا پرست کو دفن کیا گیا ہو۔

ان دنوں اَل بابلون اور آس پاس کے علاقوں پر حمور بی کی حکومت تھی۔ حسب رواج وہ پتیسی بھی تھا اور معبد اعظم اور تمام چھوٹے بڑے معبدوں کا مہا پروہت بھی۔ حمور بی کئی معاملات میں اپنے پیش رو حکمرانوں سے مختلف تھا۔ اس کی اپنی زندگی سادہ تھی لیکن اسے اَل بابلون میں ایک ترقی یافتہ معاشرے کی تعمیر کا جنون تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی مملکت میں چاروں طرف خوش حالی ہو اور کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ اس نے اَل بابلون کی تاریخ میں پہلی بار بڑے پیمانے پر کسانوں کو اپنی فوج میں ملازمت دینے کا آغاز کیا تھا، تا کہ اس کی حربی قوت میں اضافہ بھی ہو اور دیہی غربت کا خاتمہ بھی ممکن ہو سکے۔ اس نے ایک قانون بھی وضع کیا تھا جس کے بارے میں خود اس کا یہ کہنا تھا کہ یہ قانون اُسے شمس دیوتا نے اس کی عبادتوں اور

ریاضتوں کے عوض عنایت کیا ہے۔

اس قانون میں کل ۲۸۲ دفعات تھیں، جس میں جادو اور بددعا، چوری، قتل اور دوسرے جرائم، غلام اور فوجی ملازمت، زراعت اور آب پاشی، تجارت اور سود، شادی بیاہ، وراثت کی تقسیم، فریقین کی مرضی کے خلاف زنا، معاشرے میں رہنے والوں کے فرائض اور اختیارات سے وابستہ امور اور مختلف قسم کے جرائم جیسے موضوعات پر سزا و جزا کا تعین کیا گیا تھا۔ اس قانون میں کئی ایسی دفعات شامل تھیں جس پر شروع میں لوگوں نے اعتراضات کیے لیکن وہ حمورابی کی قوت ارادی کے سامنے زیادہ دیر تک ٹک نہیں سکے۔ ایسی ہی دفعات میں سے ایک دفعہ غلاموں کی غلامی کی طے شدہ مدت متعین کرنے کی تھی۔ حمورابی سے پہلے غلامی دائمی ہوا کرتی تھی اور غلاموں کے لیے ایک بار غلام بن جانے کے بعد نجات کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوتی تھی۔ لیکن حمورابی نے اس میں اصلاح کرتے ہوئے اس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین سال متعین کر دی تھی، جس پر غلاموں کے مالکوں کو شدید اعتراض تھا۔ قانون کی رو سے اس مدت کے بعد ہر غلام آزاد تصور کیا جاتا تھا۔ یہ غلام کی اپنی مرضی پر منحصر ہوتا تھا کہ وہ اس مدت کے گذر جانے کے بعد اپنے مالک کے ساتھ رہنے پر راضی ہے یا آزاد رہ کر کوئی دوسرا کام کرنا چاہتا ہے۔ بعض غلام اس آزادی کو نعمت تصور کرتے تھے لیکن بعض اس خوف سے کہ وہ آزاد رہ کر کیسے اپنی زندگی گذار پائیں گے، آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے تھے اور اپنے سابقہ مالک کے ساتھ ہی اپنی زندگی کے بچے ہوئے دن گذار دینے میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔

حمورابی کے اقتدار میں آنے کے پہلے اور بعد میں بھی کچھ عرصہ تک یہاں جادوگروں کا دور دورہ تھا۔ معاشرے میں جادو پر اعتقاد اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ روزمرہ کی زندگی میں اس کے بغیر جیسے کام ہی نہیں چل سکتا تھا۔ جادو کے ماہرین کی تو بات ہی چھوڑیے، یہاں کے عام لوگوں میں سے بھی اکثر اس فن کو سیکھتے تھے اور اپنے دشمنوں کو زیر کرنے، انھیں سزا دینے یا انھیں جہنم واصل کرنے کے لیے اس کا استعمال کیا کرتے تھے۔ بازار میں جگہ جگہ ان کی دکانیں ہوتی تھیں۔ یہاں کے لوگ اس بات کے عادی ہو چکے تھے کہ وہ اپنے کسی کام کو کرنے سے پہلے یا اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے جادوگروں کی مدد لیتے تھے۔ لیکن حمورابی نے اپنے نئے قانون میں جادو کو قابل دست اندازی اقتدار جرم قرار دیا تھا۔ اس قانون میں کسی پر

جادو کرنے یا کسی سے کروانے کی صورت میں مجرم کو موت کی سزا دینے کا نظم تھا۔

اَل بابلون میں جنسی تعلقات استوار کرنا معاشرے کی آزادی کی دلیل بھی تھا اور ایک مقدس مذہبی فریضہ تھا۔ اسے ایک فطری جذبہ تسلیم کیا جاتا تھا اور یہ مان لیا گیا تھا کہ عورت مرد کے درمیان کا یہ مقدس رشتہ ہر انسان کی روزمرہ ضروریات کا ایک لازمی جز ہے۔ اس کے لیے عورت کا انتخاب مرد کے صوابدید پر منحصر تھا۔ کوئی بھی مرد کسی بھی عورت سے جنسی اختلاط کی درخواست کر سکتا تھا۔ اور اِسے نہ تو عورت معیوب سمجھتی اور نہ معاشرے کی نظر میں یہ کوئی بری بات تھی۔ جنسی اختلاط کی واحد شرط یہ تھی کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہو اور اس اختلاط کے لیے اس کی مرضی بھی شامل ہو۔ کسی طرح کی زور زبردستی ثابت ہونے پر مرد کو بڑے جرمانے اور سو دُرّوں کی سزا کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ یہاں سال میں ایک بار ایسا میلا لگتا تھا جس میں لڑکیاں عریاں ہو کر بیٹھتی تھیں اور کھلے عام مردوں کو اپنی طرف راغب کرتی تھیں۔ ان میں شاہی خاندان کی دوشیزائیں بھی شامل ہوا کرتی تھیں۔ اس میلے میں جس مرد کو جو عورت پسند آ جاتی وہ اس کے ساتھ ایک رات گذار سکتا تھا۔ جنسی آزادی کی طفیل یہاں جرائم نہ کے برابر تھے۔ یہاں معبدوں میں عورتوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہوتی تھی، جو کسی سے بھی جنسی تعلقات استوار کرنے کے لیے آزاد ہوتی تھیں۔ وہ اس کے لیے اپنے ساتھی سے معاوضہ بھی طلب کر سکتی تھیں، جس میں تین چوتھائی حصہ معبد کا ہوتا تھا اور ایک چوتھائی اس لڑکی کا جس کے توسط سے یہ آمدنی ہوتی تھی۔ اس کے لیے معبدوں میں وصل خانوں کی تعمیر کی جاتی تھی تاکہ معبد سے متعلق کسی عورت کو کسی مرد سے جنسی اختلاط میں کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ ہو۔ ایسے تعلقات سے پیدا ہونے والی اولادوں کی پرورش معبدوں اور پنچیسی کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی اور معاشرے میں انھیں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اس مملکت میں سن بلوغ کو پہنچنے والی ہر عورت پر فرض تھا کہ وہ معبد جا کر اس کے لیے مقررہ مقام پر اس وقت تک بیٹھے جب تک کوئی مرد اس کی گود میں چاندی کا سکہ نہ ڈال دے۔ یہ اس بات کی علامت ہوا کرتی تھی کہ وہ شخص اس کے ساتھ عارضی طور پر جنسی رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خوب صورت اور حسین عورتیں جلد پسند کر لی جاتی تھیں اور انھیں شادی کرنے اور اپنی باقی کی زندگی فراغت کے ساتھ گزارنے کی آزادی مل جاتی تھی۔ اس کے برعکس

بدصورت یا عام جسمانی ساخت والی عورتوں کو یہاں کبھی کبھی روز اور اکثر کبھی مہینوں تک اس بات کا انتظار کرنا پڑ جاتا تھا کہ کوئی مرد اس کی گود میں چاندی کا سکہ ڈالے۔ وہاں کے معاشرے میں عورتوں کے درمیان اس طرح کے طعنے عام تھے کہ ”تو تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ کوئی مرد تمہارے ازار بند میں ہاتھ ڈالے“۔ یہاں شادیوں کی اجازت صرف ان بالغ عورتوں کو ملتی تھی جس نے معبد میں کم از کم ایک شب گذاری ہو۔

شادی کے قوانین بھی بڑے سخت تھے۔ شادی کے بعد عورت کو مرد کے مال کا محافظ تصور کیا جاتا تھا۔ عورت کی مرد کے خلاف یا مرد کی عورت کے خلاف بے وفائی پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اگر مجرم مرد ہے تو اسے بھاری جرمانہ ادا کرنا ہوتا تھا اور اگر عورت ہے تو اسے رسی سے باندھ کر دریا برد کر دیا جاتا تھا۔

آل بابلون کے شہری ان قوانین کے پابند بھی تھے اور عادی بھی، اس لیے عام طور پر کسی کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد معاشرے میں واضح تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں۔ جرائم نہیں کے برابر ہو گئے تھے۔ لوگ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے لگے تھے۔ اگر کبھی کوئی جرم ہوتا بھی تھا تو عام طور پر اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی غیر ملکی ہوتا تھا جو یہاں کے قوانین کی سختی سے ناواقف ہوتا تھا اور ناداستگی میں اپنے آپ کو پھنسا لیتا تھا۔

(آٹھ)

مائل گام کے میدان میں مہرشی سپت منو کا پروچن چل رہا تھا۔ ان کے اندر دل من کو پھر سے بسانے کا جنون اپنی انتہا پر تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ دل من آج بھی سورگ بن سکتا ہے اس لیے لوگوں کو وہاں جا کر آباد ہونا چاہیے۔

تمویم توسماسرِ تیہ چرم تشٹھ تی سیندریہ

نہ چہ سوَکروتے کَرم تدوتکرامتی مورتی تہ

”یہ سنسار نشور ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہاں کوئی ویکتی کچھ سمے کے لیے ہی آتا ہے۔

---

[1] جب یہ وجود لاعلمی کے بھروسے زیادہ عرصے تک رہتا ہے اور اپنا کرم نہیں کرتا ہے تو وہ اپنے شریر سے نکل جاتا ہے۔۔
(منوسمرتی۔ باب اول اشلوک ۵۵)

'اس کا اصلی ٹھکانا دیوتاوں کے نکٹ ہے۔ ایک نہ ایک دن اسے مرتیو کو پراپت ہو کر دیوتاوں کے سنمکھ اپستھت ہوتا ہے اور اپنے کرموں کا حساب دینا ہے۔ اس سنسار میں رہ کر جو پنیہ کاریہ تم نے کیے ہیں، وہ تمھیں سورگ کا بھاگی دار بنا سکتے ہیں اور جو کام پاپ کیے ہیں وہ تمھیں گھسیٹ کر نرک کی اور لے جائیں گے۔ یہ سنسار ہمارا پریکشا استھل ہے۔ اسے جو ہے ایسا ہی سمجھو گے تو تمھاری مکتی کا مارگ پرشست ہوگا۔ اینتھا تمھارے پاپ تمھیں نرک کی اور لے جائیں گے۔ دیو بھکتی کرتے رہو کہ یہ دیو بھکتی ہی تمھارے کام آنے والی ہے"۔

"یہ سمست دھرتی دیوتاوں کی ہی بنائی ہوئی ہے، پرنتو تم میں سے شاید کچھ ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ دل من ان کا اپنا پریہ نگر تھا، جسے انھوں نے بڑے منو یوگ سے بسایا تھا۔ پچھلے دنوں دیوتاوں کے ایک کھیل نے اس نگر کو تہس نہس کر کے نرجن بنا دیا ہے۔ اب دیوتا چاہتے ہیں کہ یہ نگر پنہ اسی پرکار بس جائے جیسا پہلے تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ دیوتاوں کی مرضی کا کام کرنے سے وے پرسن ہوتے ہیں اور ان کی پرسنتا میں ہی ہماری مکتی ہے۔ اتہ تم سب سے میری پرارتھنا ہے کہ تم میں سے جن لوگوں کو مکتی کی کامنا ہے وہ دِل مَن کو دوبارہ بسانے کا پریاس کریں۔ وہاں جائیں، وہاں رہیں اور وہاں کی دھن سمپدا کر اپیوگ کریں"۔

"دیوتاوں کا سدیو اسمرن کرو۔ جے دیوا، جے مہادیوا"۔

ماہل کے گام پتی اہوراج نے بھی مہرشی کا پروچن بڑے دھیان سے سنا تھا۔ اسے ان کی یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی تھی کہ دیوتاوں کو خوش کرنے کے لیے لوگ اپنا گاوں چھوڑ دیں اور مہرشی کا کہنا مان کر دل من کی جانب روانہ ہو جائیں۔ حسب عادت اسے غصہ بھی آ رہا تھا لیکن اس نے خود پر قابو رکھا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ مہرشی مہادیو کے بیٹے، بہت بڑے تپسوی اور بہت غصے والے ہیں اور اگر انھوں نے اسے شراپ دے دیا تو اس کی زندگی دشوار ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے خاموش رہنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی۔ اس نے سوچا کہ مہرشی کے یہاں سے چلے جانے کے بعد وہ اپنے گاوں والوں کو سمجھائے گا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنا اور اپنے باپ دادا کا گاوں چھوڑ کر نہ جائیں۔

گل گموش

(ایک)

تاماس کے بارے میں مشہور کیا گیا تھا کہ وہ دیوتاوں کی دعاوں کے نتیجے میں ایک مقدس کوکھ سے پیدا ہوا تھا۔ اسی بنیاد پر اُسے اَن اہل یا دیوتاوں کا بیٹا قرار دیا گیا تھا اور مقدس این لل دیوی کے نام پر اس کا نام این لل تام تاماس رکھا گیا تھا۔ اب وہ عنقریب اپنی عمر کے دو سال پورے کرنے والا تھا۔ معبد کے رسم و رواج کے مطابق دو سال کی مدت پوری ہونے پر اس کے لیے ماں کا دودھ بند کیے جانے کے ساتھ ساتھ گل گموش کی کہانی سنایا جانا تھا۔ وقت قریب آ گیا تھا۔ ایسا موقع اس معبد کے لیے کافی عرصے بعد آیا تھا۔ پندرہ سولہ برس پہلے جس بچے کو اَن اہل قرار دیا گیا تھا، وہ شاید دیوتاوں کو کچھ زیادہ پسند آ گیا اور اسے اس دنیا سے جلدی ہی اٹھا لیا گیا تھا۔ اس لیے اس کے لیے اس رسم کی تکمیل نہیں کی جا سکی تھی۔ شاید یہی سبب تھا کہ یہاں ایک خوش گوار ماحول تعمیر ہو گیا تھا۔ معبد کا ہر فرد خواہ وہ کسی مرتبے کا حامل ہو، زیادہ سے زیادہ ثواب پانے کی لالچ میں اس جشن کی تیاریوں میں حصہ لینا چاہ رہا تھا۔ اس کے لیے ایک ہفتہ پہلے سے ہی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ احاطے کے اندر موجود مسرت گاہ کے وسیع و عریض میدان کو آراستہ و پیراستہ کیا جا رہا تھا۔ سیڑھیوں کے کناروں پر دیے روشن ہونے تھے اس لیے ہر سیڑھی پر دیے میں تیل بھر کر رکھا جا رہا تھا۔ بیلوں، پھولوں اور پتیوں سے مسرت گاہ کے تمام دروازوں کو سجایا جا رہا تھا اور جگہ جگہ خوشبودار پودے رکھے جا رہے تھے۔

معبد کے احاطے کے اندرونی حصے میں واقع اس مسرت گاہ کے درمیان میں ایک چھوٹا سا میدان تھا جس میں 'گل گموش کی کہانی' سے متعلق ساری رسوم انجام دی جانے والی تھیں۔ اس میدان کے ارد گرد گولائی لیے ہوئے بیس ہاتھ بلند اکیاون سیڑھیوں کا ایک سلسلہ تھا جس میں شہر کے ہر خاص و عام کو بیٹھ کر جشن کا لطف لینے کی اجازت تھی۔ ان سیڑھیوں پر نرم گدے بچھائے جا رہے تھے تاکہ دیر تک بیٹھنے پر بھی کسی کو کسی قسم کی تکلیف کا احساس نہ ہو۔ میدان کے ایک طرف ایک وسیع و عریض چبوترہ بنا ہوا تھا جس کے اوپر مزید چھوٹے چھوٹے چبوترے بنائے گئے تھے۔ یہ نشستیں پجاریوں اور آج کے جشن کی مختلف رسوم انجام دینے والوں کے لیے مخصوص تھیں۔ بڑے چبوترے کو سونے اور چاندی کی جھالروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ان پر بھی رنگین گدے بچھائے گئے تھے۔ معبد کے لوگوں کے ساتھ تاماس کی ماں سوناری بھی، جس کا نام اب زورمی تھا، تیاریوں کی نگرانی میں مصروف تھی۔ وہ بھی بے انتہا خوش تھی، کیونکہ یہ لمحہ اس کے لیے بھی یادگار بننے والا تھا۔ یہاں ہر ایک اس کوشش میں تھا کہ اس تاریخی جشن کو عدیم المثال بنانے میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔

ساری تیاریاں ایک دن قبل ہی مکمل ہو گئی تھیں۔ سب کو اس بات کا علم تھا کہ اس جشن میں عظیم پروہت پتیسی حمور بی بھی بطور خاص شرکت کرنے والے ہیں۔ بالآخر وہ دن آ گیا، جس کا سب کو انتظار تھا۔ پجاریوں اور پروہتوں کی طرح ہی شہر کے لوگ بھی بڑی بے چینی سے اس جشن کا انتظار کر رہے تھے، کیونکہ ان کی زندگی میں خوشی کے ایسے یادگار موقعے کم ہی آیا کرتے تھے۔ بھاری بھیڑ کو مدنظر رکھتے ہوئے پتیسی کے اہل کاروں نے حفاظت کے سخت انتظامات کیے تھے۔

آج جشن کے دن سارے شہر کے لیے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ لوگ آتے، کھانا کھاتے اور مسرت گاہ کی سیڑھیوں پر اپنی لیے مناسب جگہ تلاش کر کے بیٹھ جاتے۔ رفتہ رفتہ پورا میدان عقیدت مندوں سے بھر چکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مزید آنے والوں کو اب شاید بیٹھنے کی جگہ نہیں مل سکے گی اور انھیں مایوس ہو کر واپس لوٹنا پڑے گا۔

غروب آفتاب کو نصف پہر ہو چکا تھا۔ چنانچہ پتیسی حمور بی نے جشن شروع کرنے کی اجازت دی۔ جشن کے آغاز میں روایت کے مطابق ایک مغنیہ اور پانچ رقاصاؤں نے مل کر اپنی

پرسوز آواز اور کمال فن کاری کے ساتھ تاروں کی مدد سے بجنے والی موسیقی کی رہنمائی میں تموز دیوتا اور اشتر دیوی کی تعریف کے نغمے گائے اور ان کے شایان شان رقص کر کے اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کیا۔

دیوی، دو پرساد، ماتا دو پرساد، دو پرساد
کھیتوں میں دھانیہ ہو،
شالا میں پشو بڑھیں،
کوشوں میں دھن بڑھے،
دیوی، دو پرساد، ماتا دو پرساد، دو پرساد
ایک سے انیک ہوں،
انیک سے انیک ہوں،
شاکھا میں پشپ ہوں،
ورکشوں میں پھل لگیں،
دیوی، دو پرساد، ماتا، دو پرساد، دو پرساد۔ [1]

اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ اب آن آپل این لل تام عرف تاماس کو لا کر اسے گل گموش کی کہانی کا ایک حصہ سنایا جائے گا اور اس کے فوراً بعد کچھ فن کاروں کی اداکاری کی مدد سے اس پوری کہانی کو عملی شکل میں پیش کیا جائے گا۔

اعلان کے بعد عوام سے یہ درخواست بھی کی گئی کہ وہ خاموشی بنائے رکھیں اور ہونے والے اس اہتمام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ثواب حاصل کریں۔

(دو)

پٹیسی حموربی نہایت تمکنت سے چبوترے پر بنائی گئی سب سے اونچی نشست پر جلوہ افروز تھے۔ اس کے اشارے کے بعد مقامی معبد کے بزرگ پروہت نے رواج کے مطابق بچے کو اپنی گود میں اٹھا کر پہلے اس کے احترام میں عقیدت سے سر جھکایا اور لے جا کر اسے اس کی

---

[1] یہ گیت آنجہانی اراوتی کا تخلیق کردہ ہے جوان کی کتاب "رد پنترن" سے ماخوذ ہے۔

مخصوص جگہ پر بٹھا دیا۔ اس کے پہلو میں اس کی ماں زورمی کو بھی بٹھایا گیا۔ سب سے پہلے اسے دودھ اور پھر پانی سے نہلا کر پاک کیا گیا، نئے کپڑے پہنائے گئے جو اس جشن کے لیے خاص طور پر بنوائے گئے تھے۔ اس کے بعد اس کا سر زمین سے لگا کر سجدہ کرایا گیا، تاکہ زمین کی دیوی اس کے وجود کو تادیر سلامت رکھے۔ اس کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ دعائیں پڑھی گئیں، تاکہ وہ تمام آسمانی بلیات و مصائب سے محفوظ رہے۔ اس کے بعد اسے روشن کی گئی مقدس آگ کا طواف کرایا گیا۔ ان رسوم کی ادائیگی کے بعد پتیسی حمور بی نے تاماس کی ماں زورمی سے درخواست کی کہ وہ تمام لوگوں کی موجودگی میں تاماس کو آخری بار دودھ پلائے۔ دودھ پلائے جانے کے بعد دو سال کے تاماس کو دوبارہ اپنی جگہ پر بٹھا دیا گیا۔

عظیم پروہت مقدس پتیسی نے گل گموش کی کہانی شروع کرنے سے پہلے بلند آواز میں تاماس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے مقدس روح کے بیٹے، اے شمس اور این لل کی مہربانی سے وجود میں آنے والے اور آسمانوں سے نیچے اترنے والے ان اہل، اے وہ کہ جن کا نام این لل تام عرف تاماس ہے، اے وہ جس کے فیض سے تمام عالم بخیر و عافیت ہے، اے وہ تاماس کہ جس کا والد بے نام ہے، وہ تاماس جو معبد کی سرپرستی میں زیر پرورش ہے اور جس کی والدہ معبد کی خادمہ زورمی ہے، ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ گل گموش کی اس کہانی کو پوری توجہ اور انہماک سے سنیں، کیونکہ اس میں آپ کی آنے والی زندگی کے بہت سے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔ انھیں تاعمر یاد رکھنا کہ ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس کہانی سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے اور اس کی مدد سے دوسروں کو بھی بہت کچھ سکھایا جا سکتا ہے''۔

اس کے ساتھ ہی اونچے سروں میں موسیقی کی خوش گوار آوازیں بلند ہوئیں جس کے درمیان عظیم پروہت پتیسی حمور بی کی آواز نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''حاضرین، ہمہ تن متوجہ ہوں کہ اب کہانی کا آغاز کیا جاتا ہے''۔

''بیتے زمانے میں ال بابلون کے جنوب میں اریخ نام کا ایک شہر ہوا کرتا تھا۔ اس کا حاکم گل گموش نام کا ایک نہایت ہی قوی اور جابر شخص تھا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے یہ ایک ظالم حکمراں تھا۔ اس کی رعایا اس کے ظلم و ستم اور سخت گیری سے نالاں تھی۔ وہ ساری کائنات پر حکومت کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے

لیے اسے ایک بہت بڑی فوج بنانی پڑے گی۔ چنانچہ اس نے نوجوانوں کو پکڑ پکڑ کر بہ جبر اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ وہ عورتوں کا بھی دلدادہ تھا۔ اسے ہر شب ایک نئی عورت درکار تھی۔ انھیں استعمال کرنے کے بعد کبھی تو وہ انھیں آزاد کر دیتا اور کسی کسی کو اپنے محلات میں داخل کر لیتا۔ جنھیں محلات کا حصہ بنا لیا جاتا تھا پھر وہ تاحیات محل کے باہر نہیں جا سکتی تھیں۔ اس کے لیے اس نے اپنی رعایا میں سے نظر میں آ جانے والی ہر خوب صورت عورت اور ہر دوشیزہ کو اپنے محل کی زینت بنا لیا تھا۔ وہ اپنی اجازت کے بغیر کسی لڑکی کی شادی نہیں ہونے دیتا تھا۔ سچ پوچھو تو گل گموش نے نہ کسی باپ کے پاس اس کا بیٹا چھوڑا تھا، کہ اب وہ اس کی فوج کا حصہ تھے، نہ کسی نوجوان کے پاس اس کی معشوقہ اور نہ کسی شوہر کے پاس اس کی بیوی چھوڑی کہ وہ سب اس کی ہوس کا شکار ہو چکی تھیں"۔

"محترم ان اپل، بولیے ہوں"۔ پتیسی نے کہا۔

"ہوں"۔ تاماس نے کہا۔

"اس کے مظالم سے مخلوق نے تنگ آ چکی تھی۔ انھوں نے آ کر دیوتاوں سے گل گموش کی شکایت کی کہ کسی طرح ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائی جائے۔ لوگوں پر ترس کھا کر سارے دیوتا ارورو دیوی کے پاس گئے کہ گل گموش ان کے حد اختیار سے باہر تھا۔ انھوں نے ارورو دیوی سے کہا کہ چونکہ آپ ہی مردوخ کے ساتھ مل کر انسانوں کی تخلیق کرتی ہیں اور گل گموش آپ ہی کا پیدا کردہ ہے۔ اس لیے اس کے مظالم سے نجات کے لیے اب آپ ہی کوئی اور شخص پیدا کریں جو گل گموش کا مقابلہ کرنے کا اہل ہو اور اسے اس کے مظالم سے روک سکے۔ دیوتاوں کی درخواست پر ارورو دیوی نے ایک اور شخص کو پیدا کیا، جس کا نام ایابنی تھا۔ ایابنی میں اگرچہ دیوتاوں کی کئی صفات موجود تھیں لیکن اس کی شکل عجیب وغریب اور ڈراونی بنائی گئی تھی۔ اس کے سارے جسم پر بھالو کی طرح لمبے لمبے بال تھے۔ اس کا سر اور اوپر کا دھڑ اور بازو کسی طاقت ور مرد کے اور ٹانگیں اور نیچے کا حصہ درندے کا تھا"۔

"ان اپل تمھیں بیچ بیچ میں ہوں بولتے رہنا چاہیے"۔ پتیسی نے اسے پھر سے یاد دلایا۔

''ہوں''۔

''وہ جنگل میں جانوروں اور درندوں کے ساتھ ہی رہتا تھا۔گل گوش کے جاسوسوں نے اس کو خبر دی کہ دیوتاؤں نے اس کے مقابلے کے لیے ایابنی کو پیدا کیا ہے۔تو اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ وہ میرے مقابلے میں آئے مجھے اس کا کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اس حکم کے ساتھ ایک ماہر شکاری شیدو کو جنگل کی طرف روانہ کیا کہ جیسے بھی بنے ایابنی کو گرفتار کرلاو۔شیدو تین دن اور تین رات گھات لگائے بیٹھا رہا۔اس نے ایابنی کی نقل وحرکت کا بغور مطالعہ کیا کہ وہ کب دوسرے جانوروں کے ساتھ گھاٹ پر پانی پینے آتا ہے،کب کہاں آتا جاتا ہے،اس کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے اور اس کی چلنے پھرنے کی عادات کیا ہیں۔اس نے اسے گرفت میں لینے کے لیے جگہ جگہ گڑھے کھودے اور جال بچھا دیے لیکن اسے کامیابی نہیں ملی۔ایابنی بھی سمجھ دار تھا۔وہ ہر جگہ پھونک پھونک کے قدم رکھتا تھا''۔

''بولیے ہوں''۔

''ہوں''۔

''شیدو کے پاس کھلے میدان میں دو بدو ایابنی سے مقابلہ کرنے کی ہمت تھی نہ طاقت۔ چنانچہ اس نے واپس آ کر گل گوش کو صورت حال سے آگاہ کیا۔گل گوش کو مایوسی تو بہت ہوئی لیکن وہ حوصلہ نہیں ہارا۔اب اس نے ایک اور چال چلی۔اس نے ارخ کے اشتار دیوی کے مرکزی معبد کی اوخت نامی ایک حسین وجمیل دیوداسی کو شیدو کے ساتھ روانہ کیا اور اسے سمجھا دیا کہ جب ایابنی ندی کے کنارے پانی پینے آئے اس وقت تم اپنے کپڑے اتار کے ناز وادا کے ساتھ اس کے سامنے آجانا اور اسے رجھانے کی کوشش کرنا۔جب وہ تمھاری طرف مائل ہوجائے تو کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھنا کہ وہ پوری طرح تم پر فریفتہ ہوجائے۔وہ اگر تم پر عاشق ہوجاتا ہے تو جنگل کے تمام درندے خود بخود اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہ تنہا ہوجائے گا۔پھر تم اسے کسی طرح سمجھا بجھا کر میرے پاس لے آنا''۔

''ہوں''۔

"گل گموش کی یہ چال کامیاب رہی۔ جلد ہی ایابنی اوخت کا عاشق ہو چکا تھا۔ اب وہ اسے انگلیوں پر نچانے لگی تھی۔ ایک دن اس نے اس سے کہا کہ تم یہاں جنگل میں کیوں رہتے ہو۔ تم ایسے سورما، ایسے عقل مند، دیوتاؤں کی صفات کے حامل شخص کو تو چاہیے کہ چل کے شہر میں دوسرے انسانوں کے ساتھ بود و باش اختیار کرے۔ اس نے اسے بتایا کہ ارخ میں گل گموش کی بادشاہت ہے۔ وہ بہت جلیل القدر اور رحم دل بادشاہ ہے، وہ ایک شاندار محل میں رہتا ہے۔ میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہو گا۔ ایابنی نے جب تک عورت نہیں دیکھی تھی وہ جنگل کے چوپایوں ہی کے ساتھ مگن تھا۔ اب اسے ہمیشہ ایک عورت کی طلب رہتی تھی۔ اوخت کی عدول حکمی کرنا جیسے اب اس کے حد اختیار سے باہر ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب اوخت نے اسے یہ مشورہ دیا تو وہ اس کے ساتھ گل گموش کے پاس ارخ آ گیا۔ یہاں گل گموش نے اس کی مناسب آؤ بھگت کی اور جلد ہی وہ ایک دوسرے کے دوست بن گئے"۔

"ہوں"۔ مہاپروہت کے سانس لینے کے لیے رکنے پر تاماس اب خود سے ہنکاری بھرنے لگا تھا۔

گل گموش اور ایابنی ساتھ ہو گئے تو ان کی طاقت ناقابل تسخیر ہو گئی۔ گل گموش نے ارادہ کیا کہ اب مناسب وقت آ گیا ہے کہ ارخ کے تمام دشمنوں کو جنگ کے لیے للکارا جائے۔ ایک ایک کر کے اس نے ارخ کے دشمنوں پر حملہ کیا اور اس کی حکومت کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا"۔

"ہوں"۔ تاماس نے ہنکاری بھری۔

"اس کے بعد کچھ یوں ہوا کہ گل گموش کی کامیابیاں اور اس کے حسن و شباب کو دیکھ کر خود اشتار دیوی اس پر عاشق ہو گئی۔ اس نے اس سے کہا کہ تم اگر مجھ سے شادی کر لو تو میں تمھیں دیوتاؤں کا ہم سر اور ان کا مخدوم بنا دوں گی۔ لیکن گل گموش نے اس کی دعوت کو نہایت حقارت سے نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ اس نے اسے طعنہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ تم نے آج تک جن نصف درجن قسمت کے ماروں سے شادی کی ہے ان کا تم نے کیا حشر ہوا ہے اور انھیں تم نے کس کس عذاب اور تکلیف سے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ میں

اوروں کی طرح بیوقوف نہیں ہوں۔ یہ سب عشق وشق مجھے مرغوب نہیں ہے، اس لیے مجھے تو اس کے لیے معاف ہی رکھو۔ اس کی زبان سے یہ سب سن کر اشتار اس سے ناراض ہوگئی اور اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر روتی بسورتی سیدھی اپنے والد انو تو دیوتا کے پاس گئی اور اس سے شکایت کی کہ گل گموش نے میری محبت کو ٹھکرا کر میری سخت ہتک کی ہے، اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔ انو نو نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ گل گموش کو بھول جائے لیکن وہ نہ مانی۔ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ ایک عظیم الجثہ اور طاقت ور سانڈ پیدا کرے جو گل گموش کو ملیا میٹ کر دے۔ انو نو بیٹی کی ضد سے مجبور ہوگیا اور اس نے علو نامی ایک سانڈ پیدا کیا۔ گل گموش اور ایابنی دونوں دوستوں نے مل کر اس سانڈ کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اب اشتار ایابنی کے بھی خلاف ہوگئی اور اس نے اسے اپنی چال میں پھنسا کر ختم کر دیا۔ ایابنی کی موت سے گل گموش کا زبردست و بازو ٹوٹ گیا لیکن اشتار نے اسے بھی نہیں چھوڑا۔ جب اس کا کوئی اور داؤ نہ چلا تو اس نے اسے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیا۔ گل گموش نے دیکھا کہ اگر میں جلد ان بیماریوں کا علاج نہیں کرتا تو میں بھی ایابنی کے پاس پہنچ جاوں گا۔ اس پر اس نے اپنے ایک مورث اعلیٰ اُت نا پشم کی تلاش شروع کی جو ماضی میں موت پر فتح پانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اب دیوتاوں کی طرح امر تھا اور موت اس کے نزدیک پھٹک نہیں سکتی تھی''۔

''ہوں''۔ تاماس نے ایک فرماں بردار بچے کی طرح کہا۔

''طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد وہ اُت نا پشم کے پاس پہنچا۔ اس نے ات نا پشم سے دریافت کیا کہ موت سے چھٹکارا پانے کا کیا طریقہ ہوتا ہے؟ ات نا پشم نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے۔ جب تک دنیا قائم رہے گی، بنی آدم کو موت سے مفر نہیں۔ اس پر گل گموش نے کہا اگر یوں ہے تو آپ بھی تو بنی نوع انسان کے فرد ہیں۔ آپ عمر جاودانی حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔ اس کے جواب میں اُت نا پشم نے اس سے کہا کہ کل میرے پاس آنا میں تمھیں طوفان نوح کا قصہ سناوں گا''۔ [1]

---

[1] گل گموش کے قصے کا یہ حصہ مالک رام کی کتاب ''حمورابی اور بابلی تہذیب وتمدن'' سے ماخوذ ہے۔

''اور اس طرح سے گل گموش کے قصے کا پہلا حصہ تمام ہوا''۔ معبد کے عظیم پروہت نے کہا۔''تمام ناظرین سے التماس کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور سامنے کے چبوترے پر گل گموش کا بقیہ حصہ اداکاروں کی فن کاری کی شکل میں ملاحظہ فرمائیں''۔

(تین)

گذشتہ کچھ عرصے سے لوتھل بندر کے نگر پالک اریک شا کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی۔ معالجوں نے اس کا سبب شراب نوشی کی کثرت اور ان کی بے لگام عیاشی کو قرار دیا تھا اور نگر پالک کو سخت تاکید کی تھی کہ وہ کسی بھی حالت میں اپنی ان دونوں خصلتوں سے دور رہیں۔ انھوں نے انھیں متنبہ کیا تھا کہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ مہا پالک اریک شا چاہتے بھی تھے کہ اپنی ان بری عادتوں سے نجات حاصل کریں اور ان چیزوں سے دور رہیں جو ان کی جان کے لیے خطرہ بن چکی تھیں۔ لیکن لاکھ کوشش کے باوجود نہ تو وہ شراب چھوڑ پائے تھے اور نہ ہی عورتوں کے ساتھ شب باشی کی اپنی بری عادت کو ترک کر سکے تھے۔ نتیجے کے طور پر ان کی بیماری رفتہ رفتہ بڑھتی چلی جا رہی تھی اور اب یہ عالم تھا کہ اس کی وجہ سے ان کا روز مرہ کا کام بھی متاثر ہونے لگا تھا۔

ان سب کے باوجود انھوں نے اپنے دوست اوریش مہاجن کے قتل کے سلسلے میں ذاتی دلچسپی لی تھی اور یہ معمہ اب تقریباً حل ہو چکا تھا۔ قتل کے اسباب اور اس کے مقاصد کی وضاحت ہو چکی تھی اور اب باقاعدہ طور پر قاتل کی تلاش کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ انھیں ایسے شواہد ملے تھے کہ اوریش کا قاتل اب اس خطہ زمین میں نہیں ہے اور امکان ہے کہ وہ فرار ہو کر مغرب کے کسی شہر میں پناہ لے چکا ہو۔ اس کے باوجود تفتیش کا کام ہنوز جاری تھا۔ لوتھل پالک اریک شا کو یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی کہ خود اوریش مہاجن بھی غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث رہتا تھا۔ اس کی جملہ کاروباری سرگرمیاں بھی مشکوک تھیں۔ لوتھل میں اِس بار اس کا آنا بھی ایسے ہی کسی ناجائز کاروباری مقصد کے تحت تھا۔ وہ کسی بردہ فروش سے کسی لڑکی کا سودا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ان کے بلانے پر وہ شخص فروخت کے لیے جس لڑکی کو لے کر آیا تھا وہ اتفاق سے خود اس کی کھوئی ہوئی بیوی نکلی تھی، جسے دیکھ کر اوریش آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اسی بات کو لے کر دونوں میں تو تو

میں میں ہوئی اور اس کے بعد اس نامعلوم بردہ فروش نے اپنی رقم ڈوبتے دیکھ کر اوریش مہاجن کا قتل کر دیا۔

لیکن اس معاملے کے علاوہ بھی لوتھل بندر میں بہت کچھ ہو رہا تھا۔ نگر میں چاروں طرف بدامنی کا ماحول تھا۔ شہر کے انتظامی امور میں نگر پالک کی گرفت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ اوریش مہاجن کا قتل تو محض ایک شروعات تھی۔ اس کے بعد تو جیسے قانون کی طرف سے لوگوں کا خوف ہی ختم ہو گیا تھا۔ آئے دن کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا تھا کہ یہاں کے شہری دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ کبھی کسی کا قتل ہو جاتا، کبھی کسی کا مال لوٹ لیا جاتا تھا، کبھی کسی عورت کا اغوا کر لیا جاتا تھا، کبھی کسی کے گھر میں آگ لگا دی جاتی، گھر میں چوریاں تو بالکل عام سی بات ہو گئی تھی۔ کبھی لوگ بات بے بات آپس میں ہی بھڑ کر ایک دوسری کی جان کے پیاسے بن جاتے اور سب سے بری بات یہ تھی کہ جرائم اور مختلف سازشوں میں ملوث یہ لوگ قانون کی گرفت میں بہت کم آپاتے تھے۔ شہر کے لوگ اسے نگر پالک کی نااہلی سے تعبیر کرتے تھے تو کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ اس کے پیچھے نوواردودیشیوں کی سازش ہے۔

(چار)

''ہانیش، میرے سوامی، آج کل تمھارے پاس میرے لیے بالکل سمے نہیں ہوتا''۔ کاویا نے ایک دن ہانیش سے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں پریے، ایسی بات نہیں ہے''۔ اس نے پیار سے کہا۔ ''ان دنوں کام کچھ زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں دھرم رکشک دھرما سیٹھی کا وفادار کاریہ کرتا ہوں۔ میرا پریاس ہوتا ہے کہ ویاپار میں انھیں زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو۔ اس کے لیے میں رات دن محنت کرتا ہوں''۔ ہانیش نے اس سے کہا۔ ''اور تم تو جانتی ہی ہو دھرما سیٹھی مجھ سے کتنا پرسن رہتے ہیں۔ وہ اپنے کسی آدمی پر اتنا بھروسا نہیں کرتے جتنا مجھ پر کرتے ہیں''۔

''پرنتو میری اپنی کچھ پریشانیاں ہیں، جن پر تمھیں دھیان دینا چاہیے''۔ کاویا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔ ''یہ جو دھرما سیٹھی کا بڑا بیٹا اجات بل ہے نا، وہ مجھ پر بری درشٹی رکھتا ہے۔

ابھی تک اس نے مجھ سے کچھ کہا تو نہیں ہے لیکن مجھے اس کا ویوہار اچھا نہیں لگتا"۔

"نہیں، نہیں پریے، یہ تمھارا بھرم ہوگا۔ میں اجات بل کو بھلی بھانتی جانتا ہوں"۔ ہانیش نے شاید یہ سوچتے ہوئے کہا کہ اگر وہ اس معاملے میں پڑا تو اس میں دھرما سیٹھی کی ناراضگی کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ "وہ بہت اچھا لڑکا ہے اور اب تو اپنے باپ کے کام کاج میں ہاتھ بھی بٹانے لگا ہے۔ میں نے اسے ویرتھ کاموں میں الجھتے کبھی نہیں دیکھا"۔

"تم بالکل اندھے ہو ہانیش"۔ کاویا چڑچڑاتے ہوئے غصے میں بولی۔ "تم کو تو کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا"۔

"اچھا اچھا، میں دیکھتا ہوں، یدی کوئی ایسی بات ہوئی تو میں اس سے بات کروں گا"۔ ہانیش نے جیسے معاملے کو ٹالنے کی غرض سے کہا۔

"وہ نہیں سمجھے گا"۔ کاویا نے کہا۔ "پاگل ہو رہا ہے وہ میرے لیے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ دھرما سیٹھی کو چھوڑ کر اب سویم اپنا کاروبار شروع کرو۔ کیا یہ اسمبھو ہے"؟ اس نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "اب تو تمھارے پاس پریاپت انوبھو بھی ہے اور ہم نے آوشیک دھن سنگرہ بھی کرلیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم چاہیں تو اب اپنا سویم کا ویاپار آرمبھ کرسکتے ہیں"۔

"پرنتو کیوں؟ ۔۔۔ تم بھی کیا بات کرتی ہو کاویا، بھلا اس طرح کوئی اپنے مالک کو منجدھار میں چھوڑ کر اپنا کاروبار آرمبھ کرسکتا ہے۔ ان کی کرپا درشٹی ہم پر بنی رہے یہی پریاپت ہے۔ میں ایسا نہیں سوچ سکتا۔ پھر ویاپار کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے اسیمت دھن کی آوشیکتا ہوتی ہے"۔ ہانیش نے اس کی بات کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم کو تو دھرما سیٹھی میں کوئی بری بات دکھائی ہی نہیں دیتی، میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ دھیرے دھیرے تمھارے لیے دیوتا سمان ہوگیا ہے"۔ کاویا نے ہانیش کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "تمھیں یہ نہیں دکھائی دیتا کہ تمھارے پریشرم سے وہ کتنا دھن وان ہوگیا ہے۔ اور تم کو دیتا ہے دو چھوٹی کوڑی۔ تم آج بھی وہیں کے وہیں ہو۔ اپنی ہر آوشیکتا پر جب تب مالک کا منہ دیکھتے رہنے والے۔ ان کے آگے ہاتھ پھیلانے والے۔ یدی تم اپنا کام آرمبھ کرو تو تمھاری کمائی کا یہ دھن پورا کا پورا ہمارا ہوسکتا ہے۔ بنا کسی کے ساجھے کے اور ہم اپنا جیون دھرما سیٹھی ہی کی طرح سکھ سمردھی اور شانتی سے بتا سکتے ہیں"۔

''تمہارے پاس بدھی کی کمی ہے پگلی''۔ ہانیش نے پیار بھرے غصے سے کہا۔''یہ سمجھو نہیں ہے''۔

یہ سن کر کاویا نے جیسے روٹھتے ہوئے دوسرے طرف منھ پھیر لیا اور تیز تیز قدموں سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

ہانیش اور کاویا کی شادی ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔لیکن ابھی تک انھیں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور اس کے لیے وہ دونوں فکر مند بھی رہتے تھے۔انھوں نے معالجوں کے مشورے سے کئی طرح کی جڑی بوٹیاں استعمال کی تھیں،کئی سنتوں اور رشیوں سے ملاقات کر کے ان کا آشیرواد بھی لیا تھا لیکن ابھی تک ان کی یہ مراد پوری نہیں ہو سکی تھی۔البتہ ایک بھوشیہ درشتا نے انھیں وشواس دلایا تھا کہ ان کے بھاگیہ میں اولاد کا سکھ ہے۔

کاویا سندر تھی۔اس پر کسی کا موہت ہو جانا کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔دھرما سیٹھی کے بیٹے اجات۔بل کی اس پر نظر تھی۔وہ ہانیش کو پسند نہیں کرتا تھا،کیونکہ کاویا کو پانے کے راستے کی وہ سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ہانیش اس کے اور کاویا کے راستے سے ہٹ جائے تو وہ کاویا کو آسانی سے اپنے گھر لا کر اسے اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں تھا،جتنا اس کا ناتجربہ کار من سمجھ رہا تھا۔ہانیش اس کے پتا کا وشواس پاتر سیوک تھا۔اس کے پتا اس پر بہت بھروسا بھی کرتے تھے۔اس کے کہنے سے وہ اسے کام سے نکال نہیں سکتے تھے،یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

اس نے اپنے دوستوں سے بھی اس بارے میں بات چیت کی تھی۔ایک دوست نے کہا تھا کہ ہانیش اس طرح تو کاویا کو چھوڑنے سے رہا۔میری اس بات پر وشواس کرو کہ ہانیش پورش سے خالی ہے،اسی لیے وہ ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں کر سکا۔اگر کسی طرح کاویا کو اس بات کا وشواس دلا دیا جائے کہ ہانیش بچہ پیدا کرنے کی چھمتا نہیں رکھتا ہے اور اپنے ساتھ وہ تمھیں بھی نرک کا بھاگی دار بنا رہا ہے تو شاید وہ اس کی اور آکرشت ہو جائے۔ایک اور دوست نے دوسرا راستہ یہ بھی سجھایا تھا کہ اگر وہ چاہے تو ہم سب لوگ مل کر اس کی جیون لیلا ہی سماپت کر دیتے ہیں۔اس کام میں کسی طرح کی کوئی کٹھنائی نہیں آئے گی۔نگر میں اس وقت جس طرح کے حالات ہیں،اس میں لوگ ہم پر شک بھی نہیں کریں گے۔سانپ بھی مر جائے گا

اور لاٹھی بھی سلامت رہے گی لیکن اجات بل کاویا کو پانے کے لیے کسی طرح کا کوئی اپرادھ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ البتہ اسے اپنے اس دوست کی بات میں دم دکھائی دیا جس نے کاویا کو یہ بتانے کا مشورہ دیا تھا کہ ہانیش پُورُش وہین ہے۔ اس نے طے کیا کہ اب کی بار جب ہانیش کام کے سلسلے میں دوسرے گاؤں کی طرف جائے گا تو وہ اکیلے میں کاویا سے بات کر کے اسے اس بات کا وشواس دلانے کا پریاس کرے گا۔

اتفاق سے جلد ہی اسے یہ موقع مل گیا تھا۔ ہانیش کو اس کے پتا نے کسی دور دراز گاؤں کے کسانوں سے غلہ جمع کرنے کے لیے بھیج دیا تھا اور اب وہ کم سے کم ایک سپتاہ تک واپس آنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اسی دن شام کے دھندلکے میں وہ چھپتے چھپاتے کاویا کے گھر میں داخل ہو گیا۔ وہ اس سمے گائے کا دودھ بلو کر مکھن نکالنے میں مصروف تھی۔ پہلے تو وہ چھپ کر اس کے ہلتے ڈُلتے انگوں کو نہارتا رہا، یہ سب دیکھ کر اسے بہت مزہ آ رہا تھا۔ اچانک وہ اس کے سامنے آ گیا اور بولا۔" کاویا، میں تم سے کچھ آوشیک وارتا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا سمبندھ میرے جیون سے بھی ہے اور تمھارے جیون سے بھی"۔

کاویا اُسے اس طرح بغیر اجازت کے اپنے گھر کے اندر دیکھ کر حیران تھی۔ وہ غصے میں کھول گئی۔" ارے تم پوچھے بنا بھیتر کیسے آ گئے۔ باہر نکلو نہیں تو میں شور مچا دوں گی"۔ کاویا نے کچھ ڈرتے ہوئے اور غصے سے کانپتے ہوئے اس سے کہا۔

" دیکھو، تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میں کوئی الٹا سیدھا کام کرنے نہیں آیا ہوں یہاں، میں تمھارے ہی بھلے کے لیے تم سے کیول کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔ اجات بل نے اس کی اونچی آواز سے کچھ گھبراتے ہوئے کہا۔

" مجھے تمھاری کوئی بات نہیں سننا۔ تم ترنت یہاں سے باہر نکلو"۔ کاویا اب بھی گرج رہی تھی اور اجات بل کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔ اسے لگا کہ گھر کے باہر کوئی آتا جاتا شخص کہیں کاویا کی آواز سن کر گھر کے اندر نہ آ جائے۔ شیرنی کی طرح بپھرتی ہوئی کاویا اس سے بولی۔" پہلے تم میرے گھر سے باہر نکل جاو، اس کے بعد میں باہر چبوترے پر ہی تم سے کوئی بات کر سکتی ہوں"۔ کاویا اس بات سے ڈر رہی تھی کہ اسے اکیلا دیکھ کر کہیں یہ کوئی دھرشٹتا نہ کر بیٹھے۔ وہ جانتی تھی کہ باہر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے، اس لیے اجات بل وہاں اس کے ساتھ کسی طرح کی زور

زبردستی نہیں کر سکے گا۔

اجات بل مجبور ہو کر کاویا کے گھر سے باہر نکل گیا۔ کاویا بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آئی۔ لیکن وہ چبوترے کے پاس نہیں رکا۔ کاویا نے سوچا کہ شاید جو بات وہ کرنے والا تھا وہ کھلے عام کرنے میں اسے ڈر لگ رہا ہے۔ کاویا نادان نہیں تھی کہ اس کی بات سمجھ نہ سکے۔ دھرما سیٹھی کا گھر قریب ہی تھا اور اجات بل سیدھا اپنے گھر کے اندر چلا گیا تھا۔ کاویا نے، جو دروازے تک اس کے ساتھ ساتھ آئی تھی، اسے اپنے گھر کے اندر جاتے دیکھ کر اطمینان کی سانس لی اور اپنے گھر آ کر اپنا ادھورا کام پورا کرنے میں مصروف ہو گئی۔

کام کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ اجات بل ابھی تو چلا گیا ہے لیکن وہ پھر ایسی حماقت کر سکتا ہے۔ اسے اپنے شوہر ہانیش پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ اس کی بات پر یقین کرنے کو ہی تیار نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ موقع اچھا ہے۔ اسے دھرما سیٹھی کی گدی پر جا کر خود ہی اجات بل کی کرتوتوں کے بارے میں بتا دینا چاہیے۔ اسے لگا کہ اندھیرا بڑھ رہا ہے اور دھرما سیٹھی کے گھر آنے کا وقت بھی قریب ہے، اس لیے اسے جلد سے جلد اس کی گدی پر پہنچ جانا چاہیے کیونکہ گھر جا کر اس سے اس طرح کی بات کرنا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

کاویا کی باتیں سن کر دھرما سیٹھی غصے میں کھولنے لگا۔ اسے اس کی ایک ایک بات پر یقین آ گیا تھا۔ ایسا لگا کہ اگر اس وقت اجات بل سامنے ہوتا تو وہ اسے کچا چبا جاتا۔ وہ مزاجاً ایک شریف انسان تھا۔ دور دور تک اس کی شہرت ایک ایماندار تاجر کی حیثیت سے تھی۔ ہانیش اس کا معتبر اور خاص آدمی تھا، جس کی وجہ سے اس کی تجارت میں غیر معمولی ترقی ہوئی تھی۔ اس کے بیٹے کا اس طرح اس کے بھروسے کے آدمی کی بیوی پر بری نظر ڈالنا نہ اس کی عزت کے حق میں تھا نہ اس کے کاروبار کے حق میں۔ وہ اپنے بیٹے کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی صحبت اچھے لوگوں کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتا تھا۔ وہ اس کے کاموں سے پریشان رہتا تھا۔ لیکن ادھر کچھ عرصے سے وہ اس کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگا تھا تو اسے وشواس ہونے لگا تھا کہ جلد ہی وہ سدھر جائے گا۔ لیکن اب تو وہ اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اس نے کاویا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا ہوا بیٹی تم نے یہ بات مجھے بتا دی“۔ وہ بہت شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”تم آرام سے گھر جاؤ۔ میں اسے

سمجھا دوں گا۔ وشواس کرو کہ وہ اب کبھی تم کو پریشان نہیں کرے گا"۔

"دھنیہ واد" ۔ کہتے ہوئے کاویا واپس اپنے گھر کی جانب روانہ ہوگئی۔

دھرما سیٹھی سوچ رہا تھا کہ اب ہانیش کا یہاں اُس کے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہوگا۔ یہ اس کی زندگی کے لیے خطرناک ہوسکتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا لڑکا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسے نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس بھلے آدمی کے ساتھ کچھ برا ہو۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ اب اسے منافعے کی لالچ ایک طرف رکھ کر اتنے دنوں تک پوری وفاداری اور جاں فشانی کے ساتھ کام کرنے والے ہانیش کی زندگی بچانے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے کسی دوسری جگہ جا کر اپنا خود کا کاروبار کرنے کا مشورہ دے گا اور اس کام میں اس کی پوری مدد بھی کرے گا۔

(پانچ)

انوبیس اور لاپیس دونوں بھائیوں کو لوتھل بندر میں مقررہ وقت سے کافی زیادہ قیام کرنا پڑا تھا۔ ان کے مقامی ساتھی اوریش مہاجن کے قتل کے بعد ان کی مشکلیں بڑھ گئی تھیں۔ لوتھل کے مہا کرتا نے تفتیش کے بہانے انھیں کافی پریشان کیا تھا۔ وہ ان سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اوریش مہاجن سے ملنے کے لیے کون آیا تھا۔ لیکن وہ تو اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے کہ وہ ایک بااثر اور صاحب ثروت تاجر ہے اور دل من کا رہنے والا ہے۔ ان کی اس سے قربت کا سبب مقامی طور پر اس کے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ ویروں کے سوالوں کا معقول جواب نہیں دے پائے تھے اور نتیجے کے طور پر انھیں کافی وقت حراست میں رہنا پڑا تھا۔ دوران حراست ان کا سارا تجارتی ساز و سامان لوتھل پالک کی تحویل میں رہا اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ رہائی کے بعد انھیں یہ سارا سامان واپس مل گیا تھا۔

اُس وقت پورا شہر ہی بدامنی کا شکار تھا۔ حالانکہ لوتھل بندر وہ پہلی بار آئے تھے اور اوریش مہاجن کے مشورے سے آئے تھے لیکن انھیں آس پاس کے مشرقی علاقوں میں کاروبار کرتے ہوئے ایک طویل عرصہ ہوچکا تھا۔ ایسے دگرگوں حالات انھوں نے یہاں کبھی نہیں دیکھے

تھے۔سامان واپس مل جانے کے بعد بھی ان کا ایک بڑا مسئلہ اس کی فروخت اور مقامی مصنوعات کی خرید کا تھا۔تجارت کے لیے یہاں کے حالات بالکل سازگار نہیں رہ گئے تھے۔دل من کا وہ تاجر جو یہاں ان کی رہنمائی کر سکتا تھا،قتل کیا جا چکا تھا۔ایسے حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ تمام تجارتی ساز وسامان جو وہ مصر سے لے کر چلے تھے،کافی عرصے تک جوں کا توں گودام میں رکھا رہا اور انھیں اس کے لیے کوئی معقول گاہک نہیں مل پایا۔مجبور ہو کر انھوں نے وہاں کے ایک تاجر سے بات چیت کر کے سارا سامان اونے پونے اس کے حوالے کیا اور واپس مصر کے لیے روانہ ہو گئے۔

مصر پہنچنے کے بعد انوبیس اور لاپیس کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔اس بار کے مشرق کے سفر میں انھیں جو خسارہ ہوا تھا،اس کو پورا کرنے میں وہ اپنے گذشتہ جمع پونجی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ان کی ایک بڑی رقم اپنی گلو خلاصی کے لیے لوتھل کے ویروں کو رشوت دینے میں بھی خرچ ہوئی تھی۔انھیں ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ آئندہ تجارت نہیں کر پائیں گے۔اس پر مستزاد یہ کہ یہاں قاہرہ میں جیسے جیسے لوگوں کو اطلاع ہو رہی تھی کہ دل من اس طرح تباہ و برباد ہو چکا ہے کہ اس کے دوبارہ بسنے کی کوئی امید نہیں ہے تو بازار میں ان کی اور ان جیسے ان تمام تاجروں کی، جو دل من جا کر تجارت کیا کرتے تھے،ساکھ کم ہو گئی تھی اور کوئی بھی ان کے اشتراک سے تجارت کرنے میں جھجک محسوس کرنے لگا تھا۔انھوں نے ان لوگوں کو یہ کہہ کر لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اب مشرق کے دوسرے خطوں میں اپنے تجارتی تعلقات استوار کر رہے ہیں لیکن لوگ ان پر بھروسا نہیں کر رہے تھے اور روز بروز ان کی مالی حالت دگرگوں ہوتی چلی جا رہی تھی۔

مصر ان دنوں آمن ہوتپ چہارم کے زیر اقتدار تھا۔اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنا یہ خاندانی خطاب تبدیل کر کے خود کو اخناتن کہلانا شروع کر دیا تھا اور اب ساری مملکت میں اسے اسی نام سے جانا جاتا تھا۔مصر کی معیشت کی شہ رگ کہے جانے والے دریائے نیل میں گذشتہ برس آئے سیلاب اور پھر اس سے پیدا شدہ بیماریوں کے وبائی شکل اختیار کر لینے کی وجہ سے ساری مملکت میں کافی تباہی ہوئی تھی۔لوگوں کی اکثریت اپنا اثاثہ کھو چکی تھی۔بھوکے ننگے لوگوں کو اخناتن کے شاہی ذخیرے سے اشیائے خورونوش فراہم کی جا رہی تھیں لیکن یہ فلاحی

اقدامات ناکافی ثابت ہو رہے تھا۔ مصر کی معیشت خطرے میں تھی اور نئے حکمراں کے لیے اسے برقرار رکھنا اس کی اولین ترجیحات میں سے تھا۔ اس نے تمام تعمیری کام رکوا دیے تھے۔ یہاں تک کہ اس اہرام کا کام بھی روک دیا گیا تھا جو وہ اپنے مدفن کے طور پر استعمال کیے جانے کے لیے تعمیر کروا رہا تھا۔ اس سے مصر کی معیشت کو سنبھالنے میں تو تھوڑی بہت مدد ملی لیکن اس کا برا نتیجہ یہ نکلا کہ وسیع پیمانے پر عوام کی بے روزگاری میں اضافہ ہوا۔ بے روزگاروں کی باز آبادکاری اخناتن کے لیے ایک اور مسئلہ بن چکی تھی۔ غلاموں کی ایک بڑی تعداد اس سیلاب کی نذر ہو گئی تھی جس سے مختلف قسم کا کام کرنے والے محنت کشوں کی قلت ہو گئی تھی۔

ظاہر ہے ان حالات میں تجارت پیشہ لوگوں کے لیے بھی دشواریاں پیدا ہوئی تھیں۔ انوبیس اور لاپیس دونوں بھائی بھی پریشان تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ اس وقت اُل بابلون میں امن و امان ہے۔ اگر وہ وہاں جا کر اپنی قسمت آزمائیں تو کوئی راہ نجات ضرور ممکن ہو سکے گی۔ اس خیال پر باہم مشورہ کرنے کے بعد انھوں نے رخت سفر باندھا، ایک بادبانی کشتی خریدی اور اُل بابلون کے شہر لارسا کے لیے روانہ ہو گئے۔

الوداع اَل بابلون

(ایک)

اَل بابلون[1] میں سوناری کو زورمی بنے ہوئے بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس کا بیٹا تاماس اب جوان تھا اور خود وہ بھی اس عمر کو پہنچ چکی تھی جب معبد کی جانب سے عاید جنسی اور دیگر خدمات معطل کر دی جاتی ہیں۔ اس کے لیے اب وصل خانوں کے دروازے مستقل طور پر بند کر دیے گئے تھے۔ اب وہ عام طور پر دن رات تنہا ہی رہتی تھی اور ہمیشہ محفلوں کی زینت بنی رہنے والی اس عورت کو یہ تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ اسے بری طرح اکتاہٹ ستانے لگی تھی۔ معبد کے اکلوتے ان لِبَل کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہونے کی وجہ سے حالانکہ معبد کی ملکیت میں رہنے والی دوسری عورتیں اب بھی اس کا احترام کرتی تھیں اور وقت ملنے پر اس سے ملاقات کر کے خوش بھی ہوتی تھیں لیکن خود اسے ان سے مل کر اب خوشی کے بجائے حسد ہوتا تھا کہ وہ اب بھی جنسی اعتبار سے متحرک تھیں۔ اسے اس شہر میں گذرا ہوا اپنا شاندار ماضی یاد آتا رہتا تھا۔ ابھی کچھ ہفتے پہلے تک کم از کم یہ تو ہوتا تھا کہ وقفے وقفے سے کوئی مرد اس کی خلوت گاہ کا شریک ہو جاتا تھا۔ اس مختصر سی جلوت سے وہ خود بھی خوشی کشید کر لیتی اور پوری کوشش کرتی کہ اس کے ساتھی کو بھی مایوسی نہ ہو۔ اور یہ کھیل سست رفتار ہی سے سہی، بہرحال جاری تھا۔ لیکن اب اس کی عمر چالیس برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور معبد کے اصول وضوابط

---

[1] ۔ بابلی زبان میں اَل سے مراد شہر ہے۔ اسم 'بابلون' بابل کی تصوراتی شکل ہے۔ یہاں اَل بابلون سے مراد شہر بابل ہے۔

کے مطابق وہ جنسی اعتبار سے لوگوں کی خلوت میں جانے کے لیے نااہل قرار دی جا چکی تھی۔ اس کاروبار سے معبد کو اپنی ہونے والی آمدنی سے غرض تھی۔ انفرادی طور پر خود اس عورت پر کیا بیت رہی ہے، اس سے اسے کوئی مطلب نہیں تھا۔

اس کا بیٹا این لل تام اب اس کے قد کے برابر آ گیا تھا۔ معبد کی سرپرستی میں اسے اعلیٰ درجے کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی اپنی تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ بچپن ہی سے اسے فوجی تربیت بھی دی گئی تھی اور مختلف علوم و فنون کا درس بھی۔ مسلسل ورزش نے اس کے جسم کو لوہے جیسا مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کی بہادری اور بے خوفی کے سبب دشمن اس سے کانپتے تھے۔

معبد سے اس کی بے پناہ عقیدت اور اس کی شجاعت کی شہرت پٹیسی حموربی تک بھی پہنچ گئی تھی۔ انھوں نے اپنے وزیر سے کہا تھا کہ وہ احترام کے ساتھ ان اہل کو دربار میں لے آئے۔ ملاقات ہونے پر اس نے اس سے مختلف موضوعات پر طویل گفتگو کی۔ وہ اس سے متاثر بھی ہوا تھا۔ اس کا عملی اظہار اس نے اس طرح کیا تھا کہ فوری طور پر اسے پہلے تو اپنے نوساختہ کسانوں کے دستے کا سالار مقرر کیا، جہاں رہتے ہوئے اس نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے متعدد کارہائے نمایاں انجام دیے۔ پھر اس کی مسلسل فتوحات اور اس کے باعث ملنے والی عزت اور ناموری کو مدنظر رکھتے ہوئے روز بروز اس کے مراتب میں اضافہ ہوتا رہا۔ پٹیسی حموربی اس سے بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

اس نے اپنی کارکردگی سے اپنے آپ کو کسی بھی بڑی فوج کی سپہ سالاری کا اہل ثابت کر دیا تھا اور مہاپروہت پٹیسی حموربی بھی اس سے بے خبر نہیں تھے۔ چنانچہ جلد ہی وہ دن بھی آیا جب حموربی نے بڑی خوشی اور پورے اعتماد کے ساتھ اسے اپنی فوج کی کمان سونپ دی۔ اس کی اتنی تیز رفتار ترقی دیکھ کر پٹیسی کے دربار میں اس کے کئی مخالف پیدا ہو گئے تھے، جو اس کی بہادری، وفاداری، بے خوفی، جاں فشانی اور ایمان داری سے خائف رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی کوئی کمی یا کمزوری انھیں معلوم ہو جائے تو وہ پٹیسی سے اس کی شکایت کر کے اسے اس کے عہدے سے معزول کر دینے کی سفارش کریں۔ چونکہ وہ ان اہل تھا، اس لیے ایسے تمام لوگ اس معاملے میں نہایت احتیاط سے کام لے رہے تھے۔

یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ حموربی کے زندہ رہتے کبھی ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ حموربی

کی عمر ابھی بیالیس برس کی ہی تھی کہ اسے ایک موذی مرض نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس کے سینے میں مسلسل درد رہنے لگا تھا اور وقفے وقفے سے اس پر بیہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی قوت ہاضمہ نے کام کرنا بالکل ہی بند کر دیا تھا اور وہ کچھ کھا پی نہیں پاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کا جسم ناکارہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے علاج کے لیے دور دور سے بلا کر بہترین معالجین کی خدمات حاصل کی گئیں لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔

اس کی بیماری کی خبر جیسے جیسے لوگوں میں پہنچ رہی تھی، اس کے دشمن اپنے اپنے شہروں میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے لگے تھے۔ حمور بی کو جب یہ خبریں موصول ہوئیں تو اس نے سپہ سالار تاماس کو طلب کر کے اسے ان کی سرکوبی کا حکم دیا۔ تاماس نے سر جھکا کر اس کے حکم کی تعمیل کا عہد کیا اور فوراً ہی یکے بعد دیگرے اس نے کئی شہروں میں اس بغاوت کو فرو کرنے میں کامیابی بھی حاصل کی۔ ابھی وہ دور دراز کے ایک شہر اشنونا میں دشمنوں کی سرکوبی میں مصروف تھا کہ اسے حمور بی کے انتقال کی خبر ملی۔

اس کا جانشین سیدر گیشار ان درباریوں کے اثر میں تھا، جو تاماس کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ حمور بی کی بیماری کے دوران وہ انھیں درباریوں کے ساتھ مل کر جلد از جلد پتیسی کے عہدے کو حاصل کرنے کے لیے سازشیں بھی کرتا رہتا تھا۔ حمور بی کے مرتے ہی اس کی مراد پوری ہو گئی تھی، اب وہ چاہتا تھا کہ اپنے تمام مخالفین کو اپنی قربت سے ہٹا دے۔ ان میں تاماس کا نام سرفہرست تھا، کہ وہ ان میں سب سے زیادہ بااثر اور طاقت ور تھا اور کبھی بھی اس کے لیے خطرہ بن سکتا تھا، اس لیے اسے کسی بھی صورت اس سے گلو خلاصی کرنی تھی۔

نئے پتیسی سیدر گیشار نے تخت نشینی کی رسوم کی تکمیل کے فوراً بعد پہلا حکم یہ جاری کیا کہ 'این لل تام جو تاماس کے نام سے معروف ہے، جہاں کہیں بھی ہو، اسے دربار میں حاضری کا حکم دیا جاتا ہے۔' مجبوراً تاماس نے اپنی مہم کو ادھورا چھوڑ کر پایہ تخت کی جانب کوچ کیا۔ راستے میں ایک شاہی فوجی دستے نے اس کا راستہ روک کر اسے قتل کرنے کی کوشش بھی کی لیکن تاماس کی ذہانت اور قوت فیصلہ نے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے خبردار کیا کہ وہ پایہ تخت کی طرف جانے کے بجائے کہیں روپوش ہو جائے، کیونکہ نیا حکمراں سیدر گیشار کسی نہ کسی بہانے سے اس کے قتل کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ لیکن تاماس کو یہ بزدلانہ

مشورہ پسند نہیں آیا اور وہ اپنی فوج کے ساتھ پایہ تخت پہنچ گیا۔

ابھی وہ پایہ تخت کی سرحد پر ہی پہنچا تھا کہ اسے پتیسی سیدر گیشار کا دوسرا پیغام موصول ہوا۔ پیغام رساں نے بتایا کہ پتیسی کا حکم ہے کہ سپاہ کے سالار اعظم شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اُن کے سامنے حاضر ہوں۔ تاماس کو آثار کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے، لیکن اس نے حکم کی تعمیل کی۔ دربار کے سارے لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ تاماس ان اپل ہے اور کسی بھی صورت میں اُسے اس کے عہدے سے معزول نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات سے پتیسی سیدر گیشار بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے اس سلسلے میں اپنے مشیروں کے ساتھ ساتھ معبد کے پجاریوں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے کہا کہ وہ تاماس سے نجات کا کوئی راستہ تلاش کریں۔ معبد کا تجربہ کار سربراہ مہاپروہت اور پتیسی کی اہمیت کو سمجھتا تھا۔ اسے ہر حال میں خوش رکھنا معبد کی فلاح اور بقا کے لیے بیحد ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے معبد کا ایک راز، جس سے تاماس کو آسانی سے نکالا جا سکتا تھا، فاش کر دیا اور اس کے لیے جو طریقہ کار اس نے تجویز کیا، اس کے عمل درآمد میں کسی قسم کی مزاحمت کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔

تاماس دربار میں آیا اور اپنی اسی شان وشوکت کے ساتھ بے خوفی کے ساتھ آیا، جس کی اس سے توقع کی جاتی تھی۔ اس کے چہرے پر بشاشت تھی اور خوف کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ وہ دربار میں داخل ہوتا تو وہاں سکوت طاری ہو گیا۔ اس نے سرخم کر کے نہایت خوش مزاجی کے ساتھ مہاپروہت پتیسی سیدر گیشار کو سلام کیا اور اپنی متعینہ جگہ پر بیٹھ گیا۔

تاماس کے اپنی نشست سنبھالتے ہی بھرے دربار میں اس پر الزامات کی بوچھار کر دی گئی۔ پتیسی نے دیگر پروہتوں کے ساتھ مل کر یہ ثابت کیا کہ تاماس دراصل ان اپل ہے ہی نہیں۔ اس نے اس بات کو بار بار دہرایا کہ اسے ان اپل بنانے میں معبد سے زبردست چوک ہوئی تھی اور دانستہ یا نادانستہ معبد کے دیرینہ ضوابط کی خلاف ورزی ہو گئی تھی۔ اب اس کی تلافی کی جاتی ہے اور تاماس کو ان اپل کے ساتھ ساتھ اس کے تمام عہدوں سے معزول کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے، خبردار کیا جاتا ہے کہ آج کے بعد وہ اپنے مقدس نام این لل تام کا استعمال کبھی نہیں کر سکے گا۔ اس فیصلے پر تاماس کسی قسم کا ردعمل ظاہر کرے، اس سے پہلے ہی پتیسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ تاماس کسی ایسے شخص کی اولاد ہے، جس کا تعلق اَل بابلون میں

موجود کسی نسل سے نہیں ہے۔ اس کا باپ کوئی مشرقی انسان ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ تیس دنوں کے اندر اپنے افراد خانہ اور مال و اسباب کے ساتھ ال بابلون کی حدود سے باہر چلا جائے۔ اگر مقررہ وقت تک وہ ایسا نہ کر پایا تو آج سے ٹھیک اکتیسویں دن اس کا تمام مال و اسباب بحق اقتدارِ بیتیسی ضبط کرتے ہوئے اسے اور اس کی ماں کو سزائے موت دے دی جائے گی۔

(دو)

''کیا میں آپ کا تعارف حاصل کر سکتا ہوں، نوجوان''؟ انوبیس نے ال بابلون کے ساحل پر اتر کر ایک معزز دکھائی دینے والے نوجوان کو دیکھ کر اس سے پوچھا۔

تاماس نے اس اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تاماس ہوں، بتائیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں''؟ تاماس نے اپنی گردن قدرے خم کرتے ہوئے کہا۔ ''میں یہاں کی فوج کا سپہ سالار تھا لیکن اب میں ال بابلون چھوڑ کر دھول دیپ جانے کی تیاری میں ہوں''۔

''میں آپ کو مشرق کی طرف جانے کا مشورہ نہیں دوں گا، نوجوان۔ اس وقت وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ چاروں طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے''۔ انوبیس کے بھائی لابیس نے ان دونوں کے درمیان مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم ابھی کچھ مہینے پہلے ہی تجارت کی غرض سے لوتھل بندر گئے تھے۔ دل من کے تباہ ہو جانے کی خبر ہمیں راستے میں ملی تھی اور ہم واپسی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ لیکن ہمارے ساتھ سفر کر رہے دل من کے تاجر اوریش مہاجن نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہمیں دل من کے بجائے لوتھل چلنا چاہیے اور ہم نے اس کی بات مان لی۔ وہاں کے لوگوں نے نہ صرف ہمیں جی بھر کر لوٹا، بلکہ ہمارے قیام کے دوران ہی وہاں اوریش مہاجن کو قتل کر دیا گیا''۔

''میری ماں اُسی خطے کی رہنے والی ہیں''۔ تاماس نے کہا۔ ''ان کی شدید خواہش ہے کہ ال بابلون چھوڑ دیں اور دھول دیپ میں جا کر رہیں۔

''جیسی تمھاری مرضی''۔ انھوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

تاماس سے بات چیت انھوں نے یہ سوچ کر شروع کی تھی کہ یہ کوئی مقامی بااثر شخص

معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے اس اجنبی شہر میں انھیں اس سے کوئی مدد مل جائے، لیکن ان کی یہ منشا بہر حال پوری نہیں ہو سکی تھی۔

(تین)

دھول دیپ میں کچھ عرصے سے غیر ملکی گھڑ سوار لٹیروں کی ریشہ دوانیاں بڑھ گئی تھی۔ مقامی لوگوں نے گھوڑے جیسے تیز رفتار اور چاق و چوبند جانور اس سے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ اس لیے اس کی رفتار دیکھ کر وہ ان سے خوف زدہ تھے۔ یہ کہیں دور دراز کے علاقوں سے اس خطے میں وارد ہوتے تھے۔ بنیادی طور پر یہ جنگ جو تھے۔ ان کی رنگت گوری، آنکھیں سبزی مائل، قد نکلتا ہوا، جسم مضبوط اور ناک نقش تیکھے تھے۔ ان کے پاس بے شمار پالتو جانور اور سینکڑوں گھوڑے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ اپنے جانوروں کے لیے چراگاہوں کی تلاش کرتے کرتے مغرب کے کوہ یورال کی ترائیوں سے ال بابلون اور فارس ہوتے ہوئے یہاں تک آ پہنچے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ راستے میں انھیں کوئی راستہ روکنے والا نہیں ملا تھا لیکن یہ جنگ جو تھے، موت سے بھی نہیں ڈرتے تھے اور جنگ کرتے ہوئے مر جانے کو عین سعادت سمجھتے تھے، اس لیے ان کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکا تھا۔ مقامی لوگوں کے مقابلے ان کی ثروت مندی اور خوش حالی کا سبب بھی ان کے یہی جانور تھے۔ ان کا قد و قامت اور جسم کے گٹھے ہوئے مضبوط اعضا مقامی لوگوں کے مقابلے میں زیادہ قوی تھے۔ دھول دیپ کے ناگرکوں نے انھیں اور ان جیسے لوگوں کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ مگر ان میں زیادہ تر تاجر ہوا کرتے تھے۔ یہ سمندر کے راستے سے آتے تھے اور اپنے کاروباری مفادات کی تکمیل کے بعد واپس چلے جایا کرتے تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں غیر ملکیوں کو خشکی کے راستے سے ان کے علاقے میں داخل ہوتے ہوئے وہ پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ دھول دیپ میں جب سے ان غیر ملکی گھڑ سواروں کی آمد ہوئی تھی یہاں کے امن و امان میں خلل پڑ گیا تھا۔ ان کی پر سکون زندگی اب ایک خواب ہو گئی تھی۔ ان کی مسلسل ریشہ دوانیوں سے رفتہ رفتہ سارے شہر کے حالات دگرگوں ہونے لگے تھے۔

یہ غیر ملکی مزاجاً سخت گیر سنگ دل اور ظالم تھے۔ شاید امن و آشتی کے ساتھ مہذب

معاشرے میں رہنے کی انھیں عادت ہی نہیں تھی۔ دوسروں کی جان لینا ہو یا اپنی جان دینا ہو، دونوں ہی صورتیں ان کے لیے بس ایک مشغلہ تھیں۔ اپنی طاقت کے زور پر یہ مقامی لوگوں سے ان کے گھر، ان کی نوجوان بیویاں بیٹیاں اور ان کے مال و اسباب چھین لیتے تھے اور انھیں غلام بنا کر ان سے زبردستی اپنی مرضی کا کام کرواتے تھے۔ ان کے کام کا کوئی معاوضہ ادا کرنا وہ کسر شان سمجھتے تھے۔

حالانکہ دھول دیپ کے ویروں کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت کم تھی لیکن یہ اپنے گھوڑوں اور عجیب و غریب ہتھیاروں سے کی مدد سے ان پر بھاری پڑ رہے تھے۔ تلواریں اور تیر کمان تو ان کے پاس بھی ویسے ہی تھے جیسی کہ دھول دیپ میں ہوتی تھیں لیکن ان کے پاس آری جیسے بیضوی چکّے تھے جو ان کے ہاتھ کے اشارے پر دور کھڑے کسی بھی شخص کی گردن کاٹ سکتے تھے۔ ان کے پاس دھماکہ کرنے والی کوئی ایسی شے بھی تھی جس سے بیک وقت کئی لوگ مارے جا سکتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے ان کا مقابلہ کرنا مقامی لوگوں کے لیے آسان نہیں تھا۔ کسی سے ناراض ہونے پر نہ یہ مقامی قوانین کا لحاظ کرتے تھے اور نہ نگر پالک اور اس کے ویروں سے انھیں کوئی خوف تھا۔ وہ اکثر کھلے عام لوگوں کو للکارتے بھی رہتے تھے۔ اپنے مقابلے میں آنے والے کسی بھی شخص کو یہ بے دریغ قتل کر دیتے تھے۔ سچ پوچھا جائے تو نگر پالک کے ویر بھی اب ان سے ڈرنے لگے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ان کا ان سے آمنا سامنا نہ ہونے پائے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ غیر ملکی اپنی من مانی کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہو گئے تھے اور کوئی ان کا راستہ روکنے والا نہیں رہ گیا تھا۔

بالآخر ناگروں کی اس پریشانی کی شکایت نگر پالک چارو دیوا تک پہنچی تو انھوں نے معاملے کی سنجیدگی کو مدنظر رکھتے ہوئے فوری طور پر اپنے تمام کرتاوں اور شہر کے معززین کی ایک بیٹھک طلب کی۔ مقررہ وقت پر سارے کرتاوں اور اعلیٰ عہدے داروں کے ساتھ یہاں معززین شہر کی بھی ایک قابل لحاظ تعداد موجود تھی۔ جن میں کچھ تاجر تھے اور کچھ دوسرے پیشوں سے متعلق لوگ۔

ان تمام لوگوں کے جمع ہو جانے کے بعد، جنھیں اس سبھا میں شامل ہونے کے لیے بلایا گیا تھا، نگر پالک چارو دیوا نے سبھا میں موجود لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جیسا کہ

آپ سب کو وِدِت ہے کہ ہمارے نگر میں ودیشیوں کا آتنک بہت بڑھ گیا ہے'۔

نگر پالک کی لرزتی آواز سے ان کے دل کا درد چھلک رہا تھا، جس سے پتہ چل رہا تھا کہ ان کے لیے یہ مسئلہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے آگے کہا۔ "ہمارے ناگرک ان آت تائیوں سے ترست ہیں۔ ان کی لوٹ مار سے کوئی بھی سرکشت نہیں رہ گیا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ویر بھی ان سے بھے بھیت رہتے ہیں۔ ہمیں گیات ہوا ہے کہ ان کے پاس ایسے ہتھیار ہیں جن کا توڑ ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ بہت شکتی شالی بھی ہیں، پرنتو ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم کایر نہیں ہیں۔ ہمیں ترنت ان کے کارن اتپن ہونے والی سمسیاؤں پر دھیان کیندرت کرنا چاہیے اور اس کے پشچات بھی یدی کوئی اپائے سمبھو نہ ہو تو ہم ان سے آمنے سامنے یدھ کرنا چاہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جتنی جلدی سمبھو ہو سکے ہمارے ناگرک ان کے آتنک سے سرکشت ہو جائیں"۔ وہ سانس لینے کو تھوڑی دیر کے لیے رکے، پھر بولے۔ "اس سمبندھ میں ہم سب سے پہلے اپنے مہا کرتا سیو ادر کے وچاروں سے اوگت ہونا چاہیں گے"۔

مہا کرتا سیو ادر اپنی جگہ پر کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ ایسا شخص تھا جو نگر سے زیادہ اپنی فکر میں پریشان رہا کرتا تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت اس بات میں صرف ہو جاتا تھا کہ اس کی کالی کرتوتوں کی بھنک مہامن کو نہ لگنے پائے۔ مہامن نے جب اسے براہ راست اسے مخاطب کیا تو جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اسے اس بھری سبھا میں کیا کہنا چاہیے۔

اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بولا۔ "مہامن، میں اِس سمسیا کی گمبھیرتا سے بھلی بھانتی اوگت ہوں"۔ وہ ایک لمحے کو رکا جیسے اپنی بات کہنے کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش کر رہا ہو۔ فکر میں ڈوبے ہوئے لہجے میں اس نے آگے کہا۔ "ہم نے ان کی شکتی کا آکلن بھلی بھانتی نہیں کیا اور وہ ہر بار ہم پر بھاری پڑ جاتے ہیں۔ اس پریاس میں ہم نے اپنے کئی ویر بھی گنوا دیے ہیں۔ ہمارے پاس ان سے کہیں ادھک سنکھیا بل ہے، پرنتو ان کے پاس گھوڑے جیسا یودھا جانور اور آدھونک ودیشی ہتھیار ہیں، جن کے بارے میں ہم نے نہ تو کبھی سنا اور نہ دیکھا۔ اس لیے ہم ان کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ یدی ہمیں انھیں منھ توڑ جواب دینا ہے تو اس کے لیے ہمیں ودیش سے ایسے ہی ہتھیار منگوانے ہوں گے جیسے ان کے

پاس ہیں اور ہمارے ویروں کے پرشکشن کے لیے کچھ ایسے ودیشی یودھا بھی بلانے ہوں گے، جو انھیں ان ہتھیاروں کا پرشکشن دے سکیں۔ پھر شاید ہم ان سے یدھ کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ ابھی جو پرستھتیاں ہیں، ان میں ہمارے ویر ان کے استر ششتر اور عجیب وغریب جانوروں کا جس پر سوار ہو کر وہ ہم پر حملہ کرتے ہیں، مقابلہ نہیں کر سکتے"۔

"پرنتو اس میں تو کافی سمے لگے گا"۔ مہامن چارودیوا فکرمند ہوتے ہوئے بولے۔

"ہاں، پرنتو مجھے اس کے اتی رکت کوئی اور مارگ دکھائی نہیں دے رہا ہے"۔ مہا کرتا نے کہا۔ "اس کے لیے اس ومرش سبھا میں اپستھت کرتا جن بھی اپنے وچار رکھ کر ہمارا مارگ درشن کریں تو اچھا ہوگا"۔

مہا کرتا سیوادرکے ایسا کہنے پر سینا کے مہاویر اپنی جگہ کھڑے ہوے۔ انھوں نے کہا۔ "یدی ہم ان سے جلد چھٹکارا پانا چاہتے ہیں تو میرے پاس ایک یدھ شیلی ہے جس کا پریوگ ہم ان شترووں کے ورُدھ کر سکتے ہیں"۔

"وہ کیا"؟ نگر پالک نے بے چینی سے پوچھا۔

"اس پریوگ میں ہمیں اپنے کچھ ویروں کو گنوانا پڑ سکتا ہے"۔ مہاویر نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس کے لیے ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ نگر کے اتری بھاگ میں جہاں نگر سے باہر جانے کا پھاٹک ہے، ہمارا کوئی ویر ان کو کچھ برا بھلا کہہ کر انھیں چھیڑے، جب وہ ودیشی اس سے جھگڑا کرنے لگیں تو پاس اپستھت دوسرے کچھ ویر اس کی سہایتا کے لیے پہنچ جائیں اور جب دیکھیں کہ وہ بھاری پڑ رہے ہیں تو پھاٹک کی طرف بھاگتے ہوئے نگر سے باہر نکل جائیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ ودیشی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا پیچھا کریں۔ ہمارے ویر انھیں اس دَرّے تک لے جائیں جو کچھ دور چلنے کے بعد بند ہو جاتا ہے۔ اسی سمے وہاں پہلے سے چھپے ہوے ہمارے ویروں کا ایک دل درے کے دہانے پر ان کا راستہ روک لے اور انھیں اندر ہی گھیر کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے"۔

سینا کے ایک کرتا نے اپنے مہاویر کی بات دھیان سے سنی۔ اس پر غور کیا اور پھر اس کی تائید کرتے ہوے بولا۔ "مہامن، مہاویر ٹھیک صلاح دے رہے ہیں۔ اس پرکار ہم ان کو اچھا پاٹھ پڑھا سکتے ہیں"۔

''پرنتو یدی انھوں نے پیچھا نہ کیا تو''۔ نگر پالک نے اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''یا پیچھا کرنے والوں کی سنکھیا اتنی کم ہو اور ان کے مارے جانے سے نگر میں کچھ پریورتن نہ آسکے تو۔ اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے آپ لوگوں نے''؟

''میرا وچار ہے کہ ہمیں کسی بھی یوجنا کے کاریانوین سے پوروا اس کی اونچ نیچ پر بھلی بھانتی وچار کر لینا چاہیے''۔ ایک اور کرتا نے مہاویر کی بات سن کر اپنی فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اس یوجنا میں کئی طرح کے جھول ہیں مہامن''۔ یہ دھول دیپ کے سب سے بڑے ویاپاری ہانیش سیٹھی تھے جو اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ ''میرا وچار ہے کہ یدی ہم اس یوجنا میں اسپھل رہے تو ہماری سمسیا پہلے سے بھی ادھک وکرال ہو سکتی ہے''۔

''وہ کیسے''۔ سینا کے کرتا نے پوچھا۔

''وہ اس طرح کہ یہ تو نشچت ہے کہ ہمارے ویروں کا پیچھا کرنے والے ودیشی سنکھیا میں کچھ ہی ہوں گے''۔ ہانیش سیٹھی نے کہا۔ ''وہ بھی ان میں سے جو اس سمے پھاٹک کے پاس اپستھت ہوں گے۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ نگر کے کونے کونے سے آکر سب اس کی سہایتا کے لیے دوڑ پڑیں گے۔ یا دوسرے نگروں سے ودیشی ان کی مدد کو آ جائیں گے۔ اس لیے یدی ہم انھیں مار بھی ڈالیں گے تو بچے ہوئے ودیشی اور آکرامک ہو جائیں گے اور اس پرکار ہمارے ناگرکوں کو اور کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے''۔

''ہاں، مہاجن ہانیش سیٹھی کا یہ سنشیہ وچارنیہ ہے۔ ان بندووں پر بھی ہمیں دھیان دینا چاہیے۔ پھر بھی ہمیں کوئی نہ کوئی اپائے تو کرنا ہی ہوگا''۔ نگر پالک نے کہا۔ ''ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو بیٹھے نہیں رہ سکتے''۔ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے آگے کہا۔ ''کسی اور کے پاس کوئی اور سجھاؤ ہے تو پرستت کرے''۔

''سینا کے مہاویر نے جو یوجنا سبھا کے سمکش رکھی ہے اس سے اچھا تو یہ ہوگا کہ ہم کھلے میدان میں ہی انھیں للکاریں اور ایک بار ان سے آر پار کا یدھ کر لیں۔ ہمارا سنکھیا بل ان سے چار گنا ہے۔ بھلا وہ ہمارے کتنے ویروں کو مار سکیں گے۔ یدھ ہوا تو انت میں ہم ہی وجئی ہوں گے''۔

''اس یوجنا پر وچار کیا جا سکتا ہے''۔ نگر پالک نے کہا۔ ''مجھے بھی لگتا ہے کہ ہمیں

اپنے سیمت سن سادھنوں کے ساتھ ہی ان پر آ کرمن کر دینا چاہیے"۔

"مہامن کا وچار اُپ یکت اور ترک سنگت ہے"۔ ایک اور کرتا نے مداخلت کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ "ہم یہ کر سکتے ہیں کہ مہا کرتا سیوادر کے بجھاو کے انوسار ودیشی استر شستر خریدنے کا پربندھ بھی کریں اور ویروں کو پرشکشت کرنے کے لیے وہاں سے کچھ مہایودھا بھی بلا لیے جائیں۔ ہم اس سمسیہ پر بھی وچار کر سکتے ہیں کہ ہم لوتھل بندر کے نگر پالک کے پاس ایک دوت بھیج کر ان سے سہایتا کا انورودھ کریں، کیونکہ وہ نگر بھی ان ودیشیوں کے آتنک سے کم گرست نہیں ہے۔ ہماری سمسیائیں ایک جیسی ہیں۔ ہم مل کر انھیں ان کے نگروں کی اور کھدیڑ سکتے ہیں۔ ان تیاریوں میں جو سمے لگے گا، اتنے دن ہم اپنے سیمت سن سادھنوں سے بھی شترووں کو روکے رکھنے میں سکشم ہیں۔ ہمیں ان پر آ کرمن کر کے انھیں اپنی شکتی کا پریچے دے دینا چاہیے"۔

اس وچار سبھا میں موجود اور کرتاوں نے بھی مہامن کے سامنے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سب کے مشورے سے آخر میں یہی طے پایا کہ ہمیں لوتھل بندر کے نگر پالک ارِیک شا کے پاس ایک دوت بھیج کر ان سے مدد کی درخواست کرنی چاہیے اور دوسری طرف اپنی جنگی تیاریوں کو جاری رکھتے ہوئے ہمیں ایک طے شدہ وقت پر ان ودیشیوں کو للکارنا چاہیے۔

اس کے بعد نگر پالک چارودیوا نے منصوبے کے تحت ویروں کو حملے کے لیے تیار رکھنے اور انھیں جنگی مشقیں شروع کرانے کا حکم جاری کر دیا۔ یہ تاکید بھی کی گئی کہ اس مشق کو جہاں تک ممکن ہو سکے خفیہ رکھا جائے۔

انھوں نے مہا کرتا سیوادر اور مہاجن بانیش سیٹھی سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنے نگر کے کچھ اور تاجروں سے تعاون لے کر ان ودیشیوں سے کچھ گھوڑے خریدنے کی کوشش کریں، بھلے ہی اس کے لیے ہمیں کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔ لیکن اس سودے میں ودیشیوں کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ ہم ان کے جانور خرید کر انھیں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

(چار)

شہر میں پھیلتی بدامنی اور طوائف الملوکی سے فکرمند تو لوتھل پالک ارِیک شا بھی تھے۔

ایسی کئی شکایتیں روزانہ ان کے پاس بھی آتی رہتی تھیں۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے متعلقہ دیروں کو احکامات بھی جاری کیے تھے، لیکن ایسے واقعات میں کمی آنے کے بجائے ان میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں وہ کھل کر سامنے بھی نہیں آ رہے تھے کہ ان سے دو بدو مقابلہ کیا جا سکے۔ اس وقت بھی وہ اپنی کرتاوں کی سبھا میں ساتھ مل کر اس مسئلے پر غور و فکر کر رہے تھے۔ سبھا میں موجود تمام لوگ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تھے اور اب مہامن اریک شا کوئی فیصلہ صادر کرنے والے تھے۔ اسی وقت ان کے دربان نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

''مہامن کی جے ہو''۔ کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا اور بولا۔ ''دھول دیپ کے نگر پالک مہامن چارودیوا کا ایک دوت آیا ہے اور آپ سے بھینٹ کا اچھک ہے''۔

ایک لمحے کو ان کی تیوریوں پر بل پڑے، لیکن انھوں نے کہا۔ ''اسے آدر کے ساتھ اندر لے آؤ''۔

تھوڑی دیر میں وہ واپس آیا تو دوت اس کے ساتھ تھا۔ وہ مہامن کے احترام میں سر جھکا کر اندر آیا اور اپنے نگر پالک کا سندیش سنانے کی اجازت چاہی۔

''ہم مہامن چارودیوا کا سندیش سننا چاہتے ہیں دوت''۔ اریک شا نے کہا۔

''مہامن اریک شا، میرے مہامن چارودیوا نے آپ کے لیے یہ سندیش بھیجا ہے کہ ہمارے نگر دھول دیپ میں کچھ ودیشیوں نے آتنک کا واتاورن نرمت کر رکھا ہے۔ وہ اتنے شکتی شالی ہیں کہ ہم اکیلے ان کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ اس لیے نگر پالک چارودیوا آپ سے انورودھ کرتے ہیں کہ ان ودیشیوں کا سامنا کرنے کے لیے آپ اپنے ایک ہزار ویروں سے ہماری سہایتا کریں جس سے ہم سپھلتا پوروک ان کا وناش کر سکیں''۔ دوت نے درمیان میں رک کر ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ''ہمارے مہامن چارودیوا نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم لوتھل پالک کی اور متر تا کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں اور پوروا میں گھٹت کچھ دکھد گھٹناؤں کو بھول کر ہم سدیو متر بنے رہنے کا وچن دیتے ہیں''۔

مہامن کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ انھوں نے دوت سے کہا۔ ''ہم دھول دیپ پالک کی متر تا سہرش سویکار کرتے ہیں''۔ اپنی بگڑتی ہوئی طبیعت کے

پیش نظر وہ اب اپنے پڑوسی راجیوں سے دشمنی رکھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ وہ بولے" اچھا ہوگا کہ آپ دو دن وشرام کیجیے، تت پشچات واپس جا کر مہامن چارودیوا کو ہمارا سندیش پہنچائیے کہ ان ودیشیوں سے لوتھل بندر کے ناگرک بھی پیڑت ہیں۔ ہمارے یہاں بھی اس طرح کا وچار پایا جاتا ہے کہ اس اراجکتا کے پیچھے ودیشیوں کا ہی ہاتھ ہے۔ اس لیے ہم ایک ہزار کے استھان پر دو ہزار ویران کی سہایتا کے لیے بھیجیں گے۔ اس طرح ڈھول دیپ کی یہ سہایتا اصل میں ہماری اپنی سرکشا کے لیے بھی ہوگی"۔ لوتھل پالک نے آگے کہا۔ "مہامن چارودیوا کو وشواس دلائیے کہ ہم ایک ماس کے بھیتر ہی اپنے چنے ہوئے دو ہزار ویر ڈھول دیپ بھیج دیں گے"۔

(پانچ)

تنہائی کی آگ میں جلتے ہوئے بڑھاپے کی طرف قدم بڑھانے والی سوناری کو اب اپنے وطن دل من کی یاد بہت ستانے لگی تھی۔ اس نے کئی بار اپنے بیٹے سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ مرنے سے پہلے کم از کم ایک بار اپنے وطن عزیز کو دیکھنا چاہتی ہے۔ لیکن بیٹا تاماس ہر بار اپنی گوں ناگوں مصروفیات کا حوالہ دے کر اس کی بات کو ٹال جاتا تھا۔ اور یہ حقیقت بھی تھی کہ اسے نام کو بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔

پتیسی کی مسلسل اصلاحی کوششوں کے سبب مملکت کے آس پاس اس کے حاسدین اور دشمن پیدا ہو گئے تھے، جو ذرا سا موقع ملتے ہی سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیتے تھے۔ ان کی سرکوبی اس کے فرائض منصبی کا حصہ تھا۔ سپہ سالار بن جانے کی وجہ سے اس کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا اور اب وہ پہلے کے مقابلے اور زیادہ مصروف رہنے لگا تھا۔ ان تمام مصروفیات کا ایک اثر یہ بھی ہوا تھا کہ وہ زیادہ تر شہر سے باہر بھی رہنے لگا تھا۔

پتیسی حمورابی کا انتقال ہو جانے کے بعد اس کا اپنا قلیل مدتی عروج اب زوال کی جانب گامزن ہو چکا تھا۔ اور اب تو اسے نہ صرف اس کی تمام خدمات سے معزول کیا جا چکا تھا بلکہ ان اہل کا مقدس خطاب بھی اس سے چھین کر اسے ال بابلون سے نکل جانے کا حکم صادر کر دیا گیا تھا۔ اب اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی متبادل ہی نہیں تھا کہ وہ اپنی ماں کو ساتھ

لے کر اپنے وطن کی جانب روانہ ہو جائے۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔لیکن اسے خوف تھا کہ کہیں اکابرین مملکت کی بری نظر اس کی دولت پر نہ پڑ جائے کہ اسے اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑے اور وہ قلاش ہو جائے، اس لیے وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو وہ اُل بابلون سے رخصت ہو جائے۔

اس نے سفر کے لیے ضروری ساز وسامان کے ساتھ ایک اوسط درجے کا بادبانی جہاز خرید کر اسے لارسا کے ساحل پر لنگر انداز کیا اور مزدوروں کی مدد سے اپنا سارا اثاثہ اس میں بار کرانا شروع کر دیا۔ اس کام میں اُسے ایک ہفتے کا وقت لگ گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے یہاں کے چند ایسے تاجروں سے ملاقات کی جو مشرق سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے۔ دریافت کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ انوبیس برادران نے اس سے جو کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ دل من اب واقعی نیست و نابود ہو چکا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ سیلاب عظیم کے بعد یہ شہر ایک بار بسا ضرور تھا لیکن اس کے بعد وہاں وبا پھیل جانے کے باعث لوگ اس جگہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اب سارا شہر ایک کھنڈر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ان تاجروں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ بہتر ہوگا کہ وہ دل من کے بجائے دھول دیپ کا قصد کرے۔ یہ جگہ ساحل سمندر سے تھوڑا فاصلے پر ضرور ہے لیکن بہت پرسکون اور ہر قسم کی تجارت کے لیے مناسب ہے۔ تاماس کو اُن کی باتیں سمجھ میں آ گئی تھیں اور اب اُسے اِس سلسلے میں اپنی ماں سے بات کر کے اُسے صورت حال سے آگاہ کرنا تھا۔

(چھ)

تاماس کا جہاز دھول دیپ کی چھوٹی سی گودی میں لنگر انداز ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ ساحل سمندر کے بعد اُسے من ہر ندی سے ہوتے ہوئے دھول دیپ تک پہنچنا پڑا تھا۔ دریا کا مختصر پاٹ دیکھ کر اسے یہاں پانی کی گہرائی کم ہونے کا اندیشہ پریشان کر رہا تھا لیکن اس کا تجربہ کار جہازی عملہ اسے بار بار یقین دلاتا رہا کہ اس ندی میں جہاز کے اعتبار سے مناسب گہرائی موجود ہے اور اس کے لیے اسے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اس دریا میں پورے سفر کے دوران اسے کسی بھی طرح کی کوئی دشواری نہیں آئی

تھی۔ اس بات سے اسے کچھ حیرانی بھی ہوئی تھی، کہ اس کا سمندری جہاز کتنے آرام سے اس ندی میں رواں دواں تھا۔ اب اُس کا سفر ختم ہوا اور اس کا جہاز لنگر انداز ہو چکا تھا تو اسے اطمینان نصیب ہوا۔ اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ زندگی میں پہلی بار مشرق کے اس شہر میں قدم رکھ رہا ہے، جس کے چرچے اس نے اَل بابلون میں بھی لوگوں کی زبان سے سنے تھے۔

سامان اتارنے کے لیے مزدوروں کا ایک جتھا جہاز کے عرشے پر آ چکا تھا اور اپنا کام کر رہا تھا۔ تاماس وہیں کھڑے ہو کر ان کی نگرانی کر رہا تھا کہ اس کے سامان کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔

سب سے پہلے وہ اپنے جہازی ملازموں کی مدد سے کسی ایسے مکان کی تلاش کرنا چاہتا تھا جہاں وہ فوری طور پر اپنی ماں اور اَل بابلون سے لائے گئے اپنے ساز و سامان کو منتقل کر سکے۔ اُس کا ارادہ تھا کہ مناسب وقت آنے پر وہ مستقل رہنے کے لیے اپنی پسند کا مکان تعمیر کروائے گا۔ حالانکہ وہ ایک مشہور جنگ جو تھا لیکن اب اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تجارت کی طرف متوجہ ہو گا۔ حمورابی کے انتقال کے بعد اس نے اَل بابلون میں جس ذلت کا سامنا کیا تھا، ایسی کسی صورت حال میں اب وہ خود کو دوبارہ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ اپنی زندگی سکون کے ساتھ گذارنا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ اَل بابلون میں سفر کی غرض سے خریدا گیا بادبانی جہاز اسے اپنی تجارت کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہو گا۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد اُسے گودی کے قریب ہی ایک مکان مل گیا۔ اس میں تین کمرے تھے، کمروں کے سامنے طویل راہداری تھی۔ اس میں ایک وسیع و عریض صحن بھی تھا۔ اس کے مالک نے ایک سونے اور دس چاندی کی مہروں کے بدلے اسے اس میں چھ مہینے تک رکنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی ماں سوناری اتنے طویل سفر کی وجہ سے کافی تھکی ہوئی تھی۔ اس کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے اپنی ماں کو اس مکان میں منتقل کیا اور اپنے داس کو حکم دیا کہ وہ شہر میں کسی اچھے معالج کی تلاش کرے، جو اس کی ماں کا بہتر علاج کر سکے۔ اس نے مزدوروں کی مدد سے ایک داسی کا بھی انتظام کیا تا کہ وہ ہر وقت اس کی ماں کی سیوا میں رہے اور اسے اس بیماری کی حالت میں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

جنگ

(ایک)

ودیشیوں کا ایک جم غفیر تھا جو دھول دیپ کی شہر پناہ کے باہر دریائے من ہر کے دوسرے کنارے سے تقریباً ایک کوس کے فاصلے پر جنگل کے درمیان ایک ایسے میدان میں جمع تھے، جو چاروں طرف سے گھنے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس جگہ کا انتخاب شاید اس اجتماع کو خفیہ رکھنے کی غرض سے کیا گیا تھا۔ شام کا وقت تھا، رفتہ رفتہ تاریکی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں موجود سارے لوگ اس وقت کسی طرح کی اجتماعی عبادت میں مصروف تھے۔ انھوں نے آگ روشن کر رکھی تھی اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے سارے لوگ بہ آواز بلند منتروں کا جاپ کر رہے تھے۔ شاید یہی ان کا طریقہ عبادت تھا، جو بہر حال اس شہر کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے گیروا لباس پہن رکھا تھا، جو شاید ان کی مذہبی رسوم ادا کرانے والے پروہت تھے۔ انھیں میں سے ایک بہ آواز بلند پڑھ رہا تھا۔

''ہے اگنی، ہمارے پاپ نشٹ ہوں۔ ہم دھن کی اچھا سے تمھاری پوجا کرتے ہیں۔ ہم مکت کے سمان شریشٹھ ہو جائیں۔ ہم تمھاری استوتی کر کے بڑھیں۔ تمھارے مکھ چاروں اور ہیں۔ ہماری چاروں اور سے رکشا کرو۔ جیسے ناو سے ندی پار کرتے ہیں، ایسے ہی ہم تمھاری کرپا سے شتروؤں سے پار ہو کر شترو رہت دیش میں رہیں۔''

''ہے اگنی، ہم پر انوگرہ درشٹی ہو۔ اگنی، تیرا استو آکاش میں سوریہ روپ سے اور دھرتی پر بھی وِدیہ مان ہے۔ اگنی ہمیں دن اور راتری میں شتروؤں سے بچائے۔ ہمارا

یگیہ سپھل ہو، ہمیں اپار دھن پراپت ہو، ہمارا پتر ہماری سیوا کرے۔ متر، ورن، آدیتی، میند ھو اور آکاش ہمارے دھن کی رکشا کریں"۔

"ہے اگنی، ہمارے شتروؤں کا دھن نشٹ کر اور ہمیں دکھوں اور پاپوں سے اسی پرکار پار لگائے جیسے ناو ندی سے پار لگاتی ہے"۔

"ہے اگنی، ہم منتروں سے تمھیں بلاتے ہیں۔ تمھاری جوالا شتروؤں کا ناش کرتی ہیں۔ تم بھگت اور ابھگت دونوں کی رکشا کرتے ہو"۔ [1]

جتنے عجیب شکل وصورت اور لباس والے یہ ودیشی تھے اتنا ہی عجیب ان کی عبادت کرنے کا ڈھنگ تھا۔ ان کے سامنے نہ تو کسی طرح کا کوئی مجسمہ تھا اور نہ دیوایتن جیسی کوئی عمارت یا عبادت گاہ جیسی کوئی جگہ۔ بس ایک میدان تھا جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے، سامنے تازہ مٹی سے بنائی ہوئی ایک ویدی میں آگ روشن تھی اور وہ اونچی آواز میں اپنے منتروں کا جاپ کررہے تھے۔

شاید انھیں اس اجتماعی عبادت کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی تھی کہ چند روز قبل ان کے کچھ مخبروں نے لوتھل بندر سے انھیں اطلاع بھیجی تھی کہ یہاں آس پاس کے کئی نگروں کے نگر پالکوں نے مل کر اجتماعی طور سے اُن پر حملہ کرکے انھیں اپنی اپنی مملکت سے کھدیڑنے کا منصوبہ بنایا ہے اور جلد ہی ان سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔

پچھلے ایک ہفتے سے انھوں نے ان تمام شہروں اور بستیوں میں اپنی سرگرمیاں روک دی تھیں جہاں کے بارے میں انھیں اطلاعات ملی تھیں کہ وہاں کے لوگ ان پر حملہ کرنے میں دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ انھوں نے پیغام رساں کے ذریعے اس خطے میں موجود اپنے تمام لوگوں کو اطلاع دے کر اپنے ایک نمائندے کو آج کے دن یہاں بھیجنے کے لیے کہا تھا تاکہ وہ اجتماعی عبادت میں شریک ہو کر دیوتاؤں سے دعا کریں کہ انھیں ہمیشہ کی طرح فتح نصیب ہو اور وہ اپنی پوری قوت سے دشمنوں کے ہر حملے کا مقابلہ کرسکیں۔

---

[1] رگ وید، سوکت ۹۷، ۹۸، ۹۹ اور ۱۹۷

وہ جانتے تھے کہ مقامی لوگوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت کم ہے لیکن انھیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ اپنے دیوتاوں کے آشیرواد، اپنی شجاعت اور اسلحہ جات کی مدد سے اس جنگ کا نتیجہ آخر میں ان کی فتح کی شکل میں ہی برآمد ہوگا۔ یہ لوگ پچھلے کچھ برسوں سے اس علاقے میں سرگرم تھے اور اپنے تجربے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ یہاں رہنے والے لوگوں کی طاقت کتنی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے اس یقین میں حق بجانب تھے کہ ہمارا ہر گھڑسوار ان کے سو ویروں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن ان کی اطلاع کے مطابق دشمنوں کے ویروں کی تعداد ان کی تعداد سے لگ بھگ دس گنا زیادہ تھی۔ اس کے باوجود انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ایک شیر کو مارنے کے لیے متعدد گیدڑوں نے مل کر اس پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔

رفتہ رفتہ ان میں سے بیشتر لوگ جو مختلف قافلوں کی شکل میں اپنے بیوی بچوں، مال و اسباب اور جانوروں کے ساتھ مغرب کے کسی نہ کسی مقام سے آ کر یہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے، یہاں جمع ہو چکے تھے۔ ان میں اکثریت دریائے دجلہ و فرات کے منبع اور شمالی پہاڑی علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں کی تھی۔ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ دیا جائے تو ان کی مجموعی تعداد چار پانچ سو سے زیادہ نہیں تھی۔ ان کے پاس سو سوا سو گھوڑے تھے، کچھ ایسے ہتھیار تھے جو اس خطے کے لیے بالکل نئے تھے اور جس کے بل پر وہ اپنے آپ کو فاتح عالم تصور کرتے تھے۔ یہ ہتھیار ان کے ہر ہاتھ میں تھے۔

وہ جانتے تھے کہ اس علاقے میں اب سے پہلے کبھی جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی، اس لیے یہاں کے لوگ منظم جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہاں کے لوگ اپنی پیادہ فوج، ننگی ہتھیاروں، آہنی تلواروں اور نیزوں، ہاتھی دانت کے ہتھے والے خنجروں، لکڑی کی تیل پلائی لاٹھیوں، آہنی کلہاڑیوں اور تیر کمان کی مدد سے مقابلہ کرنے والے ہیں۔ اس کے برعکس ان کے پاس صیقل کی گئی تلواریں تھیں، تیز رفتار گھوڑے تھے، جادوئی دندانے دار چکّے تھے، آہنی اور چوبی گرز تھے، جن کا استعمال کرتے ہوئے وہ ان دشمنوں کو پل بھر میں روند سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مناسب منصوبہ بندی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جائے تو تعداد کی کثرت کے باوجود ان کے سارے ویروں کو ایک ہی دن کی جنگ میں تہ تیغ کر کے اس پورے خطے میں اپنی مملکت قائم کی جا سکتی ہے اور اگر ایسا ممکن ہو سکا تو وہ یہاں کے رہنے والے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا سکتے تھے اور یہ خطہ ہمیشہ کے لیے ان کی ملکیت میں شامل ہو سکتا تھا۔ عنقریب ہونے والی یہ فیصلہ کن

جنگ ان کے خوابوں کی دل خوش کن تعبیر بن سکتی تھی۔

عبادت سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے اپنے لیے اپنے ہی درمیان میں سے ایک سالار کا انتخاب کیا، جو جنگ میں ان کی کمان سنبھال سکے۔ اس انتخاب میں انھیں کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ سب ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور ہر شخص دوسرے کے کمالات کا مداح اور قدر دان تھا۔ یہ بات ان کے مزاج کا لازمی حصہ تھی کہ وہ اپنوں سے کسی بھی حالت میں دشمنی روا نہیں رکھتے تھے اور اپنے تنازعات کو اپنوں میں موجود کسی بزرگ کی مدد سے بہ آسانی سلجھا لیتے تھے۔ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ان میں کون سب سے زیادہ بہادر، نڈر اور مضبوط جسمانی ساخت کا ہے۔ چنانچہ انھوں نے تھوڑی ہی دیر میں سالار کی حیثیت سے مردوک نام کے ایک شخص کا انتخاب کر لیا تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے سب لوگوں نے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ رکھ کر وفاداری کی قسم کھائی تھی کہ دوران جنگ وہ اس کے فرماں بردار، اس کے ہر حکم کے تابع اور اس کے ہر اشارے پر اپنی جان نثار کر دینے کے لیے تیار رہیں گے۔ اپنا انتخاب ہونے کے بعد مردوک نے وہاں موجود لوگوں سے خطاب کیا۔

> ''میرے بھائیو، تم لوگوں نے مجھ پر جس اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے، میں اُس پر پورا اترنے کی پوری کوشش کروں گا۔ آج میں تم لوگوں کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ میں میدان جنگ میں کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کروں گا اور اپنے لوگوں کی بھلائی کے لیے مجھ سے جو بھی ممکن ہوگا ضرور کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ جب اور جہاں مجھے تم لوگوں کی ضرورت پڑے گی، اس وقت اور وہاں تم میری مدد کرنے کے لیے تیار ملو گے''۔

مردوک کو اپنا رہنما منتخب کرنے کے بعد انھوں نے ایک اجتماعی دعا میں حصہ لیا اور اس عہد کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے کہ وہ جہاں ہیں، وہاں رہتے ہوئے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تیاریاں کرتے رہیں گے اب انھیں اس دن کا انتظار تھا جب دشمن کی فوجیں ان کے سامنے ہوں اور وہ ان کے مقابل داد شجاعت دے سکیں۔

(دو)

بانیش اپنی بیوی کاویا کے ساتھ اب بانسی گاؤں سے آ کر دھول دیپ میں رہنے لگا تھا

اوراب یہاں کے لوگ اسے ہانیش سیٹھی کے نام سے جانتے تھے۔اس بیچ وہ دو بچوں کا باپ بھی بن چکا تھا۔ بالاخراس تعلق سے اُس بھوشیہ درشتا کی بات سچ ثابت ہوئی تھی، جس پر انھیں اس وقت بالکل یقین نہیں آیا تھا۔اُس کا ایک بیٹا داوان تھا جواب اٹھارہ برس کا ہو چکا تھااور اس سے چھوٹی ایک بیٹی شوریا تھی جس کی عمراب تیرہ برس تھی۔وہ ایک تجربےکارتاجر تھاجسے تجارت کا بیس سال سے بھی زاید کا تجربہ ہو چکا تھااب اس کا اپنا خود کا کاروبار تھا،جسے جمانے میں دھرما سیٹھی نے، جو اب اس دنیا میں نہیں تھا،اس کی بہت مدد کی تھی، یہاں اس کی خود کی رہائشی کوٹھی تھی جو اس نے دھول دیپ آنے کے فوراً بعد ہی بنوالی تھی اوراب وہ اپنے افراد خاندان کے ساتھ وہاں اطمینان اورسکون سے رہتا تھا۔

اس کا کاروبار وہی تھا، جووہ اتنے طویل عرصے سے دھرما سیٹھی کے ساتھ کرتا آیا تھا۔ وہ اب بھی گاوں گاوں جا کر کسانوں سے ان کی فصلوں کا سودا کرتااورانھیں بازارتک لاکر فروخت کرتا۔فرق صرف اتنا تھا کہ اب اس کے اپنے کارکن تھے، جواس کے کام کو بہتر طور پر کرنے میں معاونت کرتے تھے۔

سچ پوچھوتو اس کا کاروبار دھرما سیٹھی سے کہیں زیادہ پھیل گیا تھا۔وہ اپنے تمام کارکنوں سے اپنے بچوں کی طرح محبت کرتا تھااوران کے سکھ دکھ میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔دھرما سیٹھی کے انتقال کواب کئی سال ہو چکے تھے۔اس کے ناکارہ بیٹے نے کاروبار میں دلچسپی نہیں لی تھی اور باپ کی کمائی پراپنی زندگی گزاررہا تھا۔

دھرما سیٹھی کے چلے جانے کے بعد اس کے تمام گاہک بھی اب اس کے اپنے تھے۔ وہ ان تمام لوگوں سے خود کاروبار کرنے لگا تھا، جن سے دھرما سیٹھی کے لیے کیا کرتا تھا۔اس نے دھرما سیٹھی سے سیکھا تھا کہ ضرورت مندوں کی مدد کرنے سے جونیک نامی ملتی ہے،اس سے تجارت کوبھی فائدہ پہنچتا ہے،اس لیے اس نے بھی یہ کام جاری رکھا تھا۔دیوتاوں کی مہربانی سے اس کی تجارت میں دن دونی رات چوگنی برکت ہوئی تھی اوراب اس کا شمارشہر کے معززین میں ہونے لگا تھا۔سارے شہر میں اس کی دیانت داری اور غریب پروری کا چرچا تھا۔اس نے اپنی آمدنی کا کچھ حصہ غریبوں کی مدد کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کے گھر میں ضرورت مندوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا، جو ہمیشہ اس کے حق میں دعاے خیر کرتے تھے۔ہانیش نے یہ نیک

کام اپنی بیوی کاویا کے سپرد کر رکھا تھا، جو اسے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہی تھی۔ وہ خود اپنی پوری توجہ تجارت پر صرف کرتا تھا اور عام حالات میں وہ گھر کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔

حالانکہ اس کے کچھ دوستوں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اس کو اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے غیر ملکوں کا سفر کرنا چاہیے، لیکن اس نے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ وہ اپنے کام سے پوری طرح مطمئن تھا اور یہیں رہ کر اسے فروغ دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے ابھی تک جو بھی ملا تھا، اس کے لیے وہ دیوتاؤں کا ممنون تھا۔ اس کی ایمان داری، دوراندیشی اور مستقل مزاجی کے تذکرے نگر پالک چارو دیوا تک بھی پہنچ چکے تھے اور ان کی نظر میں وہ اس کی مملکت کا ایک لائق اعتماد تاجر تھا، جس سے ضرورت پڑنے پر شہر کی بہتری کے لیے مشورے کیے جاسکتے تھے۔ چنانچہ ان کی وچار سبھا میں جب بھی کوئی مسئلہ غور وفکر کے لیے آتا تھا تو اس سبھا میں ہانیش سیٹھی کو بھی طلب کیا جاتا تھا اور خود نگر پالک بھی اس کے مشورے کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

دھول دیپ پالک مہامن چارو دیوا کی وچار سبھا میں جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ کسی تاجر کے ذریعے بدامنی پھیلانے والے ودیشیوں سے کچھ گھوڑوں کے خریدنے کی بات کی جائے تو اس کے لیے فطری طور پر ان کی نظر انتخاب ہانیش سیٹھی پر ہی پڑی تھی۔ وہ ان پر پوری طرح بھروسا کرتے تھے انھوں نے انھیں تنہائی میں طلب کر کے کہا کہ وہ ودیشیوں سے اس سلسلے میں بات کریں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ کام مشکل ہے اور اسے بہت ہوشیاری اور پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ کرنا ہوگا۔ ودیشیوں کو اس بات کا بالکل بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے جانوروں کا استعمال ہم ان کے ہی خلاف کرنے والے ہیں۔ وہ خود یا اپنے کسی معتمد کے ذریعے کوشش کرے کہ ان ودیشیوں سے قلیل تعداد میں ہی سہی، ان کے ان تیز رفتار جانوروں کا سودا کرلے۔ اور اگر یہ مل جاتے ہیں تو ان کو ہم ہونے والی جنگ کے پیش نظر اپنے ویروں کی جنگی تربیت میں استعمال کرسکیں گے۔

عجیب اتفاق تھا کہ یہ ساری باتیں اسی وقت ہو رہی تھیں جب ال بابلون سے نہ لاگیا فوجی تربیت یافتہ اور ناقابل شکست جنگ جو نوجوان تاماس مستقل سکونت کی غرض سے اس شہر میں

وارد ہوا تھا۔ جب ہانیش سیٹھی نے اپنے اگلے اقدام کے بارے میں اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو ان میں سے ایک نے اسے مغرب سے آئے ایک تاجر تاماس کے بارے میں بتاتے ہوئے اس سلسلے میں اس سے ملاقات کر کے اس سے بات چیت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

ہانیش سیٹھی کو یہ جان کر خوشی ہوئی۔ اس نے اپنے اسی مشیر سے کہا کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے تاماس سے اس کی ملاقات کا بندوبست کرے۔

(تین)

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس شہر میں اپنی تجارت شروع کرنا چاہتے ہو"۔ ملاقات ہونے پر ہانیش سیٹھی نے تاماس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ایسا ارادہ تو ہے لیکن میں نے ابھی اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ میں تجارت نہ کر کے کوئی اور کام کروں"۔ تاماس نے جواب دیا۔ "لیکن میری اولین ترجیح تو یہ ہے کہ سب سے پہلے میں اپنی رہائش کے لیے ایک اچھی سی کوٹھی کی تعمیر کروں۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ آگے مجھے کیا کرنا ہے"۔

"ویسے کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم نے ال بابلون چھوڑ کر یہاں آنے کا ارادہ کیوں کیا"؟ ہانیش نے اس سے پوچھا۔ "میں نے تو سنا ہے کہ وہاں تجارت کے امکانات یہاں کے مقابلے میں بہتر ہیں"۔

"میں وہاں تجارت نہیں کرتا تھا"۔ تاماس نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کو کسی اجنبی سے پہلی ملاقات میں یہ سب بتانا ناگوار معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اسے بتایا گیا تھا کہ ملاقات کرنے والا شخص محض تاجر نہیں ہے بلکہ یہاں کے نگر پالک چارودیوا کا خاص آدمی بھی ہے۔ اس لیے اس کے سوالوں کے جواب دیتے رہنے میں وہ اپنا بھی کچھ بھلا سوچ رہا تھا۔

"یعنی تمھیں ویاپار کا کوئی تجربہ نہیں ہے"۔ ہانیش نے اس کی بات سن کر کہا۔ "تمھیں پتہ ہونا چاہیے کہ بغیر تجربے کے تجارت خطرناک ہو سکتی ہے۔ میرا وچار ہے کہ یدی تمھارا ایسا کوئی وچار ہے تو اس پر تمھیں ایک بار اور سوچنا چاہیے"۔ ہانیش نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر تم وہاں کیا کرتے تھے"؟ اس نے پوچھا۔

''میں بنیادی طور پر ایک جنگ جوہوں اور وہاں پتیسی جمہوری کی فوج کا سالار تھا''۔

''کیا''؟ ہانیش کے منھ سے حیرت میں نکلا۔ لیکن وہ فوراً سنبھل گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ تو دیوتاوں کی مہربانی ہے کہ ہمیں جس طرح کے آدمی کی ضرورت تھی انھوں نے اسے ہمارے پاس بھیج دیا ہے۔ ہمیں گھر بیٹھے ایک تربیت یافتہ ایساوِیر مل گیا ہے، جس کی تربیت مغربی ماحول میں ہوئی ہے۔ لیکن اس وقت اس کے سامنے کسی طرح کا اتاولا پن ظاہر کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اب قدرے احترام اور مزید احتیاط کے ساتھ وہ بولا۔ ''تم چاہو تو یہاں بھی تمھیں وہ ساری پرتشٹھا مل سکتی ہے، جو تم ال بابلون میں چھوڑ کر آئے ہو''؟

تاماس کو اس طرح کی گفتگو شروع ہو جانے کی امید نہیں تھی۔ لیکن وہ محتاط تھا۔ اس نے ال بابلون سے چلتے وقت یہ ضرور طے کیا تھا کہ اب وہ جنگ جو کی حیثیت سے کوئی کام نہیں کرے گا لیکن شاید اس کا یہ خیال وہاں ہونے والی ذلت اور توہین کے زیر اثر تھا۔ جنگ جوئی کی صفت اس کے خمیر میں شامل تھی۔ تجارت کے تعلق سے اس کے دل میں جو تذبذب تھا، اُسے سامنے بیٹھے شخص کی بات نے، جو خود ایک بڑا اور تجربہ کار تاجر تھا، اور گہرا کر دیا کہ بغیر تجربے کے تجارت خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس انتہائی اہم شخص نے جب اس کے پسندیدہ کام کا ذکر کیا تو اس کا فطری جذبہ عود کر آیا۔ وہ اہم شخص اُسے پھر سے وہی مراتب اور احترام دلانے کی بات کر رہا تھا، جس میں رہتے ہوئے اس نے اپنی ساری زندگی گزاری تھی۔ اور سامنے بیٹھا یہ آدمی کوئی عام ناگرک نہیں، نگر پالک کا خاص آدمی تھا۔ تھوڑی دیر وہ کچھ سوچتا رہا، اس کے بعد اس نے جواب میں کہا۔ ''میرے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا کہ میں دھول دیپ کے کسی کام آ سکوں''۔

''اب تم سے کیا چھپانا میرے متر۔ واستو میں ہم یہاں ایک کٹھنائی کا سامنا کر رہے ہیں''۔ ہانیش نے تاماس سے کہا۔ ''کچھ ودیشی لوگوں نے یہاں آتنک کا واتاورن بنا رکھا ہے۔ وہ یہاں پر لوٹ مار کرتے ہیں اور ہمارے ناگرک ان سے بری طرح ترست ہیں۔ لیکن وہ ہم سے ادھک شکتی شالی ہیں اور ہم ان کا کچھ بگاڑ نہیں پا رہے ہیں۔ وہ یہاں کے قانون کو بھی نہیں مانتے اور اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس ایک تیز رفتار جانور ہے، جس پر وہ سواری کرتے ہیں۔ اسے وہ اشو کہتے ہیں۔ اور جب وہ اس جانور پر سوار ہو کر نکلتے ہیں اور ان کے

ہاتھ میں وچتر ڈھنگ کے آدھنک ہتھیار ہوتے ہیں تو ہمارے ویر اُن کا سامنا نہیں کر پاتے۔اب ہم انھیں جنگ کے لیے للکارنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے آس پاس کے دوسرے نگروں کی سہایتا بھی لی ہے۔اس سمے ہمارے پاس ایک بڑی سینا ہے۔ہم نے لگ بھگ دس ہزار ویروں سے یہ سینا تیار کر لی ہے۔پرنتو ہمارے یہ ویر اپرشکشت اور ناتجربہ کار ہیں۔ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جو انھیں پشچمی شیلی کے یدھ کا پرشکشن دے سکے۔اس کے لیے ہم کسی کو پشچم سے بلانا چاہتے تھے پرنتو اب تم یہاں ہو تو شاید اس کی آوشیکتا نہیں ہوگی''۔ہانیش سیٹھی نے یہ باتیں ایک ہی سانس میں کہہ ڈالی تھیں۔اب وہ سانس لینے کے لیے رکا۔وہ چاہتا تھا کہ دیوتاؤں کے آشیرواد سے یہ موقع ملا ہے تو اسے ویرتھ گنوانا نہیں چاہیے۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ اسی بیٹھک میں وہ تاماس کو سارے حالات سے واقف کرا دے۔ اس نے اپنی بات کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا''اس کے اتی رکت ہمیں ان سے یدھ کرنے کے لیے ان کے جیسے ہی کچھ پشوؤں کی بھی آوشیکتا ہوگی۔اس سلسلے میں یدی تم ہماری سہایتا کر سکو تو یہ دھول دیپ پر تمھارا احسان ہوگا''۔

ہانیش تھوڑی دیر کے لیے رکا۔اس نے پھر ایک گہری سانس لی اور کہنا شروع کیا۔ ''اگر تم چاہو تو تم یہ احسان دو طرح سے کر سکتے ہو۔ایک تو یہ کہ تم ہمارے ویروں کو پرشکشت کرو اور دوسرے یہ کہ تم ان ودیشیوں سے ان کے کچھ پشو خریدنے کی کوشش کرو۔میں تمھیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم سے بات کرنے کے لیے مجھے نگر پالک چارو دیوا نے ہی بھیجا ہے۔تم صورت شکل اور اپنے رکھ رکھاؤ سے غیر ملکی معلوم ہوتے ہو۔اگر ان پشوؤں کا سودا کرنے کے لیے تم ان ودیشیوں سے بات چیت کرو گے تو وہ تمھیں اپنے جیسا آدمی ہی سمجھیں گے اور انھیں تم پر شک نہیں ہوگا۔اگر تم ہمارے لیے یہ کام کر سکے تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں مہامن چارو دیوا سے تمھاری سفارش کروں گا کہ وہ تمھیں اس سنگیت سینا کا نایک بنا دیں جو ان ودیشیوں سے یدھ کے لیے تیار کی جا رہی ہے''۔ہانیش ایک لمحے کے لیے رکا،اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا''اس سودے میں ہمیں ان جانوروں کی جو بھی قیمت چکانی پڑے گی،مہامن اس کے لیے تیار ہیں''۔

یہ سب باتیں سن کر تاماس اندر ہی اندر بہت خوش ہو رہا تھا۔یہ خوشی اس لیے بھی تھی کہ

اس نے یہاں مشرق میں اتنی جلدی یہ سب کچھ مل جانے کی توقع نہیں کی تھی۔ پھر بھی وہ کوشش کر رہا تھا کہ اس کے چہرے سے اس کے اتاؤ لے پن کا اظہار نہ ہونے پائے۔ اب وہ اپنے تذبذب سے باہر نکل کر یہ طے کر چکا تھا کہ اسے تجارت کا خیال چھوڑ کر اس موقعے کا استعمال کرنا چاہیے۔ اس سے اسے نگر پالک سے قریب پہنچنے کا موقع ملے گا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھا۔

وہ مسرور تھا کہ جو عزت اس نے ال بابلون میں چند لوگوں کی سازشوں میں پھنس کر گنوادی تھی وہ اسے دھول دیپ میں بن مانگے مل رہی تھی۔ اس کے لیے تو وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہو سکتا تھا اور یہ کام تو بالکل وہی تھا جسے انجام دینے کے لیے ہی شاید اسے اس دھرتی پر بھیجا گیا تھا۔ وہ اپنی اس خوشی کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن انسانی نفسیات کا پارکھ ہانیش اچھی طرح اس کی دلی کیفیات کو سمجھ رہا تھا۔ تاماس نے بالاخر اپنی خوشی کو ظاہر نہ ہونے دینے کی کوشش کرتے ہوئے صرف اتنا کہا۔ ''میں نگر پالک کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے خوشی سے تیار ہوں۔ ان کی خواہش کے مطابق میں کسی بھی طرح ان ودیشیوں سے گھوڑوں کو حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور مہامن کے ویروں کے پرشکشن کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے بھی میں پوری طرح تیار ہوں''۔

''ہم جلد ہی پُنہ ملیں گے''۔ ہانیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اب وہ جلد سے جلد مہامن چارودیو اسے مل کر انھیں یہ خوش خبری دینا چاہتا تھا۔ اس نے تاماس سے کہا۔ ''تم اس سلسلے میں کام شروع کردو۔ میں مہامن سے تمھارے بارے میں بات کروں گا اور تمھیں کسی طرح کی کوئی بھی آوشیکتا پڑے تو تم کسی بھی سمے مجھ سے بھینٹ کر سکتے ہو''۔

(چار)

مسئلہ یقیناً نہایت سنگین تھا۔ ایک طرف ناگروں کی پریشانی تھی تو دوسری جانب ایک طاقت ور دشمن سے نبرد آزمائی کی تشویش۔ لیکن اب سوچنے کا وقت نہیں میدان عمل میں اترنے کا وقت تھا۔

اس درمیان تاماس اور ہانیش میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ مختلف موضوعات پر گفتگو

کے ساتھ ساتھ یہ معاملہ بھی طے ہو گیا تھا کہ ہونے والی جنگ اب تاماس کی رہنمائی میں ہی لڑی جائے گی اور یہ کہ نگر پالک اسے جلد ہی اجتماعی سینا کے مہاویر کا عہدہ دیں گے۔ تاماس نے بھی اس معاملے میں اپنی رضامندی دے دی تھی کہ وہ ودیشیوں سے گھوڑوں کا سودا کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف شہروں کی مشترکہ فوج کے جوانوں کی تربیت بھی کرے گا۔ ان ملاقاتوں میں ہونے والی گفتگو میں نہایت تفصیل کے ساتھ ودیشیوں سے ہونے والے سودے کے لیے رقم کی فراہمی اور گھوڑے حاصل کرنے کی حکمت عملی بھی زیر بحث رہی۔

ہانیش سیٹھی نے نگر پالک سے ملاقات کر کے انھیں تاماس کے بارے میں ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ اس خبر سے بے حد خوش بھی ہوئے تھے کہ تاماس ال بابلون کا ایک تربیت یافتہ اور پیشہ ور جنگ جو ہے۔ انھوں نے تاماس سے خود ملنے کی خواہش ظاہر کی تو ہانیش نے دونوں کی ملاقات کا انتظام بھی کر دیا۔ اس پیش رفت سے دونوں ہی فریق بہت خوش تھے۔ نگر پالک چارودیو اس لیے خوش تھے کہ انھیں فوری طور پر اپنے ویروں کی تربیت کے لیے ایک اچھا تربیت یافتہ ماہر جنگ جو مل گیا ہے اور تاماس کی خوشی اس بات کو لے کر تھی کہ وہ ال بابلون میں کھوئے ہوئے اپنے وقار اور مراتب کی بازیافت کو ممکن بنا پا رہا تھا۔

منصوبے کے مطابق طے شدہ وقت پر تاماس ودیشیوں سے ملنے کے لیے گیا۔ اس نے وہی لباس زیب تن کر رکھا تھا جو وہ ال بابلون میں پہنا کرتا تھا اور جو یہاں کے لوگوں کے لیے بالکل اجنبی تھا لیکن یہ وہاں کا فوجی لباس نہیں بلکہ عام آدمیوں کا لباس تھا۔ ودیشی آسانی سے اس پر شک نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی رنگت ویسے بھی صاف تھی اور وہ لوگ اسے دیکھتے ہی سمجھ سکتے تھے کہ یہ مقامی ناگرک نہیں ان کے اپنوں میں سے ہی کوئی شخص ہے۔ اس کا اُسے پورا اطمینان بھی تھا۔ اس نے اچھی طرح اس بات کا پتہ چلا لیا تھا کہ ان کا سربراہ کون ہے۔ اسے یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ مختلف شہروں کی مشترکہ فوج ان پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ اسے اس بات کا ڈر تھا کہ ایسے وقت میں، جب کہ انھیں خود گھوڑوں کی شدید ضرورت تھی، وہ اسے گھوڑے دینے کو تیار ہوں گے۔ لیکن اسے لگا کہ ان سے اس سلسلے میں بات کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ بات وہ جانتا تھا کہ

اس وقت ان ودیشیوں کے پاس مالی بحران چل رہا ہے اور انھیں جنگ کی تیاریوں کے لیے بہر حال کچھ رقم کی ضرورت ہوگی۔ اگر وہ گھوڑوں کے لیے دوگنی قیمت دے گا تو ممکن ہے وہ لالچ میں آجائیں یا پھر دوران گفتگو کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہ اس کی بات مان لیں اور اس طرح اسے کچھ گھوڑے مل جائیں۔

جب وہ ان کے فوجی سربراہ مردوک سے ملنے پہنچا تو وہ اسے شہر کے باہر لگائے گئے ایک خیمے میں ملا۔ خیمے کے دروازے پر کچھ مسلح لوگوں نے اسے روکا، اچھی طرح اس کی تلاشی لی اور پوچھا۔ ''ہمیں بتاؤ کہ تم ہمارے سربراہ سے کیوں ملنا چاہتے ہو''؟

''میں ایک ال بابلونی تاجر ہوں اور تمھارے سربراہ مردوک سے اپنی تجارت کے تعلق سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں''۔ تاماس نے کہا۔

''ٹھیک ہے، تم یہاں رکو، میں انھیں اطلاع کرتا ہوں''۔ یہ کہتے ہوے وہ خیمے کے اندر گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ واپس آیا اور بولا۔ ''تم اندر جا سکتے ہو''۔

اندر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ یہ ایک اچھی طرح سے آراستہ کیا گیا بڑا سا خیمہ ہے، جو ایک فوجی سربراہ کے شایان شان تھا۔ ودیشیوں کے سربراہ نے اس کا استقبال کرتے ہوے کہا۔ ''خوش آمدید تاجر تاماس، میرا نام مردوک ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم ہمارے لیے کسی ایسے سامان کا سودا کرنے آئے ہوگے جو ہمارے کام آسکتا ہو''۔

تاماس نے ال بابلونی انداز میں کہا۔ ''محترم، میں معافی چاہتا ہوں لیکن میں اس وقت میں کچھ بیچنے نہیں بلکہ آپ سے کچھ خریدنے کی بات چیت کرنے آیا ہوں۔ اگر ہمارا سودا طے ہوگیا تو اس سے ہم دونوں کو کافی منافع ہو سکتا ہے''۔

''تاجر تاماس، شاید تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ ابھی ہم ہنگامی صورت حال سے گذر رہے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے پاس تمھیں فروخت کرنے کے لیے کوئی سامان ہو سکتا ہے''۔ سربراہ مردوک نے کہا۔ اس کے چہرے پر اب ناگواری کے تاثرات نظر آنے لگے تھے۔

''میں دھول دیپ میں نو وارد ہوں اور یہاں نیا نیا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں''۔ تاماس نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اگر تمھارے پاس کچھ فاضل گھوڑے ہوں تو مجھے فروخت

کردو۔ میں ان کے لیے تمھیں دوگنی قیمت دے سکتا ہوں"۔

"گھوڑے؟ گھوڑوں کا تم کیا کرو گے؟ شاید تم کو معلوم نہیں ہے کہ متوقع جنگ میں گھوڑے ہی ہماری سب سے بڑی طاقت ہیں۔ ہمارے پاس گھوڑوں کی ویسے بھی کمی ہے اور ہم انھیں باہر سے اور بھی زیادہ تعداد میں خرید کر لانا چاہتے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ جنگ میں ابھی کچھ وقت لگے گا اور باہر سے گھوڑوں کی نئی کھیپ لائی جا سکتی ہے۔ لیکن فی الحال ہمارے پاس مبادلہ کے لیے مہروں کی بھی قلت ہے، اس لیے اس کام میں تاخیر ہو رہی ہے۔ پھر بھی ہمیں امید ہے کہ ہم جلد ہی اس کا انتظام کرلیں گے"۔ مردوک نے اسے بتایا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ تمھاری مہروں کی کمی کو میں پوری کر سکتا ہوں۔ اس کے بدلے تم مجھے بیس گھوڑے دے دو۔ میں تمھیں ان کے لیے جو رقم ادا کروں گا اس سے تم چالیس پچاس نئے گھوڑے خرید سکو گے"۔

سربراہ مردوک تاماس کی بات سن کر تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے تالی بجائی، ایک داس اندر آیا تو اس نے اسے حکم دیا کہ بلارشی سے کہو کہ فوراً یہاں آئے، مجھے اس سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ اس کے جانے کے بعد اس نے تاماس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس سودے کے بارے میں اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔ تم ابھی جا سکتے ہو تاجر تاماس۔ اس کے بارے میں میں تمھیں اب دو دن بعد ہی کچھ بتا سکوں گا"۔

تاماس اٹھا، اس کے لیے احترام ظاہر کرنے کی غرض سے اپنا سر قدرے خم کیا اور فوراً باہر نکل گیا۔ واپس لوٹتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے مردوک کی لالچ کو بیدار کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے اور اب اسے لگ رہا تھا کہ اس کا کام ہو جائے گا۔

دو دن بعد جب وہ اس سے ملا تو معاملہ تقریباً طے ہو چکا تھا۔ وہ اسے بیس گھوڑے فروخت کرنے پر راضی ہو گیا تھا لیکن اس کے لیے وہ اور زیادہ قیمت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ تاماس نے اسے سمجھایا کہ وہ ایک تاجر ہے اور ان گھوڑوں کو آس پاس کے دوسرے مشرقی علاقوں میں جا کر فروخت کرنے پر اسے بھی کچھ منافع ملنا چاہیے۔ اس نے اس بات کا اندازہ کرلیا تھا کہ اب یہ سودا ٹل نہیں سکتا۔ چنانچہ اس نے مزید قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ آخر میں یہ ہوا کہ

سودا اسی قیمت پر طے ہو گیا جو تاماس نے اسے دینے کی پیش کش کی تھی۔ قیمت ادا کر دی گئی اور ودیشیوں کے فوجی سربراہ مردوک نے بیس گھوڑے اس کے سپرد کر دیے۔

(پانچ)

وہ کافی دیر سے ہانیش سیٹھی کا گھر تلاش کر رہا تھا۔ آج موسم کا مزاج بھی کچھ تیکھا تھا۔ اس کے سارے کپڑے اس طرح پسینے سے تر ہو چکے تھے جیسے وہ ابھی ابھی نہا کر آیا ہو۔ لیکن اس کا ہانیش سیٹھی سے ملنا بہت ضروری تھا۔ یہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اسے شک ہو رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو پتہ اسے دیا گیا ہے، وہ غلط ہو۔ یہ خیال آتے ہی اس نے سوچا کہ اسے ہانیش سیٹھی کے بارے میں کسی سے پوچھنا چاہیے۔ وہ اتنا بڑا امیٹھ ہے تو لوگ اس کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے۔ بھٹکتے بھٹکاتے ابھی وہ ایک گلی سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ بالکل سامنے اسے ایک کاسہ گر کی دکان نظر آئی۔ جس کے سامنے کچھ پکے ہوئے اور کچھ کچے برتنوں کو سلیقے سے رکھا گیا تھا۔ کاسہ گر وہیں پر ایک گول پہیے پر مٹی رکھ کر نئے برتن بنانے میں مصروف تھا۔ اس کے پاس ہی ایک برتن میں پانی اور ایک لاٹھی رکھی ہوئی تھی جس سے وہ وقتاً فوقتاً پہیہ گھمانے کا کام لے رہا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ عام طور پر کاسہ گر اپنی دکانیں کسی نہ کسی بڑے تاجر کے گھر کے پاس بناتے ہیں تاکہ ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہو سکے۔ ہر تاجر کو بڑے پیمانے پر دستاویزی تختیوں کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ کوئی نہ کوئی کاسہ گر ہی مہیا کرتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس کاسہ گر سے پوچھنا چاہیے۔ اسے یقیناً ہانیش سیٹھی کے گھر کا پتہ معلوم ہوگا۔

وہ سڑک پار کر کے سیدھے کاسہ گر کے پاس پہنچا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''میں سکرا گاؤں کا ایک کسان ہوں۔ میرا نام مادو ہے۔ میں بڑی دیر سے ہانیش سیٹھی کا گھر ڈھونڈھ رہا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں رہتے ہیں''؟

''تم ان کے گھر سامنے ہی کھڑے ہو مترّ''۔ کاسہ گر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہ سامنے سڑک کے اس پار پیپل کے نیچے انھیں کا گھر ہے''۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسے بتایا۔ ''اور ہاں، اگر تمھیں انو بندھ پٹی کی آوشیکتا پڑے تو میں تمھیں دو گھنٹے میں تیار کر کے دے

سکتا ہوں"۔

"اوشیہ بھراتا۔ پہلے میں ان سے مل لوں۔ پھر جیسا بھی ہوگا تمھیں بتاؤں گا"۔ مادو نے کہا اور نہایت تیزی سے سڑک پار کرنے لگا۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے پاس رکھی لکڑی کی ہتھوڑی سے دروازے پر چوٹ کی تاکہ اندر یہ معلوم ہو جائے کہ دروازے پر کوئی ان کا منتظر ہے۔ اپنے کام میں مصروف کاویا نے یہ آواز سنی تو لپک کر دروازے پر آئی۔ اسے لگا کہ شاید ہانیش واپس آ گیا ہوگا۔ لیکن وہ تو اسے بتا کر گیا تھا کہ وہ آج مہامن سے ملنے والا ہے اور اسے آنے میں رات ہو سکتی ہے، اور ابھی تو سورج بھی نہیں ڈوبا تھا۔ اسی پس و پیش میں اس نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک اجنبی شخص کو کھڑے دیکھا۔ اپنے حلیے اور لباس سے وہ کسی گاؤں کا کسان معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا شاید اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوگی، اس لیے ہانیش سے ملنے کے لیے آیا ہوگا۔ وہ بولی۔ "میں آپ کی کیا سہایتا کر سکتی ہوں"؟

"مجھے ہانیش سیٹھی سے ملنا ہے دیوی"۔ مادو نے اختصار کے ساتھ جواب دیا۔

"وہ تو ابھی گھر پر نہیں ہیں"۔ کاویا نے کہا۔ "اور شاید انھیں آنے میں دیر بھی ہوگی"۔

"یدی آپ انومتی دیں تو میں یہیں باہر چبوترے پر بیٹھ کر ان کی پرتیکشا کرنا چاہتا ہوں"۔ مادو نے نہایت عاجزی سے کہا۔ "میں سکرا گاؤں کا ایک پریشان حال کسان ہوں۔ میرے ساتھ ایک گمبھیر سمسیا ہو گئی ہے اور میں ایسا سمجھتا ہوں کہ سیٹھی اسے سلجھا سکتے ہیں"۔

"تم یہیں چبوترے پر وشرام کرو، میں تمھارے لیے جل پان کی ویوستھا کرتی ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے کاویا گھر کے اندر چلی گئی۔

باہر چبوترے پر بانس کی ایک چارپائی پڑی تھی۔ مادو اس پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کاویا اس کے لیے کچھ کھانا اور پانی لے کر آئی۔ "اسے کھا لیجیے اور کچھ دیر وشرام کر لیجیے۔ مجھے لگتا ہے سوامی کو رات میں زیادہ دیر نہیں ہوگی"۔

"دھنیہ واد دیوی"۔ مادو بولا۔ "میں سچ مچ بہت تھکا ہوا ہوں۔ پرنتو آپ میری چنتا نہ کریں، میں ان کی پرتیکشا کر لوں گا"۔

کاویا کے اندر جانے کے بعد اس نے جل پان کیا، پانی پی کر برتن چارپائی کے نیچے

زمین پر رکھے اور آرام سے لیٹ گیا۔ وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آ گئی۔
سورج کو ڈوبے ہوئے ابھی آدھا پہر بھی نہیں ہوا تھا کہ ہانیش سیٹھی اپنے گھر واپس آ گیا۔ اس نے چبوترے پر کسی اجنبی کو سوتے ہوئے اور کھانے کے کچھ جھوٹے برتن چارپائی کے نیچے رکھے دیکھے تو اسے لگا کہ یہ کاویا کا کوئی پریچت ہوگا۔ اس نے جلدی سے اندر جا کر کاویا سے پوچھا۔ "یہ باہر چبوترے پر کون سو رہا ہے"؟

"سکرا گاؤں سے کوئی کسان آیا ہے۔ اس کا نام مادو ہے"۔ کاویا نے بتایا۔ "کہہ رہا تھا کہ اسے کوئی سمسیا ہے، جسے آپ سلجھا سکتے ہیں"۔

"آج کل تو جسے دیکھو اسے ہی کچھ نہ کچھ سمسیا ہے"۔ ہانیش نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں باہر جا کر اس سے ملتا ہوں۔ آج کل ہر ناگرک کسی نہ کسی کٹھنائی میں ہے۔ دیکھتا ہوں کہ اس کے ساتھ کیا سمسیا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ گھر کے باہر آیا۔ اس نے سوتے ہوئے مادو کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے جگایا تو وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ وہ سمجھ گیا کہ جگانے والا ہانیش سیٹھی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ اٹھا اور بولا۔ "چھما کیجیے۔ تھکا ہوا تھا، نیند آ گئی۔ آپ ہانیش سیٹھی ہی ہیں نا"؟

"ہاں"۔

"میں مادو ہوں۔ سکرا گاؤں کا ایک چھوٹا سا کسان ہوں۔ کل ودیشیوں نے میرے سارے کھیت چھین لینے کی دھمکی دی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں جتنی جلدی ہو سکے گاؤں چھوڑ دوں۔ ان سے لوگ اتنا ڈرتے ہیں کہ کوئی میری سہایتا کے لیے بھی نہیں آیا۔ ان کی بات تو میں مان ہی لوں گا کیونکہ جب ہمارے نگرپالک ہی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو بھلا میں ان سے جھگڑا کر کے کیا کر لوں گا۔ میں نے اپنا سامان تیار کر لیا ہے اور سوچا ہے کہ گاؤں چھوڑ دوں گا لیکن کھلیان میں میرا غلہ پڑا ہوا۔ چاہتا ہوں کہ اس کو بیچ دوں تو کچھ مہریں مل جائیں۔ آپ میری سہایتا کریں اور اسے خرید کر مال اٹھوا لیں اور مجھے ترنت اس کی رقم ادا کر دیں تا کہ میں دل من جا کر اپنے لیے رہنے بسنے کی ویوستھا کر سکوں۔ سنا ہے کہ وہاں یہ کام کم خرچ میں ہو جاتا ہے۔

ہانیش یہ سن کر سوچنے لگا کہ ان ودیشیوں کا آتنک تو دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

اب انھوں نے سکرا گاؤں پر بھی قبضہ جمانے کی سوچ لی ہے۔ اس طرح دھیرے دھیرے چھوٹی بستیوں پر قبضہ کرتے ہوئے وہ دھول دیپ سے قریب ہوتے جا رہے ہیں، جو اس شہر کی حفاظت کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔ وہ دل ہی دل اس اجنبی کا شکر گزار تھا کہ اس نے بروقت یہ اطلاع اس تک پہنچا دی تھی۔ وہ کوشش کرے گا کہ جتنی جلدی ہو سکے نگر پالک سے کہہ کر وہاں کچھ ویر بھیجنے کو کہے تاکہ ان کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس نے اس کے پاس چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے بندھو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں تمھارا اناج خرید لوں گا کیونکہ یہ تو میرا کاروبار ہی ہے اور تمھیں ترنت مہریں بھی ادا کر دوں گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اناج کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟ دوسری بات یہ کہ تم گھبراؤ نہیں۔ میں ایسی ویوستھا کروا دوں گا کہ تمھیں اپنا گاؤں نہ چھوڑنا پڑے۔'' اس نے غلے کی تفصیل سے ہانیش سیٹھی کو آگاہ کیا تو ہانیش نے اس سے کہا۔ ''تم ایسا کرو کہ ابھی ترنت جا کر سامنے کمھار کے گھر سے ایک کچی تختی اور لکھنے والی کیل لے آؤ۔ اس کی دکان تو بند ہو گئی ہو گی پرنتو تم میرا نام بتاؤ گے تو وہ دے دے گا۔ ہم ابھی انوبندھ لکھ لیں گے تو یہ انوبندھ پٹی صبح تک پک کر تیار ہو جائے گی اور ہمارا کام آسان ہو جائے گا''۔

یہ سن کر مادو کاسہ گر کے گھر گیا اور اس سے ایک کچی دستاویزی تختی اور لکھنے کی کیل لے آیا۔ انوبندھ ہانیش سیٹھی نے لکھا۔ اس پر ہانیش نے نیچے اپنا نام لکھا اور کسان نے اس پر اپنی پانچوں انگلیوں کا نشان بنایا۔ یہ کارروائی پوری ہوئی تو ہانیش نے اس سے کہا۔ ''اب اسے جا کر کمھار کو دے آؤ تاکہ وہ صبح صبح اسے پکا کر دے دے۔ رات رات میں تم یہیں وشرام کرو، باقی کی باتیں ہم کل کریں گے''۔

مادو دستاویزی تختی لے کر کمھار کے گھر کی طرف گیا تو ہانیش بھی اپنے گھر کے اندر آ گیا۔ اس نے کاویا سے مہمان کو کھانا بھجوانے کے لیے کہا اور سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

(چھ)

تارن ترن ترن
تارن تانی ترن

تانی تانی تاناں
تنانی تنانی تاناں
تن تنانی تن تنانی
تنانی تنانی تنانی تنانی
تان تان تان
تنانی تنانی تنانی تن تن
تانی تانی تانی
تنانن تنانن
تنانی تنانی
تانی تنی تنی
تارن ترن ترن [۱]

یہ عجیب وغریب سی لیکن کانوں کو بھلی لگنے والی مترنم دھن کسی سریلے گلے سے نکل رہی تھی لیکن اس گلے کا مالک کوئی عام انسان نہیں بلکہ ایک ادھیڑ عمر کا دیوانہ شخص تھا۔ اس کے جسم پر کچھ زخم تھے، جن میں سے کچھ تازہ بھی تھے اور کچھ پرانے بھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے پتھروں سے مارا ہو۔ اس کے سر اور بڑھی ہوئی داڑھی کے سارے بال سفید ہو چکے تھے۔ اس کے تن پر کوئی لباس نہیں تھا۔ البتہ وہ اپنے جسم پر ایک چادر لپیٹے ہوئے تھا جو شاید کسی نیک دل انسان نے اسے سردیوں سے بچنے کے لیے دے دی تھی۔ وہ دھول دیپ کی گلیوں میں ادھر ادھر مارا مارا گھوم رہا تھا۔ کبھی کسی دیوار کے سہارے کھڑا ہو جاتا، کبھی گلی کے درمیان میں لیٹ جاتا اور کبھی سڑک پر کھڑے ہو کر رقص کرنے لگتا۔ لوگ اس سے کبھی اس کے بارے میں کچھ پوچھتے تھے تو وہ جواب میں کچھ نہیں بولتا تھا۔ بس اپنی ہی دھن میں گاتا رہتا تھا۔ ہاں کوئی کھانا کھلانے کو کہتا تو ضرور اس کے ساتھ ہو لیتا اور اس کا دیا ہوا کھانا کھا لیتا۔ شاید اب اسے اپنا نام بھی یاد نہیں تھا۔

---

[۱] ان بولوں کو موسیقار (محترمہ) ڈاکٹر تنوی گوسوامی نے راگ میں ڈھالا ہے۔

تاماس نے آتے جاتے یہ سریلی دھن کئی بار سنی تھی اکثر اس سے اس کا آمنا سامنا بھی ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر اُسے اس پر ترس آتا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ کیا زندگی اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے اپنا معمول بنا لیا تھا کہ جب کبھی وہ اسے دکھائی دیتا تو وہ اسے کچھ مہریں ضرور دے دیتا تھا۔

آج بھی جب اچانک وہ اس کے سامنے آ گیا تو حب عادت اس نے اپنی جیب سے کچھ مہریں نکالیں اور اسے دینے لگا لیکن آج اس نے مہریں لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے بڑی بیچارگی سے اس سے کہا کہ بازار میں مہروں کے بدلے بھی کوئی اُسے کھانا نہیں کھلاتا۔ الٹے گالی دے کر بھگا دیتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اس کی مہریں بھی چھین لیتا ہے۔ تم مجھے بھلے انسان لگتے ہو۔ مجھے اپنے گھر لے چلو اور پیٹ بھر کھانا کھلا دو بس۔ اس کے بعد دو تین دن کھانا نہیں ملے گا تو بھی میرا کام چل جائے گا۔ تاماس ایک ضروری کام سے بازار کی طرف جا رہا تھا لیکن اس کی اس درد بھری فرمائش پر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اُسے ساتھ میں لیا اور اپنے گھر کی طرف واپس لوٹ پڑا۔ گھر وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے اسے باہر کے چبوترے پر بٹھا دیا اور اندر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ جو شخص باہر بیٹھا ہے وہ بہت بھوکا ہے۔ اسے پیٹ بھر کھانا کھلا دو۔ ماں کو یہ کام سونپ کر وہ خود اپنے کام کے سلسلے میں پھر بازار کی طرف چلا گیا۔

سوناری کھانا لے کر اس کے پاس پہنچی تو اسے دیکھ کر بری طرح چونک گئی۔ یہ تو بالکل اس کا بچھڑا ہوا بھائی تارن لگ رہا تھا۔ بکھری ہوئی سفید داڑھی میں چھپا ہوا اس کا جھریوں سے بھرا چہرہ کچھ مختلف ضرور ہو گیا تھا لیکن سوناری کو اسے پہچاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے کھانا وہیں چبوترے پر ایک طرف رکھ دیا اور زور زور سے روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ وہ ادھیڑ دیوانہ شخص اس کی اس حرکت پر ہکا بکا سا اسے دیکھ رہا تھا۔ سوناری نے جب اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے اس سے کہا کہ تم مجھے پہچان نہیں پا رہے ہو کیا۔ میں تمھاری بہن سوناری ہوں تارن، تو اسے جیسے کچھ یاد آنے لگا۔ وہ بولا ''میں۔۔۔میں۔۔کیا میں تارن ہوں۔ کیا تم میری بہن ہو۔۔۔نہیں میری کوئی بہن نہیں ہے''؟

''ہاں تارن، تم تارن ہو اور میں تمھاری بہن سوناری ہوں۔۔کیا تمھیں کچھ بھی یاد

نہیں، ہے؟

"مجھے بہت بھوک لگی ہے دیوی۔ بس کھانا کھلا دو۔ اس کے بعد میں چلا جاوں گا"۔
اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بیچارگی سے کہا۔ اس کے چہرے پر اب بھی شناسائی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

سوناری اس کے پاس بیٹھ گئی۔ تارن کے لیے اس کی محبت پھٹی پڑ رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے لقمے بنا بنا کر اسے کھانا کھلانے لگی۔ وہ ہر لقمے کے ساتھ غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتا، جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن اسے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے پانی پیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک مدت سے کسی نے اس سے اتنے پیار بھرے لہجے میں بات چیت نہیں کی تھی۔ وہ خوشی سے نہال تھا اور شاید اسی خوشی کی وجہ سے روئے جا رہا تھا۔ اچانک اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری بہن، کیا نام تھا اس کا، نام تو اب کسی کا بھی مجھے یاد ہی نہیں رہتا۔ ہاں، میں تمھیں بتا رہا ہوں نا کہ میری بہن کو مائل کے گام پتی نے چرا لیا ہے دیوی"۔ یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولا۔ "میں اسے مار ڈالوں گا۔۔۔۔ کیا تم میری بہن کو جانتی ہو۔ کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو"؟

"میرے بھائی تارن، تمھاری بہن تمھارے سامنے بیٹھی ہے۔ میں ہی تمھاری بہن سوناری ہوں اور تم مجھے پہچان ہی نہیں رہے ہو"۔ سوناری نے کہا۔

"مجھے تو اپنا نام بھی یاد نہیں ہے دیوی"۔

سوناری اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رونے لگی۔ دیر تک دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے روتے رہے۔ سوناری اسے بار بار یاد دلانے کی کوشش کی رہی تھی لیکن جیسے وہ اس کی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ بس وہ سوناری سوناری کی رٹ لگائے ہوئے تھا اور روئے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور بولا۔ "اب جاتا ہوں دیوی۔ مجھے سب لوگ بہت مارتے ہیں۔ دیکھو میرا پورا شریر گھایل ہو گیا ہے"۔ اس نے اپنی چادر ہٹا کر اپنا جسم اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ "بھوک بھی بہت لگتی ہے۔ بس کبھی کبھی مجھے کھانا کھلا دیا کرو"۔

"تم اب کہیں نہیں جاوگے تارن۔ تم اب میرے ہی پاس رہوگے"۔ سوناری نے کہا۔

"میں تمھیں روز تمھاری پسند کے پکوان کھلاوں گی۔ لیکن اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں، وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی دھن میں گاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

"تارن ترن ترن۔

تارن ترن ترن"۔

کچھ دور تک سوناری اس کے پیچھے بھاگی لیکن پھر کچھ سوچ کر واپس اپنے گھر لوٹ آئی۔

اس شام جب تاماس گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی ماں اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی رو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا۔ تیز تیز قدموں سے اس کے پاس پہنچ کر پوچھا۔

"تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے ماں، تم آج اپنے کنیا آشرم بھی نہیں گئیں"؟

"ارے بیٹا تم آ گئے۔۔۔ میں نے دیکھا ہی نہیں۔۔ بیٹھو، مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے"۔

"ہاں بولو ماں"۔ تاماس نے بےچین ہوتے ہوئے کہا۔

"تم دوپہر میں جس شخص کو گھر لائے تھے، وہ تمھارا ماما تارن ہے"۔ سوناری نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا"؟ حیرت سے اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔

"ہاں، بیٹا، دل من میں آنے والی باڑھ کے دنوں میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے۔ بعد میں ہم ملے اور کچھ دن ساتھ ساتھ بھی رہے۔۔۔ اگر تمھیں یاد ہو تو میں نے تمھیں ال بابلون میں اس کے بارے میں بتایا تھا۔ اس زمانے میں میں بہت ڈری ہوئی تھی۔ اس لیے کہ جس شخص نے مجھے پناہ دی تھی میں اسے بھلا آدمی سمجھتی تھی، لیکن وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کا نام اہوراج تھا۔ ماہل گام کا رہنے والا اور وہاں کا گام پتی۔ اسی نے مجھے لے جا کر ال بابلون میں بیچا تھا، جہاں میری خوش قسمتی سے تم پیدا ہوئے اور میری تنہائی دور ہوئی۔ یہ میرا بھاگیہ ہی تھا جس نے مجھے ال بابلون پہنچا دیا تھا اور میرا بھائی تارن بےیار و مددگار یہیں رہ گیا۔ اس کی حالت دیکھی ہے تم نے۔ جانے اس بیچ اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہوگا۔۔۔ اہوراج تو نرک میں جائے گا، پتہ نہیں زندہ بھی ہے کہ مر گیا"۔

اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ بولی۔ "میں نے کھانا کھلانے کے بعد اسے

روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ تو جیسے میری بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ بس بار بار میری طرف دیکھ رہا تھا اور آسمان کو تکے جا رہا تھا۔ اسے اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ یاد بھی نہیں ہے۔ اسے اپنا نام تک یاد نہیں۔۔۔۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ملے گا۔ میرے بیٹے کسی طرح اسے تلاش کرو اور سمجھا بجھا کر اسے میرے پاس لے آو۔ وہ میرے پاس رہے گا تو دھیرے دھیرے اسے سب یاد آ جائے گا"۔ یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تھوڑی وقفے بعد پھر وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی "تم کسی بھی طرح اسے لے آو۔ میں چاہتی ہوں کہ اب وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہے"۔

تاماس کے لیے یہ ساری باتیں حیران کر دینے والی تھیں۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ جس پر اسے رحم آ رہا تھا وہ اس کا اپنا ماما تارن ہے۔ اب اُسے سمجھ میں آیا کہ اُسے دیکھ کر اس کے من میں کیوں ہلوریں اُٹھتی تھیں۔ اسے بھی اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ اس کا کھویا ہوا ماما اور اس کی ماں کو اپنا بھائی مل گیا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی پریشان تھا۔ کیا اس کے ماما تارن کو دوبارہ سب کچھ یاد آ پائے گا۔ کیا وہ اس کی ماں کو پہچان پائے گا۔ اسے لگا زندگی میں ایسے اتفاقات ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ سب ممکن ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی ماں سے وعدہ کیا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ وہ جلد ہی اسے تلاش کر لے گا اور سمجھا بجھا کر اسے گھر لے آئے گا۔ پھر ہم کسی اچھے معالج سے اس کا علاج بھی کروائیں گے"۔

یہ سن کر سوناری کو اطمینان ہوا اور وہ اپنے کنیا آشرم جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔

(سات)

دھول دیپ کی سربراہی میں لوتھل بندر، کُنتاسی، الادنو، چاہو دارو، ما گرا اور سر کوتادا کی مشترکہ فوج اب جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ نگر پالک جارو دیوا نے تاماس کو اس مشترکہ فوج کی کمان سونپ کر مہاویر کی حیثیت سے اس کا تقرر کر دیا تھا۔ تاماس پچھلے دو مہینے سے اپنے ویروں کو گھڑ سواری، تیر اندازی تلوار بازی اور چکے بازی کے گر سکھا رہا تھا۔ اور اب اس کے ویر کسی بھی حالت میں ان ودیشیوں سے لڑنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ اس نے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے جنگ کی فرضی مشقیں بھی کرائی تھیں تاکہ کسی بھی مرحلے میں ان سے کوئی

چوک نہ ہونے پائے۔ اس نے اس جنگ کے لیے ایک خفیہ حکمت عملی بھی ترتیب دی تھی، جس کے بارے میں اس نے صرف نگر پالک کو بتایا تھا۔ یہ حکمت عملی اس کے طویل جنگی تجربے کی روشنی میں ترتیب دی گئی تھی اس لیے اُسے امید تھی کہ اس جنگ میں کامیابی اس کے قدم چومے گی۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کی فوج ودیشیوں سے مقابلہ کرنے کی اہل ہے۔ وہ مسئلہ اب بھی برقرار تھا کہ ایک طرف مکمل طور پر تربیت یافتہ جوان تھے اور دوسری طرف نومشق ویر۔ لیکن تاماس کو کم از کم اس بات کا یقین تھا کہ جس حکمت عملی کے تحت اس نے اس جنگ کو لڑنے کا ارادہ کیا ہے، وہ کامیاب ہوگی اور ان ودیشیوں کو شکست کا منھ دیکھنا پڑے گا۔

اس نے نہایت خفیہ طور پر اپنی فوج کو حکم دیا تھا کہ وہ آدھی رات کے بعد، جب دشمن بے خبر سو رہے ہوں، جنگل کے اس حصے کو چاروں طرف سے گھیر لیں، جہاں ودیشیوں نے پڑاو ڈال رکھا تھا۔ یہ مرحلہ آسانی سے طے ہوگیا تھا۔ اس نے سورج نکلنے سے ایک پہر پہلے جب تاریکی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی اور سورج کی روشنی اب بھی زمین پر پڑنے کی منتظر تھی، اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

تاماس کی سربراہی میں جب اس کے ویر دشمنوں کے خیموں کو اجاڑ رہے تھے تو انھوں نے حیرت سے دیکھا کہ وہاں تمام خیمے خالی تھے۔ دشمن کا ایک فرد بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ تاماس سمجھ گیا کہ یہ دشمنوں کی چال ہے۔ شاید انھیں ہمارے محاصرے کی خبر پہلے سے ہی ہوگئی تھی اور وہ جا کر جنگلوں میں کہیں چھپ گئے تھے۔ یہ بات کئی معنوں میں خطرناک تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہوشیار اور پوری طرح مستعد ہوں گے۔ یعنی جلد ہی انھیں ان کے حملے کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

اس نے اپنے زمین شناسوں کو حکم دیا کہ وہ یہ معلوم کریں کہ اس وقت دشمن کی سرگرمیاں کس طرف ہیں۔ ان ماہرین نے تاماس کا حکم ملتے ہی زمین سے اپنے کان لگا دیے۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سننے کی کوشش کرتے رہے، اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔۔ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں ہمیں سنائی دے رہی ہیں۔ اس سے ہمارا اندازہ ہے کہ وہ مغرب کی جانب بس تھوڑے ہی فاصلے پر گھات لگا کر چھپے

ہوے ہیں۔

مشرق سے سورج نمودار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔انھیں کوئی قدم اٹھانے کے لیے جلد ہی فیصلہ کرنا تھا۔لیکن ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچ پاتے کہ مغرب کی جانب سے انھیں دھول اڑتی نظر آئی۔دشمنوں کے گھڑسوار ہوا کی رفتار سے ان کی طرف آ رہے تھے۔ان کا حملہ بالکل اچانک تھا۔وہ اپنی خود اعتمادی کے زعم میں بے خوف ان کی فوج کے درمیان گھس گئے اور ان کے ویروں کو اپنی تلواروں کے نشانے پر لینے لگے۔لیکن تاماس بھی یہی چاہتا تھا۔ان کے پہلے ہی حملے میں اس کے دو ڈھائی سو ویر کام آ چکے تھے۔لیکن اس نے اپنے ویروں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ انھیں اِدھر اُدھر دوڑا کر بری طرح تھکا دیں۔ان کی تازہ دم فوج پہاڑی کے آڑ میں پوشیدہ اس انتظار میں تھی کہ کب انھیں تاماس کا اشارہ ملے اور وہ تھکے ہوے ودیشیوں کے لشکر پر حملہ کریں۔

اپنی حکمت عملی کے تحت اس نے اپنی نصف فوج پہاڑیوں کے پیچھے رکھی ہوئی تھی۔جیسے ہی اس نے دیکھا کہ اس کے دشمن اور ان کے گھوڑے تھک رہے ہیں، اس نے اپنے چھپے ہوے ویروں کو اشارہ کر دیا۔یہ حملہ غیر ملکیوں کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔اسی بیچ تاماس نے مردوک کو دیکھا جو اس کی طرف پیٹھ کیے اپنے گھڑسواروں کو ہدایات دے رہا تھا۔تاماس آگے بڑھا اور اس پر حملہ کر دیا۔اس نے پلٹ کر دیکھا تو اپنے پیچھے تاماس کو پایا۔اسے دیکھ کر وہ ہکا بکا تھا۔یہ تو وہی تاجر تھا جو کچھ روز پہلے اس سے گھوڑے خریدنے کے لیے آیا تھا۔اسے فوراً احساس ہوا کہ اس شخص نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔

وہ غدار غدار چیختے ہوے غصے میں تاماس کی طرف لپکا۔اور دونوں میں دوبدو جنگ ہونے لگی۔دونوں گھوڑے پر سوار تھے۔دونوں تربیت یافتہ جنگ جو تھے۔چنانچہ دونوں کے درمیان کافی دیر تک تلوار بازی ہوتی رہی۔ایک ایسا موقع آیا کہ مردوک کی نظر چوک گئی اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر نیچے زمین پر گر گئی۔تاماس نے اس پر حملہ کیا اور اس کی تلوار اس کے بائیں بازو کو زخمی کر گئی۔لیکن اسی وقت اس کے کچھ گھڑسواروں نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا اور وہ تاماس کے ہاتھوں مرنے سے بچ گیا۔

لیکن مردوک کو زخمی دیکھ کر اس کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور میدان سے ان

کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ تاماس کے پیدل ویروں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر کر اپنے تیروں کی زد میں لے رکھا تھا۔ اس نے اس موقعے کا فائدہ اٹھایا اور اپنے تمام گھڑ سواروں کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جنگ کا یہ منظر دیکھنے کے لائق تھا۔ تاماس کے ویروں کے حوصلے بلند تھے۔ وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ دشمنوں کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ بالآخر وہ ایک ایک کر کے میدان چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔ تاماس نے تھوڑی دیر مردوک کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اب اس کا کہیں اتا پتہ نہیں تھا۔ شاید اس کے محافظ اسے لے کر کہیں دور چلے گئے تھے۔

دھول دیپ کی مشترکہ فوج نے تاماس کی رہنمائی میں بالآخر اپنے طاقت ور دشمنوں کو شکست دے دی تھی۔

(آٹھ)

دھول دیپ کی جنگ سے جان بچا کر بھاگے ہوئے ان ودیشیوں نے ابھی ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ اس خلاف توقع شکست سے رنجیدہ ضرور تھے لیکن وہ کسی بھی صورت میں ایسا زرخیز علاقہ چھوڑ کر جانے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر پا رہے تھے، جو ان کے اور ان کے جانوروں کے لیے کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے انھوں نے خشکی کے راستے ایک طویل مسافت طے کی تھی۔ جنگ سے اپنی جان بچا کر جن لوگوں نے جنگل میں پناہ لی تھی ان کی تعداد دو سوا دو سو کے آس پاس رہی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دھول دیپ کی فوج نے، جنھیں وہ احمق، کمزور اور بے بس سمجھ رہے تھے، ان کو اچھا خاصا نقصان پہنچا دیا تھا۔ اب اس نئی صورت حال میں ان کے سامنے مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ان کے افراد خاندان اور ان کے عزیز ترین جانور بڑی تعداد میں اب بھی شہر میں تھے۔ ان کے لیے پہلا ضروری کام یہی تھا کہ وہ کسی طرح انھیں بہ حفاظت شہر سے باہر لے آئیں۔

وہ اس بات سے بھی حیران تھے کہ ان کے دشمنوں کے پاس نہ صرف گھوڑے اور جدید ترین ہتھیار تھے بلکہ ان کی توقع کے خلاف وہ گھڑ سواری کے فن اور ان ہتھیاروں کے استعمال سے بھی بخوبی واقف تھے۔ اس جنگ میں ان کا سربراہ مردوک بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ فرار کرلانے میں کامیاب ضرور ہو گئے تھے لیکن اس کے زخموں کو دیکھتے

ہوے ایسا لگ رہا تھا کہ اب اس کا بایاں بازو شاید ہی دوبارہ کام کر سکے۔ اس کو لگنے والے زخم گہرے معلوم ہو رہے تھے اور اس کے صحت یاب ہونے میں خاصا وقت لگنے کا امکان تھا۔ انھیں فوری طور پر ایک نئے سربراہ کی ضرورت تھی جو ان کی رہنمائی کر سکے، لیکن اپنے روایتی ضابطوں کے مطابق وہ ایک سربراہ کے زندہ رہتے کسی دوسرے کو اپنا سربراہ نہیں بنا سکتے تھے۔ اس کے لیے وہ مردوک کے خیمے میں جمع ہوے اور باہم مشورہ کیا۔ مردوک اور سب لوگوں نے مل کر متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ عارضی طور پر اس شرط کے ساتھ ایک سربراہ منتخب کیا جائے کہ جیسے ہی مردوک کی طبیعت سنبھلے گی وہ اس کے حق میں اپنے عارضی عہدے سے دست بردار ہو جائے گا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور بلارشی کو جو ان میں سب سے زیادہ ذی فہم، باشعور اور شجاع تھا اپنا عارضی سربراہ منتخب کر لیا۔

بلارشی ایک ہوشیار جنگ جو تھا۔ اس بات کو اب وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ ڈھول دیپ نے خفیہ طور پر اپنی طاقت میں کافی اضافہ کر لیا ہے اور اب اس شہر کے بارے میں اس طرح سے نہیں سوچا جا سکتا تھا جیسے ہم لوگ ابھی تک سوچ رہے تھے۔ اس سے مقابلہ آرائی کے لیے اس وقت ہماری قوت ناکافی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ محتاط رہا جائے اور کوشش کی جائے کہ ابھی کسی صورت میں ان سے دوبارہ ٹکراو کی نوبت نہ آنے پائے۔ اس کے ساتھیوں کے افراد خاندان اور ان کے تمام جانور شہر کے اندر تھے۔ فی الحال اسے ان کو بخیر و خوبی باہر لانے کا منصوبہ ترتیب دینا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ طے کیا کہ دن کی روشنی میں جب فصیل شہر کے پھاٹک کھلے ہوے ہوں اور چوکی داروں کی سختی کم سے کم ہو، ہم میں سے کچھ لوگ ایک ایک کر کے مقامی لوگوں کا بھیس بدل کر شہر میں داخل ہو جائیں۔ پھر رات میں کسی وقت پہرے داروں کو غافل کر کے یا انھیں سوتے میں مار کر، ہم میں سے کوئی خاموشی سے پھاٹک کا دروازہ کھول دے اور نہایت خاموشی اور احتیاط کے ساتھ ہم اپنے اپنے افراد خاندان اور جانوروں کو ساتھ لے کر شہر کے باہر نکل آئیں۔ اس نے اپنے اس منصوبے کو خفیہ رکھا۔ یہ بات صرف ان لوگوں کو معلوم تھی جو اس میں متحرک رہ کر کام کرنے والے تھے۔ وہ رات کی تاریکی میں نہایت خاموشی سے اپنا مال و اسباب، اپنے جانور اور اپنے افراد خاندان کو باہر لے آنے میں کامیاب رہے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کہ اس کامیابی کے پس

پشت ان کی کاوشوں سے زیادہ مہامن چارودیوا کے اس حکم نامے کا ہاتھ تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اگرودیشی ناگرک اپنے افراد خاندان کو یہاں سے لے جانے کی کوشش کریں تو انھیں ایسا کرنے دیا جائے۔

اور اب ایک قافلے کی شکل میں انھوں نے شمال کی جانب کوچ کر دیا تھا۔ ان کا ارادہ کسی ایسی بستی کی تلاش کا تھا، جہاں وہ اپنے لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام کرسکیں۔

وہ ہار ضرور گئے تھے لیکن اپنے قوی اور ناقابل تسخیر ہونے کا ان غرور اب بھی ٹوٹا نہیں تھا۔ ان کا حوصلہ اب بھی برقرار تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ دوران سفر ان کے راستے میں جو پہلی بستی آئے گی وہ اس پر حملہ کر کے اپنے قبضے میں لے لیں گے اور وہاں رہتے ہوئے رفتہ رفتہ اپنے نقصان کی تلافی بھی کریں گے اور دھول دیپ سے انتقام لینے کی تیاری بھی۔ وہ فوری طور پر مغرب کے اپنے دوستوں سے رابطہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی مدد سے نئے گھوڑے اور ہتھیار حاصل کیے جاسکیں اور اس بار پوری تیاری سے دھول دیپ پر حملہ کر کے اسے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیں۔

تین کوس کی مسافت طے کرنے کے بعد انھیں ایک چھوٹی سی بستی اُمری گال ملی، جو ایک بلند پہاڑی سلسلے اور سرسوتی ندی کے درمیان واقع تھی۔ اس بستی میں بہ مشکل دو سو گھر رہے ہوں گے۔ یہ جگہ انھیں اپنے مطلب کی لگی۔ ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف ندی ہونے کی وجہ سے یہ جگہ تحفظ کے نقطہ نظر سے اچھی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس شہر پر اچانک دھاوا بول دیا۔ وہ سارے شہر کو اس طرح تاراج کر رہے تھے جیسے دھول دیپ میں اپنی ہار کا بدلہ اس چھوٹی سی بستی سے لے رہے ہوں۔ سب سے پہلے انھوں نے وہاں کے مکھیا کو تلاش کر کے قتل کیا اور بستی کے رہنے والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے ان سے کہا کہ آج کے بعد سے وہی اس بستی کے مالک ہیں۔ اگر وہ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو خوشی سے رہیں اور اگر کہیں جانا چاہتے ہیں تو جاسکتے ہیں۔ ناگرکوں نے ان کے مظالم دیکھے تھے اس لیے ان میں سے بیشتر نے اسی میں اپنی عافیت سمجھی کہ اپنی جان بچانے کے لیے اس بستی کو چھوڑ کر کسی اور شہر یا بستی کی جانب رخ کریں۔

اُمری گال میں اپنے قدم جمانے کے بعد اب وہ اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کی

تدابیر سوچنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

(نو)

مہرشی سپت منو کی عمر کا اندازہ لگانا آسان نہیں تھا۔ کچھ لوگ ایسا سمجھتے تھے کہ وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن اب ان کے سر اور داڑھی کے سارے بال سفید ہو چکے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے قویٰ میں بھی اب پہلے کی سی مضبوطی نہیں رہی۔ وہ کافی عرصے سے دل من کی بازآبادکاری کے اپنے منصوبے کے لیے وسائل فراہم کرنے میں سرگرم تھے لیکن ابھی تک ان کا یہ خواب ان کی مرضی کے مطابق شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا تھا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ ایک بار پھر اس شہر کو اس کی عظمت رفتہ کے ساتھ دیکھ سکیں۔ اس کے لیے انھوں نے گھور تپسیا کر کے دیوتاوں کو آمادہ اور اپنے پتا پرم پوجیہ مہادیو سے یہ وردان تو حاصل کر لیا تھا کہ دل من کی بازآبادکاری ممکن ہو گی۔ لیکن ایک طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی یہ نگر ابھی تک غیر آباد تھا۔

سیلاب عظیم اور اس کے بعد میں آنے والی وباوں کے طفیل وہاں اب ایک بھی شخص باقی نہیں بچا تھا جسے وہاں کا ناگرک کہا جا سکتا۔ اس کے برخلاف یہ ہوا تھا کہ پانی کے اتر جانے کے بعد جو چند خاندان وہاں آباد بھی ہوئے تھے، وہ بھی وبا کے دنوں میں اس شہر کو خیرباد کہہ کر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے اور وہ دل من، جس کا ایک شاندار ماضی تھا اور جس کے بارے میں شہرت تھی کہ وہ دیوتاوں کی پسندیدہ سرزمین ہے، اب محض اِدھر اُدھر بکھری ہوئی اینٹوں اور دیواروں میں جمے ہوئے کائی زدہ پتھروں کا محض ایک ڈھیر تھا جہاں ہواوں کی سائیں سائیں، دریائے سندھ کی کل کل کی آواز، پرندوں کی نیم مردہ چہچہاہٹ اور جنگلی جانوروں کی وحشت ناک آوازوں کے شور کے علاوہ کوئی انسانی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

لیکن وہ حوصلہ اب بھی نہیں ہارے تھے۔ وہ ہار بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کی کوششیں اب بھی جاری تھیں۔ انھیں اپنی کوششوں اور مہادیو کے آشیرواد پر پورا وشواس تھا۔ انھیں اب بھی اس بات کی امید تھی کہ مہادیو کا آشیرواد بیکار نہیں جا سکتا اور ایک نہ ایک دن دل من پھر اپنی سابقہ شان و شوکت حاصل کر سکے گا۔

ان کے من میں اب بھی یہ دھن سمائی ہوئی تھی کہ وہ دل من کو دوبارہ آباد کریں گے۔ اس کے لیے وہ بستی بستی اور شہروں شہروں گھوم کر وہاں کے لوگوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اب دل من میں کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے اور وہ چاہیں تو وہاں چل کر رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے وہ انھیں طرح طرح کی لالچ بھی دے رہے تھے۔ رفتہ رفتہ انھیں اپنی اس مہم میں کامیابی ملنے لگی تھی اور وہ تمام لوگ جو کہیں بھی بے سروسامانی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے، دل من کا رخ کرنے لگے۔ جہاں زرخیز زمینیں تھیں، بنے بنائے مکانات موجود تھے جن کی معمولی مرمت کے بعد انھیں رہنے کے لائق بنایا جا سکتا تھا۔ بنی بنائی سڑکیں اور گلیاں تھیں جو صاف کرنے کے بعد پھر سے استعمال ہو سکتی تھیں۔

کچھ تو اپنی تباہ حالی اور کچھ شہروں میں ودیشیوں کے مظالم، ان کی غیر قانونی سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بھی وہ کسی پرسکون جگہ کی تلاش میں تھے۔ دل من ان کے لیے ایک بہتر متبادل تھا۔ پھر مہرشی سپت منو کے یقین دہانیاں بھی اپنا کام کر رہی تھیں۔ اور کچھ لوگ دل من کی طرف روانہ بھی ہونے لگے تھے۔ دل من کی جانب سفر کرنے والوں میں امری گال کے وہ لوگ پیش پیش تھے، جنھیں ودیشیوں نے ان کی بستی سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شروع میں تو پریشانی ہوئی لیکن ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر اور لوگ بھی اب دل من کی طرف رخ کرنے لگے تھے۔ کچھ صاحب ثروت لوگ بھی جو سکون کی تلاش میں تھے، اب دل من میں آباد ہونے کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔ جو لوگ وہاں پہنچ گئے تھے انھوں نے مل جل کر وہاں کی شہر فصیل کو درست کیا اور مسمار عمارتوں کی مرمت کر کے اپنے رہنے کے لائق بنایا اور آرام سے رہنے لگے۔

دل من رفتہ رفتہ آباد ہو رہا تھا۔

اہوراج

(ایک)

اہوراج اب صرف لڑکیوں کی خرید فروخت کا کاروبار کرتا تھا۔ اس نے اب شریف دکھائی دینے کا ڈھونگ ترک کر دیا تھا اور قریب و دور یہ بات اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور کس طرح کے کام کرتا ہے۔ لوگوں کے من میں اس کے لیے نفرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی تھا، اس لیے عام طور پر کوئی بھی شخص اس کے بارے میں کوئی بات کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اس درمیان اس نے اپنی قوت میں بھی کافی اضافہ کر لیا تھا۔ اب وہ اپنے علاقے کا تسلیم شدہ بڑا غنڈہ تھا، جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا خمیازہ جان دے کر چکانا پڑ سکتا تھا۔ اس کے زیر سرپرستی کام کرنے والوں کی تعداد اب پچاس سے تجاوز ہو چکی تھی، جو مختلف شہروں اور بستیوں میں رہ کر یا وہاں جا کر اس کے لیے لڑکیاں تلاش بھی کرتے تھے، ان کے خریدنے کا انتظام بھی کرتے تھے اور اگر یہ ممکن نہ ہوا تو ان کے اغوا کی منصوبہ بندی بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس داس اور داسیوں کی بھی خاطر خواہ تعداد تھی۔

قانون سے بھی اب اسے کوئی خاص ڈر نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے اپنے تجربے سے ثابت ہوا تھا کہ آپ کی جیب میں وافر مقدار میں سونے چاندی کی مہریں ہوں تو دنیا میں ہر مشکل سے باہر نکلا جا سکتا ہے۔ اب اسے پورا یقین تھا کہ سونے چاندی کی چمک دمک دکھا کر کسی کو بھی خریدا جا سکتا ہے، نگر پالک کے ویر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ اس نے اس پر عمل

کر کے بھی دیکھا تھا۔ ماضی میں جب بھی اسے کسی ایسی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، تو اپنے آپ کو یا اپنے آدمیوں کو اس پریشانی سے باہر لانے کے لیے اس نے ویروں کو اتنی رقم دی جو ان کے تصور سے بالاتر تھی اور اس کا کام آسانی سے ہوگیا تھا۔ ان میں سے اکثر ایسے بھی تھے جو اس کے اشارے پر کچھ بھی کر گزرنے کے لیے بھی تیار رہتے تھے۔

لڑکیاں مختلف اوقات میں الگ الگ گاوں سے خرید کر یا اغوا کر کے لائی جاتی تھیں، جنھیں وہ اپنے طے شدہ گاہکوں کو یک مشت ادائیگی کے عوض فراہم کر کے مہر یں لے لیتا تھا اور وہ لوگ انھیں فوراً دوسرے ملکوں میں لے جا کر غلاموں کی حیثیت سے فروخت کر دیتے تھے۔ اپنی اس تجارت کو پھلتے پھولتے دیکھ کر اس نے اپنے مال کے رہنے کے لیے اپنی رہائش گاہ سے ملحق الگ سے ایک گھر بنوالیا تھا۔ اس کی بیوی سکھدا کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو چکا تھا، اس لیے وقتاً فوقتاً اس کی طرف سے اس کے کام میں ہونے والی رخنہ اندازی اب نہیں رہ گئی تھی۔ اب وہ پوری طرح آزاد اور بے لگام تھا۔ اس کی تحویل میں رہنے والی یہی لڑکیاں اس کی عیاشی کا ذریعہ بھی تھیں اور تجارت کا مال بھی۔ ویسے اب اس کی عمر اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ شوق اور نت نئے جسم کی طلب کے باوجود پہلے کی طرح عورتوں کا استعمال اب اس کے بس کا روگ نہیں رہ گیا تھا۔ ہاں ہفتے دس دن میں ایک آدھ بار وہ اپنی تحویل کی کسی لڑکی کے ساتھ اپنا یہ شوق پورا کر لیتا تھا۔

ان تمام سہولتوں کے باوجود وہ اپنا ہر کام احتیاط سے انجام دینے کا قائل تھا۔ ہر وقت چوکنا رہنا اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ کیونکہ وہ بلا وجہ کے مشکلوں میں پڑ کر اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ہر شخص پر اپنے دشمن ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس خطے میں انسانوں کی خرید و فروخت ایک ناجائز اور جوکھم بھرا کام ہے، یہاں اس کے لیے سخت قوانین موجود ہیں، اور وہ کسی بھی وقت قانون کے شکنجے میں آ سکتا ہے، لیکن خطروں سے کھیلنا جیسے اس کا شوق بن گیا تھا۔ اسے اب کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا تھا اور نہ کسی مسئلے کے سامنے آ جانے پر وہ ہمت ہارتا تھا۔ موت بھی اب اس کے لیے خوف ناک نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ زندگی میں جتنی عیاشی کی جا سکتی ہے وہ اسے میسر رہی ہے تو اب زندگی ختم بھی ہو جائے تو اسے کوئی گلہ نہیں ہے۔ ایک طرف تو اسے اپنے

صاحب رسوخ ہونے کا بڑا زعم تھا، اور یہ یقین بھی کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی ہمت نہیں کر سکتا، دوسرے وہ اپنا کام اتنی احتیاط سے کرتا تھا کہ قانون کے رکھوالوں کو اس کی بھنک تک نہیں لگ پاتی تھی۔

ودیشیوں کے اس خطے میں آنے کی وجہ سے اسے نئے گاہک مل گئے تھے اور اس کا کاروبار کافی چمک گیا تھا۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں غلام اور لونڈیوں رکھنے کے عادی تھے لیکن یہاں آنے کے بعد حالات کی نامساعدت کے باعث انھیں اپنی اس روایت کو جاری رکھنے میں کافی دقتوں کا سامنا کر پڑ رہا تھا۔ اہوراج کی ان سے ملاقات اتفاقاً ہو گئی تھی۔ لیکن وہ انھیں ایک ہی نظر میں اپنے مطلب کا آدمی لگا تھا۔ جب انھوں نے اس کے کاروبار کے بارے میں معلومات کی تو معاملات طے ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ایک فریق کو ضرورت تھی اور دوسرا اس ضرورت کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ چنانچہ جہاں اسے ایک لڑکی کی خرید و فروخت میں کبھی ہفتوں اور کبھی مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا وہاں اب ان لوگوں کی ضرورتوں کے تحت اسے ایک ہی بار میں کئی لڑکیاں مہیا کرنی پڑتی تھیں۔ اس کے علاوہ عام حالات میں وہ ایک لڑکی کا سودا سونے کی آٹھ سے دس مہروں میں کیا کرتا تھا وہاں اب اسے ایک لڑکی کے پچاس سے ساٹھ مہریں آسانی سے مل جاتی تھیں۔ مال کی قیمت اس کی عمر، قد کاٹھی اور رنگ روپ کی بنیاد پر طے کی جاتی تھی۔

کاروبار سے ملنے والے منافعے کا کچھ حصہ وہ ان وسائل پر بھی صرف کرنے لگا تھا جن کے ذریعے اسے لڑکیاں مہیا کی جاتی تھیں۔ وہ اپنے لیے کام کرنے والوں کو بھی اچھا معاوضہ ادا کرتا تھا۔ اس کا کاروبار اب کافی آسان ہو گیا تھا اور ظاہر ہے اس سے اس کی آمدنی میں بھی بہت تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اب وہ محض ایک چھوٹے سے گاؤں کا گام پتی ہی نہیں تھا بلکہ ایک ایسے گروہ کر سرغنہ بھی بن چکا تھا جو اس کی سرپرستی میں غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس گروہ میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ اسے ایسا لگنے لگا تھا کہ جیسے وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنی دولت کے بل پر خرید سکتا ہے۔ وہ بدزبان بھی تھا۔ عام لوگوں سے اب وہ سیدھے منھ بات نہیں کرتا لیکن اپنے مطلب کے لوگوں سے چاپلوسی کرنا اسے بخوبی آتا تھا۔

گاہکوں کے سامنے وہ بھیگی بلی بن جاتا اور ہمیشہ اپنی بیچارگی کا رونا رہتا تاکہ وہ اسے اس کے مال کی زیادہ سے زیادہ قیمت چکا دے۔ اب اسے اس دنیا میں کوئی دوسری چیز قابل قدر یا لائق احترام نظر نہیں آتی تھی۔ بڑے سے بڑے تاجر کو اب وہ حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا تھا اور کسی سے بلا وجہ ملنا اور بات کرنا بھی اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ صرف ان لوگوں میں ہی مصروف رہنا چاہتا تھا جو اس کی تجارتی سرگرمیوں کے ہم کار یا اس کے گاہک تھے۔ اس نے لوتھل بندر، دھول دیپ، راکھی گرھی اور چاہو دارو جیسے بڑے شہروں میں اپنے تجارتی مراکز تعمیر کر لیے تھے، جہاں سے اس کے آدمی اس کی غیر قانونی تجارتی سرگرمیوں کو انجام دیتے تھے۔

(دو)

یہ ایک خوش گوار شام تھی۔ گذشتہ دو دنوں سے آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کسی بھی وقت تیز بارش ہو سکتی تھی۔ اہوراج سوچ رہا تھا کہ یہ موسم تو شراب کے مزے لینے کا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اسے شراب کی طلب ستانے لگی۔ اس نے داس کو آواز دے کر کہا کہ وہ اس کے لیے شراب اور ٹھنڈا پانی لے آئے اور خود اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

عین اسی وقت جب اس کا داس اُس کے لیے شراب لینے کے لیے جا رہا تھا، بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ داس دروازے کی طرف چل پڑا تاکہ دیکھے کہ وہاں کون ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کے کمرے میں آیا۔ اہوراج نے اسے خالی ہاتھ دیکھا تو اس کی بھنویں تن گئیں۔ داس نے دیکھا کہ اس کے مالک کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے تو جلدی سے بولا۔ ''دروازے پر کوئی ودیشی آپ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ میں نے اس سے بعد میں آنے کو کہا، پرنتو وہ کہہ رہا ہے کہ وہ بنا ملے ہوئے واپس نہیں جائے گا''۔

حالانکہ اسے یہ مداخلت بیجا بہت بری لگی تھی لیکن ودیشی کا نام سن کر وہ کچھ نرم پڑ گیا تھا۔ اسے لگا کہ ممکن ہے وہ کوئی بڑی کاروباری پیش کش لے کر آیا ہو۔ اس لیے اس نے داس سے کہا کہ اسے اندر لے کر آئے۔ جیسے ہی وہ ودیشی اندر آیا، اس نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ اس نے اخلاقاً اس سے پوچھا ''تمھارے آنے کے پہلے میں شراب پینے جا رہا تھا، کیا تم بھی لینا پسند کرو گے''۔

''میں کام کے وقت شراب نہیں پیتا''۔ ودیشی نے درشت لہجے میں اس کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے کہا۔''اس وقت میں ایک بہت ضروری اطلاع دینے کے لیے اور اپنے سربراہ بلارشی کا ایک اہم پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں''۔

''میں سننا چاہتا ہوں''۔ اہوراج نے کہا۔

''تمہیں یہ سوچنا شاید مل چکی ہوگی کہ پچھلے دنوں دھول دیپ اور ہمارے بیچ جو جنگ ہوئی تھی، اس میں بدقسمتی سے ہمیں ہار کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ مجبوراً ہم جنگ کے میدان سے فرار ہو کر اس علاقے میں آئے ہیں اور تمہاری سہایتا چاہتے ہیں''۔ آنے والے ودیشی دوت نے اپنی روداد سناتے ہوئے کہا۔

''میں تم لوگوں کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں''۔ اہوراج نے پوچھا۔

دوت نے کہا۔ بات یہ ہے کہ ہمیں بڑی سنکھیا میں ایسی سندر لڑکیوں کی آوشیکتا ہے، جو بدھی مان بھی ہوں اور اُچت مولیہ لے کر ہمارے لیے کچھ بھی کام کرنے کو تیار ہو جائیں''۔

''سندر لڑکیاں اور بدھی مان؟...سندر لڑکیاں تو کیول مزا کرنے کے لیے ہوتی ہیں بھراتا۔ کیا اس کے اتی رکت بھی ان سے کوئی کام لیا جا سکتا ہے''؟ اہوراج زوردار قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔''پرنتو ودیشیوں کا تو کام کرنے کا ڈھنگ ہی نرالا ہے''۔ اس نے دیکھا کہ اس کو ہنستے دیکھ کر دوت کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ اس نے فوراً جھینپتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس سے کیا۔ تم وشواس کرو۔ میں پورا پریاس کروں گا کہ تمہارے لیے ایسی لڑکیاں اُپلبدھ کرا سکوں''۔

''دوسری بات یہ ہے''۔ دوت نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''ہم نے تمہارے گاؤں سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع امری گال بستی پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہاں کے بہت سے لوگ ہمارے ڈر سے پہلے ہی گاؤں چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں، لیکن ان کی بڑی تعداد اب بھی وہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں چلنے والی ہماری سرگرمیوں کا کسی کو علم نہ ہونے پائے، اس کے لیے اس گاؤں کا مقامی باشندوں سے پوری طرح خالی ہونا بے حد ضروری ہے۔ یہ کام ہم خود بھی کر سکتے ہیں لیکن فی الحال ہم کوئی تنازعہ کھڑا کرنا نہیں چاہتے کہ لوگ بلاوجہ ہماری جانب متوجہ ہوں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس گاؤں کو پوری طرح خالی کروانے میں تم

ہماری سہایتا کرو"۔ دوت نے کہا۔"تم اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اپنے طریقے سے کچھ ایسا کریں کہ وہ خوشی خوشی گاؤں چھوڑ کر چلے جائیں"۔

"ہاں میں یہ کام کر سکتا ہوں"۔ اہوراج نے کہا۔"لیکن اس میں میرا کیا فائدہ ہوگا"؟ ماہل پتی اہوراج اپنے مطلب کی بات پر آ گیا تھا۔

"تمہارا یہ ماہل گام بھی عنقریب ہماری مملکت کا حصہ بن سکتا ہے"۔ ودیشی دوت نے کہا۔"لیکن ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یدی تم ہماری سہایتا کرو گے تو ہم اس علاقے سے دور رہیں گے اور تم ہمیشہ یہاں کے خود مختار حاکم بنے رہو، اس میں ہم تمہاری مدد کریں گے"۔

"وہ تو میں پہلے سے ہی ہوں اور اپنی ہی طاقت کے بل پر آگے بھی بنا رہوں گا"۔ اہوراج نے کہا۔"اس کے لیے مجھے کسی کی سہایتا کی آوشیکتا نہیں ہے۔ میں اس بات کو نہیں مانتا کہ میرا ماہل گام کبھی تمہاری مملکت کا حصہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تمہیں مجھ سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اور یہ علاقہ چارودیوا اور اریک شا جیسے بزدل اور کمزور لوگوں کی سرپرستی میں نہیں ہے۔ یاد رکھنا کہ اس کا مالک میں ہوں۔ میں اہوراج۔ یہ بستی کیول میری ہے۔ بغیر کسی کے ساجھے کے۔ اگر تم لوگوں سے کاروبار کی یہی شرط ہے تو یہ شرط مجھے سویکار نہیں ہے"۔

"اس سے زیادہ کچھ کہنے کا حق مجھے نہیں دیا گیا ہے"۔ ودیشی نے کہا۔"میں تمہاری باتیں اُمری کال پالک تک پہنچا دوں گا، اس کے بعد اُن کی مرضی"۔ اس نے آگے کہا۔"ان کے فیصلے کی خبر جلد ہی تمہیں مل جائے گی"۔

اہوراج کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ اس کا نشہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ فکر مند ہو گیا تھا۔ جو ہو رہا تھا اس کی بنیاد پر اسے مستقبل کے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔

(تین)

لوتھل بندر میں جب سے اہوراج کے ہاتھوں دل من کے ایک مشہور تاجر اوریش مہاجن کا قتل ہو گیا تھا، اس نے وہاں جانا ترک کر دیا تھا اور کبھی اگر اس کا جانا ضروری ہوا بھی تو وہ اپنا بھیس بدل کر اتنے خفیہ طریقے سے وہاں جاتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ وہ جانتا تھا کہ اوریش مہاجن لوتھل پالک کا دوست تھا اور وہ اس کے قتل کو آج بھی نہیں بھول سکا ہے۔

مہامن اریک شا بوڑھے ضرور ہو چکے تھے اور عیاشی کی کثرت نے ان کی صحت کو نقصان بھی پہنچایا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی اپنی مملکت پر پوری گرفت تھی۔ لوتھل کے ناگرکوں کو ان کے ذریعے کیے گئے اچھے کام اب بھی یاد تھے۔ وہ ان کی عیاشی کو پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ان بری عادتوں کو ترک کر دیں لیکن وہ ان کے فلاحی کاموں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے اور اسی کی وجہ سے ان کی بے راہ رویوں کے باوجود ان کے دل میں ان کے لیے احترام تھا۔ حالانکہ ان کی مملکت کا زیادہ تر کام اب ان کا بیٹا دھانک شا، جسے انھوں نے اپنا مہا کرتا مقرر کر دیا تھا، دیکھتا تھا، لیکن شہر کا نظم و نسق انھوں نے اب بھی اپنے ہی ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔

لوتھل بندر میں اب بہت کچھ بدل چکا تھا۔ ودیشیوں کی آمد و رفت نے نگر کے تحفظ کو ایک مسئلہ بنا دیا تھا۔ وہ طاقت ور ہونے کے ساتھ ساتھ ہوشیار بھی تھے اور کوئی بھی غیر قانونی کام اس طرح کرتے تھے کہ انھیں قانون کی گرفت میں نہ لیا جا سکے۔ لیکن اس خطے کی مشترکہ فوج سے شکست کے بعد ان کی سرگرمیوں میں بڑی حد تک کمی آ گئی تھی۔ شہر میں اب کبھی کبھار ہی کوئی ودیشی دکھائی دیتا تھا۔ شہر کی تجارتی سرگرمیاں بھی اب رفتہ رفتہ پٹری پر آ رہی تھیں۔ حالانکہ غیر ملکی تاجروں کی آمد و رفت میں کمی آنے سے یہاں کی معیشت پر برا اثر پڑا تھا۔ ان غیر ملکی تاجروں میں سے اکثر کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اب لوتھل بندر ودیشی تاجروں کے لیے محفوظ نہیں رہ گیا ہے۔ ان سب کے نتیجے میں لوتھل اس وقت اپنی معاشی مندی کے برے دور سے گذر رہا تھا۔

اپنے ودیشی ساتھیوں کے مشورے پر اہوراج آج پھر لوتھل آیا تھا۔ یہاں پر اسے کچھ اپنے کام کرنے تھے اور کچھ اپنے دوستوں کے۔ وہ اپنے مقامی کارکنوں سے مل کر اس بات کا جائزہ لینا چاہتا تھا کہ کیا اس کا کوئی امکان ہے کہ کچھ تربیت یافتہ لڑکیوں کو نگر پالک کے محل اور ان کے اکابرین کی کوٹھیوں میں داخل کیا جا سکے، تاکہ وہ وہاں کی باتیں خفیہ طور پر اس کے دوستوں تک پہنچا سکیں۔ یہ کام اسے بہت احتیاط کے ساتھ کرنا تھا۔ ویسے اسے یقین تھا کہ چونکہ ایک عرصے سے اس شہر میں اس کا آنا جانا نہیں رہا ہے، اس لیے اس کے پہچاننے والے بھی اب برائے نام ہی بچے ہوں گے۔ پھر بھی وہ بہت محتاط تھا۔

اس نے اپنا حلیہ کسی ودیشی کی طرح بنا رکھا تھا تاکہ کوئی اس کی شناخت نہ کر سکے لیکن اس کام میں اس کی مہارت کی کمی کا واضح اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت اور جسمانی ساخت ودیشیوں سے بالکل میل نہیں کھا رہی تھی۔ چنانچہ راستے میں ملنے والا ہر شخص اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اہوراج کو بھی اپنی اس غلطی کا احساس ہو رہا تھا اور وہ جلد سے جلد اپنے کمرے میں پہنچ کر اپنے حلیے کو درست کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسی بیچ ایک ویر نے، جسے لوتھل کی حفاظت کے لیے تیار کیے گئے دستے میں شامل کیا گیا تھا، اسے دیکھا تو چونک گیا۔ اسے یہ شکل کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔ مگر ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اس شخص کو اس سے پہلے کب اور کہاں دیکھا ہے۔

وہ ویر آج کی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے اپنے گھر جا رہا تھا۔ اس وقت تو وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا لیکن جب اپنے گھر میں وہ دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا تو اچانک اسے یاد آیا کہ یہ تو وہی بدنام زمانہ تاجر اہوراج ہے، جس نے کئی برس پہلے دل من کے تاجر اور مہامن کے متر اوریش مہاجن کا قتل کیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور فوراً کوٹ کی طرف دوڑا، تاکہ نگر پالک اریک شا کو اس کی خبر دے کہ اس وقت نگر میں ان کے متر اوریش مہاجن کا تبیارا اہوراج موجود ہے۔

لوتھل پالک اس وقت کھانا کھانے کے بعد آرام کر رہے تھے۔ ویر کے اصرار پر انھیں اطلاع دی گئی تو انھوں نے اسے وہیں بلا لیا۔ ویر نے اندر آ کر کہا۔ ”مہامن کی جے ہو۔ آپ کی ندرا میں ویودھان اتپن کرنے کے لیے چھما چاہتا ہوں۔ پرنتو سماچار ایسا ہے کہ میرا ترنت آپ سے ملنا آوشیک تھا“۔

”سماچار سے اوگت کراو ویر“۔ مہامن بولے۔

”آپ کو یاد تو ہوگا کہ اب سے لگ بھگ بیس پچیس برس پہلے آپ کے ایک متر اوریش مہاجن کی تبیا ہو گئی تھی۔ وہی جو دل من کے واسی تھے۔ چھان بین کے بعد پتہ چلا تھا کہ اہوراج نام کے کسی وکیتی نے اس کا ودھ کیا ہے، جو فرار ہو کر ودیش چلا گیا ہے۔ وہ اہوراج اس سمے ودیشیوں کے بھیس میں لوتھل میں گھوم رہا ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے اسے مہاپتھ پر جاتے ہوئے دیکھا ہے“۔

''اسے دیکھے ہوئے تمھیں کتنی دیر ہوئی'؟ مہامن نے پوچھا۔

''آدھا پہر ہوا ہوگا مہامن''۔

''تو اتنی دیر تک تم کیا کر رہے تھے؟ تم نے ہمیں یہ سماچار ترنت کیوں نہیں دیا'؟

''بات اتنی پرانی تھی کہ مجھے اسے پہچاننے میں کافی دیر لگی مہامن''۔ ویر نے کہا۔ ''اسے دیکھ کر مجھے ایسا اوشیہ پرتیت ہوا کہ جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ پرنتو پر یاس کے پشچات بھی مجھے کچھ یاد نہیں آیا کہ یہ کون ہے اور میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی، جب میں دوپہر کا بھوجن کر رہا تھا، اچانک مجھے یاد آیا کہ یہ تو اہوراج ہے اور میں ترنت ہی بھاگا بھاگا آپ کے پاس آیا ہوں''۔

مہامن اریک شا نے تالی بجائی۔ دروازے پر کھڑا ہوا ایک ویر اندر آیا۔ نگر پالک نے اسے کہا۔ ''مہا کرتا دھانک شا سے کہو کہ وہ ترنت ہم سے ملے''۔ اس کے جانے کے بعد وہ بولے۔ ''یدی وہ پکڑا جاتا ہے تو تمھیں پرسکرت کیا جائے گا ویر۔ اب تم جا سکتے ہو''۔

''مہامن کی جے ہو''۔ کہتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔

مہا کرتا اور مہاویر کی مشترکہ کوششوں سے اہوراج کو اسی دن گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت وہ اپنی عارضی رہائش گاہ میں تھا اور آرام کر رہا تھا۔

اسے گرفتار کرنے والے ان ویروں کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ کوئی ان کی بھی نگرانی کر رہا ہے۔ کچھ فاصلے سے ایک لڑکی بھی سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس نے جب اہوراج کو گرفتار ہوتے دیکھا تو پہلے تو اس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے، جب اسے اس کارا گار کا پتہ چل گیا جہاں اسے رکھا گیا تھا، تو وہ وہاں سے بھاگی، کیونکہ اس کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ اطلاع اپنے سربراہ امری کال پالک بلارشی تک پہنچانی تھی کہ اہوراج ان کا کام کیے بغیر ہی یہاں گرفتار ہو گیا ہے اور اگر اس نے اپنی زبان کھول دی تو ہمارے لیے کئی طرح کی مشکلیں کھڑی ہو سکتی ہیں۔

لوتھل پالک نے اہوراج کو پکڑ لیا ہے، یہ خبر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جیسا کہ سب کو امید تھی، اہوراج کو لوتھل پالک اریک شا کی نیائے پنچایت نے موت کی سزا سنائی تھی اور ایک ہفتے بعد اسے مہاپتھ کے چتش پتھ پر تمام ناگروں کے سامنے

رسی پر لٹکایا جانے والا تھا۔لیکن اس موقعے کے آنے کے ایک دن پہلے ہی کارا گار پر دس بارہ اجنبی نقاب پوشوں نے حملہ کیا اور وہاں پر تعینات ویروں میں سے کچھ کو مار کر اور کچھ کو زخمی کر کے وہ اہوراج کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ اس کوشش میں ان کے اپنے دو لوگ بھی مارے گئے تھے۔

(چار)

اہوراج کو اس بات کا تو اندازہ تھا کہ اس کے ودیشی متر اُسے کسی بھی قیمت پر بچانے کی کوشش کریں گے لیکن اسے یہ امید نہیں تھی کہ وہ یہ کام اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے کر لیں گے۔ وہ حیران تھا کہ انھیں اس کی گرفتاری کی خبر بھی مل گئی اور ان کے لوگ اسے بچانے کے لیے بھی آ گئے۔ حالانکہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا لیکن وہ ان کی منصوبہ بندی اور کام کرنے کے ڈھنگ سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ ان ودیشیوں نے جو خطرناک کام اس کے سپرد کیا ہے وہ شاید اس کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا ہوگا۔

ودیشی اسے چھڑا لینے کے بعد اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی مدد سے امری گال لائے تھے۔ وہاں اس کی ملاقات بلارشی سے کروائی گئی، جس نے پہلے تو اس کی بداحتیاطی پر اسے خوب پھٹکارا لیکن بعد میں اس نے اپنے اِس اہم مہمان کی خاطر مدارات میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں رہنے دی۔ اسے یہ بات کسی بھی صورت قبول نہیں ہو سکتی تھی کہ اہوراج جیسا کام کا آدمی اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اہوراج نے حالات سازگار دیکھے تو بلارشی سے اپنے گاوں جانے کی اجازت طلب کی۔ وہ اس واقعے سے کافی ہل گیا تھا اور چاہتا تھا کہ کچھ دن اپنے گھر میں رہ کر آرام کرے۔ اس پر بلارشی نے اسے سمجھایا کہ ابھی تمھارا آزادی سے اِدھر اُدھر گھومنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ تم کچھ دن ہمارے ساتھ رہو۔ جب یہ معاملہ پوری طرح رفع دفع ہو جائے گا تو ہم خود تمھیں تمھارے گاوں پہنچا دیں گے۔ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ یہاں پر تمھیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

یہاں رہتے ہوئے اسے ایک مہینہ ہو چکا تھا۔ اس بیچ بلارشی کے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ لوتھل اور آس پاس کے علاقوں میں حالات معمول پر آ گئے ہیں اور ویروں کے

قاتلوں اور اہوراج کے فرار کرانے والوں کی تلاش کا معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا ہے تو اس نے اہوراج کو اپنے سواروں کے ساتھ بہ حفاظت تمام ماہل گام پہنچا دیا۔

اپنے گاؤں میں وہ اپنے آپ کو زیادہ محفوظ تصور کرتا تھا۔ کیونکہ اس علاقے میں اس کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ اب اس نے اپنی پوری توجہ اپنے کاروبار میں صرف کرنی شروع کی۔ ودیشیوں کو دس ایسی لڑکیاں درکار تھیں جو بہت حسین و جمیل ہوں اور اسے جلد از جلد ایسی لڑکیاں تلاش کر کے انھیں ان لوگوں کے سپرد کرنا تھا۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے آدمیوں کو لگا دیا تھا جو الگ الگ گاؤں اور بستیوں میں جا کر خوب صورت لڑکیوں کی تلاش کر رہے تھے۔ ان کی شناخت ہو جانے کے بعد ان کے اغوا یا انھیں خریدے جانے کا عمل شروع کیا جانا تھا۔ اسی دوران اسے اس کے آدمیوں نے اطلاع دی کہ دھول دیپ میں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی دیکھی گئی ہے، جس کی رنگت بھی گوری ہے، سمجھ دار بھی ہے اور خوب صورت جسمانی ساخت کی مالک بھی۔ اہوراج کو لگا کہ یہ لڑکی اگر ہاتھ لگ جائے تو اسے اس کی اچھی قیمت مل سکتی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ اس کے آدمیوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ نگر پالک چارو دیوا کے کسی قریبی شخص کی بیٹی ہے اور اس کا حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔

لیکن اس میدان کے تجربے کار کھلاڑی کو لڑکیوں کا اغوا کرنا کوئی مشکل کام نہیں لگتا تھا اور اس نے اس کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔

(پانچ)

لوتھل بندر سے اڑتے اڑتے یہ خبر دھول دیپ میں ہانیش سیٹھی تک بھی پہنچی تھی کہ وہاں پر ماہل گام پتی اہوراج کو پچیس برس پہلے ہونے والے اوریش مہاجن کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے اور اسے سزائے موت سنائی گئی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ یہ اوریش مہاجن کوئی اور نہیں اس کے پتا تھے، جو دل من میں آئی باڑھ کے زمانے میں ان سے بچھڑ گئے تھے۔ اسے یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ ودیشیوں نے حملہ کر کے اہوراج کو قید خانے سے رہا کرا لیا ہے اور اب وہ لاپتہ ہے۔ اس وقت وہ کہاں ہے، کسی کو نہیں معلوم تھا۔

یہ خبر اس کے ایک قریبی دوست نے اسے دی تھی۔

جس وقت اس دوست نے آ کر اسے یہ خبر سنائی تھی، دھول دیپ کے مہا کرتا اس کی رہائش گاہ پر مہاویر تاماس اور اس کے ساتھ مل کر ودیشیوں کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے منصوبہ سازی کر رہے تھے۔ وہاں ہانیش کی بیٹی شوریا بھی موجود تھی جو نہایت سلیقے سے تمام مہمانوں کے لیے جل پان کو بندوبست کر رہی تھی۔

اہوراج اور اوریش مہاجن، ان دونوں کا نام سن کر تاماس کو لگا کہ یہ دونوں نام اس نے بھی اپنی ماں سے کبھی بار سنے ہیں۔ اسے یاد آیا کہ اس کی ماں نے اوریش مہاجن کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ اس کے پتا ہیں اور اہوراج کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اب وہ ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھا۔ خبر دینے والے نے ہانیش سیٹھی سے کہا تھا کہ اوریش مہاجن اس کے پتا تھے اور ماں نے بتایا تھا کہ وہ اس کے پتی اور تاماس کے پتا تھے۔ وہ حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ کیا یہ شخص جو، دھول دیپ کا سب سے بڑا تاجر ہے اور جو اس وقت اس کے سامنے بیٹھا ہوا ہے، اور جسے وہ ہانیش سیٹھی کے نام سے جانتا ہے، اس کا سگا بھائی ہے؟

اس کے جذبات بے قابو ہو رہے تھے۔ اس سے رہا نہیں گیا تو ہانیش سے پوچھ بیٹھا۔

''پر یہ متر، میں نے ابھی سنا کہ اوریش مہاجن آپ کے پتا تھے۔ کیا یہ بات سچ ہے''؟

''ہاں، تم نے بالکل ٹھیک سنا، میرے پتا کا نام اوریش مہاجن تھا، جو دل من پالک کے ایک کرتا اور ایک بڑے ویاپاری تھے، ان کا کاروبار مغرب میں ال بابلون اور مصر تک پھیلا ہوا تھا۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا کہ ورشوں پہلے اہوراج نام کے کسی ویکتی نے لوتھل بندر میں ان کی ہتیا کر دی تھی''۔

''تمھیں شاید یہ جان کر آشچریہ ہوگا میرے متر، پرنتو میری ماں نے بھی مجھے بتایا تھا کہ میرے پتا کا نام اوریش مہاجن ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ دل من کے ایک بڑے ویاپاری تھے''۔ تاماس نے کہا۔ ''پرنتو میرا جنم ال بابلون میں ہوا تھا اور میرے پتا نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا''۔

''تمھاری ماتاجی کا کیا نام ہے''۔

''سوناری''۔

یہ سن کر ہانیش اپنی جگہ سے اٹھا اور تاماس سے لپٹ گیا۔''میرے بھراتا، ہم اتنے دنوں سے ساتھ ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم بھائی ہیں۔سوناری میری ماتاجی کا نام ہے''۔ ہانیش خوشی سے بوکھلا سا گیا تھا اور الفاظ اس کے گلے میں اٹک رہے تھے۔اس نے بہ مشکل کہا۔''میں ان کے لیے سدیو چنتت رہا۔یہ سب چھوڑو، ہم یہ وارتا پھر کریں گے۔ابھی میں ترنت ماتاجی سے ملنا چاہتا ہوں۔کرپا کر کے مجھے ان کے پاس لے چلو''۔

اس کے ساتھ ہی ان دونوں نے مہا کرتا سیوادر سے معذرت کرتے ہوئے اجازت چاہی۔وہ بھی ان دونوں کی باتیں سن کر حیران تھے اور دو بھائیوں کے ملن پر انھیں بھی خوشی ہو رہی تھی۔اس کے ساتھ ہی اسے یہ بات دھول دیپ کی حق میں لگ رہی تھی کہ یہ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔

ہانیش سیٹھی اور تاماس تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے تاماس کے گھر پہنچے۔اس وقت سوناری گھر کی ایک داسی کے ساتھ مل کر گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹا رہی تھی۔اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا تاماس کسی اپریچت مہمان کو ساتھ لے کر گھر میں داخل ہو رہا ہے تو سب کام چھوڑ کر وہ اپنے کپڑے درست کرنے لگی۔اس نے مہمان کا لباس دیکھ کر اندازہ لگایا کہ اس کا تعلق ضرور نگر پالک کی راج سبھا سے ہوگا۔اس نے کھانستے ہوئے تاماس سے پوچھا۔''بیٹا تاماس، یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟۔۔۔تم نے پہلے سے نہیں بتایا ورنہ میں ان کے سواگت کا اُچت پربندھ کر لیتی''۔

''ماتے، تم سویم پہچاننے کا پریاس کرو کہ یہ کون ہے''؟

لیکن اس سے پہلے کہ سوناری ہانیش کو پہچانتی وہ دوڑ کر'ماتے' کہتے ہوئے اس سے لپٹ چکا تھا۔اس نے پہلی ہی نظر میں اپنی ماں کو پہچان لیا تھا۔وہ ماں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔سوناری حیران تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک اسے کیا ہو گیا ہے۔بالآخر ہانیش نے خود کو سنبھالا۔اور آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو ہاتھ سے پونچھتے ہوئے کہا۔''ماتے، میں تمھارا پتر ہانیش ہوں۔

''کیا''؟ سوناری یہ نام سن کر چونک گئی۔''تم ہانیش ہو''؟

ایک طویل عرصے کے بعد ماں بیٹے کے ملن کا یہ منظر عجیب تھا۔ دونوں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، دونوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اپنے بارے میں دوسرے کو ساری تفصیل بتائے اور اس سے پوچھے کہ اتنے دنوں میں اس کے ساتھ کیا کیا ہوا، بیتے دن کیسے گذرے؟ لیکن دونوں کی زبانوں کو چپ سی لگ گئی تھی اور جذبات کی شدت میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بول پا رہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ سوناری کو اس کا بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا تھا جس کے بارے میں کافی عرصہ پہلے ہی وہ یہ کہہ کر اپنے من کو تسلی دے چکی تھی کہ وہ دل من کی باڑھ میں ڈوب کر مر گیا ہوگا۔ آج برسوں بعد وہ بیٹا زندہ حالت میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اسے اپنی بوڑھی آنکھوں اور قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اپنے بیٹے کو پھر اس سے ملا دینے کے لیے وہ دیوتاؤں کی شکر گزار تھی۔

(چھ)

دھول دیپ کے دیوایتن کے صحن میں آج بہت بھیڑ تھی۔ نگر کے دوسرے دیوایتنوں کے پروہت اور پجاری بھی اس بھیڑ میں شامل تھے۔ یہ سماچار کوئی سادھارن سماچار نہیں تھا کہ مہا تپسوی مہرشی سپت منو اس نگر میں آنے والے ہیں۔ ان کے اگردوت نے یہاں آ کر یہ شبھ سماچار دیا تھا۔ اگردوت نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ پہلے یہاں موجود بھکتوں کو پروچن دیں گے اور پھر کسی خاص مقصد کے تحت دھول دیپ پالک چارودیوا سے ملاقات بھی کریں گے۔ نگر کے لوگ اس مہا گیانی رشی کے درشن کرنے کے بھی خواہش مند تھے اور ان کی شبھ وانی سننے کے لیے بھی بےچین تھے۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ مہرشی سپت منو کو مہادیو کا وردان حاصل ہے اور ان کی عظمت کے چرچے تینوں لوکوں میں ہو رہے ہیں۔

ٹھیک سے پہر مہرشی سپت منو نے دیوایتن کے احاطے میں ایک طرف بنے اونچے چبوترے پر قدم رکھا۔ انھوں نے سامنے موجود بھیڑ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور دیووانی میں سے کچھ پڑھنا شروع کیا۔ لوگ ہمہ تن ان کی جانب متوجہ تھے۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ وہ کسی ایسی زبان میں کچھ پڑھ رہے ہیں جو ان کے لیے بالکل اجنبی ہے۔

لوکانام توویٔ ورد ھیر تھم ئکھ باہورویادتہ

براہمنم چھتریم ویشیم شودرم چہ نرورتیم

اس کے بعد انھوں نے وہاں موجود تمام لوگوں کو پاپ سے ہمیشہ دور رہنے اور پُنیہ کے کام کرتے رہنے کی تلقین کی۔ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اس سے سنسار گھور ادھرتھ کی اور جارہا ہے۔ ہمیں اس کے سدھار کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ ہمیں سنسار سے پاپوں کا ناش اور پنیہ کا پرچار کرنا ہوگا۔

آپ لوگوں نے دیوتاؤں کے پریہ نگر دل من کے بارے میں تو اوشیہ ہی سنا ہوگا۔ وہاں آنے والی تباہی سے بھی آپ لوگ ان بھگیہ نہیں ہوں گے، ایسا میں مانتا ہوں۔ کس پرکار وہاں تباہی آئی، کس پرکار وہاں کی دھرتی اور آکاش دونوں کو کرودھ آیا، کس پرکار وہاں سہسروں جن کال کا گراس بن گئے اور کس پرکار وہ سندر نگر نشٹ ہوگیا۔ ہمیں ایسی گھٹناؤں سے سیکھ لے کر اپنے بھوشیہ کو سدھارنا چاہیے اور پاپ کاریوں سے بچتے ہوئے پنیہ کے کام کرتے رہنا چاہیے''۔

انھوں نے وہاں موجود لوگوں پر ایک بار پھر نظر دوڑائی۔ انھوں نے دیکھا کہ لوگ دھیان سے ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ وہ ہاتھ اٹھا کر انھیں سمجھاتے ہوئے بولے۔

''جب جب دھرتی کے کسی بھاگ میں پاپ کا بوجھ بڑھ جاتا ہے تو دیوتاؤں کو کرودھ آتا ہے اور وہ اس دھرتی کو نشٹ کر دیتے ہیں۔ دل من کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ میں تم لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب میری تپسیا سے پرسن ہو کر پرم پتا مہادیو نے مجھے درشن دیے تو انھوں نے مجھے دل من کو پھر سے بسانے کا وردان دیا۔ اتہ میری آپ سب لوگوں سے کربدھ پرارتھنا ہے کہ جو لوگ آسانی سے دل من کو دوبارہ بسانے میں میرا سہیوگ کرنا چاہتے ہوں وہ دل من کی اور پرستھان کریں۔ آپ لوگوں کو گیات ہونا

---

[1] دنیا میں انسانوں کی نسل میں افزائش کے لیے برہما نے اپنے منھ، اپنے بازو، اپنے سینے اور اپنے پیروں سے بالترتیب برہمن، چھتریہ، ویشیہ اور شودر کی تخلیق کی (منوسمرتی باب اول شلوک ۳۱)

چاہیے کہ وہاں کی دھرتی سونا اگلتی ہے۔ وہاں کے جنگل کھادیہ سامگری سے پری پورن ہیں۔ وہاں پشوؤں کی بہتات ہے۔ میں آپ سب کو وشواس دلاتا ہوں کہ اس دیو بھومی میں پہنچنے اور وہاں آکر بسنے کے پشچات کوئی ننگا بھوکا نہیں رہے گا"۔

اس کے بعد اس پروچن سبھا کے ختم ہونے کا اعلان کیا گیا اور مہرشی وشرام کے لیے دیو ایتن کے اندر چلے گئے۔

(سات)

تیسرے پہر جب وہ اٹھے تو ان کا رخ سیدھے نگر پالک چارو دیوا کے محل کی طرف تھا۔ محل میں رشیوں منیوں کو کوئی بھی پہرے دار روک نہیں سکتا تھا ایسا مہامن چارو دیوا کا حکم تھا۔ اس لیے وہ بغیر کسی روک ٹوک کے سیدھے اندر چلے گئے۔ انھوں نے مہامن کے کمرے کے پاس پہنچ کر انھیں آواز دی۔

"چارو دیوا، اٹھ کہ تیرے دوار پر سپت منو کھڑا ہے"۔

مہامن اس وقت بیٹھے اپنی مہاپالنی متالی سے گفتگو کر رہے تھے۔ جیسے ہی انھوں نے یہ آواز سنی لپک کر دروازے پر پہنچے۔ انھوں نے وہاں مہرشی کو دیکھا تو فوراً ان کے سامنے جھک گئے، ان کے چرن اسپرش کرنے کے بعد احترام کے ساتھ انھیں اندر لے کر آئے۔ مہاپالنی متالی نے بھی ہاتھ جوڑ کر انھیں پرنام کیا اور دونوں کھڑے کھڑے ان کے آدیش کا انتظار کرنے لگے۔

"وتس، میں اس سمے تمھارے پاس ایک وشیش پریوجن سے آیا ہوں۔ آشا ہے مجھے نراش نہیں ہونا پڑے گا"۔ مہرشی نے کہا۔ "اچھا ہوا کہ اس سمے مہاپالنی بھی یہاں اپستھت ہیں"۔

"مہرشی آدیش کریں۔ جو میری سامرتھیہ میں ہوگا اوشیہ کروں گا"۔ مہاپالک نے کہا۔

"میں آدیش دینے نہیں تم سے انورودھ کرنے آیا ہوں وتس، کہ دل من کے پنر ادھار میں میری سہایتا کریں اور وہاں کے وہ سمست آواس اور انیہ بھون پنہ بنوا دیں جو سندھو کے پرکوپ کا شکار ہو گئے ہیں اور اب تو اس یوگیہ نہیں رہ گئے ہیں"۔

یہ سن کر نگر پالک چارو دیوا سوچ میں پڑ گئے۔ انھوں نے ایک نظر مہاپالنی پر ڈالی۔

پھر بڑی بیچارگی سے مہرشی کی طرف دیکھا۔ ان کے حساب سے یہ کام ان کی حیثیت سے بڑھ کر تھا۔ مہرشی جس کام کے لیے کہہ رہے تھے وہ ان کی نگر سیما کے باہر کا بھی تھا۔ دل من ان کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایک دوسرا نگر تھا جو یہاں سے کافی فاصلے پر بھی تھا۔ وہ ابھی یہی سب کچھ سوچ رہے تھے کہ انتر درشتا مہرشی سپت منو نے ان سے کہا۔ ''مجھے مہادیو کا وردان پراپت ہے وتس، کہ میں اس نگر کا پنرادھار کروں۔ اتہ تمھیں پریشان ہونے کے آوشیکتا نہیں کہ یہ نگر تمھارے ادھیکار چھیتر سے باہر کا ہے۔ میرا وشواس کرو کہ دیولوک کے سمست دیوتا اس نگر کے پنرادھار کے سمرتھن میں ہیں۔ تمھیں کیول دھن کی ویوستھا کرنی ہوگی۔ باقی کے کام کی چنتا تم کو نہیں کرنا ہے۔ وہ سب میں سویم دیکھ لوں گا''۔

مہاپالنی متالی نے مہامن کو اشارے سے کہا کہ ہمیں مہرشی کی بات مان لینی چاہیے۔

تھوڑے سے توقف کے بعد وہ بولے۔ ''مہرشی، بھلا میں آپ پر اوِشواس کرکے پاپ کا بھاگی دار کیسے بن سکتا ہوں۔ میں آپ کو وشواس دلاتا ہوں کہ دل من کے پنرواس کے لیے آپ کو دھن کی کمی نہیں ہونے دی جائے گی۔ آپ کو جتنے دھن کی آوشیکتا ہوگی، سمے سمے پر دیا جاتا رہے گا''۔

یہ سن کر مہرشی کا چہرہ کھل اٹھا، انھوں نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو آشیرواد دیا اور کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ دل من پر ابھی کسی کا ادھیکار نہیں ہے۔ مجھے اتینت پرسنتا ہوگی یدی آپ اپنی سویدھا نوسار اس نگر کی ویوستھا بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور دھول دیپ کے ساتھ ساتھ دل من پالک کے کرتویہ کا نرواہ بھی کریں''۔

''جیسی مہرشی کی اچھا۔ میں اس پر اوشیہ وچار کروں گا''۔ کہتے ہوئے نگر پالک نے ایک بار پھر ان کے چرن اسپرش کیے۔

مہرشی سپت منو واپسی کے لیے مڑے۔ محل کے بڑے پھاٹک کے پاس پہنچ کر انھوں نے ایک بار پھر نگر پالک کی طرف دیکھا اور دروازے سے باہر نکل گئے۔

سازشوں کا دور

(ایک)

اہوراج نے سوچا تھا کہ وہ آج کے دن کوئی کام نہیں کرے گا۔ متواتر رونما ہونے والے واقعات و حادثات نے اسے بری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا اور آج وہ سارے کام کاج سے دور رہ کر صرف آرام کر کے اپنی تھکن اتارنا چاہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی اس نے داس سے کہہ کر اپنے گھر کے طویل و عریض صحن میں نیم کے درخت کے نیچے بنے بڑے چبوترے پر بچھونا اور بڑے تکیے لگوا لیے تھے اور اب آرام سے بیٹھا شراب اور شباب سے شغل کر رہا تھا۔ تجارت کے اپنے مال میں سے ایک خوب صورت حسینہ، جس کے بدن پر بہت کم کپڑے تھے، اسے شراب کا پیالہ بھر بھر کر دے رہی تھی۔

لڑکی کم سن تھی اور بہت گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ شاید اس طرح کا کام کرنے کا یہ اس کی زندگی کا پہلا اتفاق تھا۔ اہوراج کو نشے کی حالت میں دیکھ کر وہ اور بھی ڈر گئی تھی۔ وہ یہ تو جانتی تھی کہ وہ داسی ہے اور اس کا مالک اس کے ساتھ جو بھی چاہے کر سکتا ہے لیکن اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس سے کیا چاہتا ہے یا اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔ نشے میں پوری طرح ڈوبی ہوئی اس کی خمار آلود نظریں اس نوجوان سانولی حسینہ کے جسم کے نشیب و فراز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے دروازے پر کھڑے اپنے داس کو پہلے ہی تاکید کر دی تھی کہ آج وہ کسی سے نہیں ملنا چاہتا اس لیے اگر کوئی اس سے ملنے کے لیے آئے تو اسے دروازے سے ہی چلتا کر دے۔ لیکن اس تاکید کے باوجود عین اس وقت جب وہ اپنے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں

اور لرزتے ہاتھوں سے ڈری سہمی ہوئی حسینہ کو اپنی آغوش میں لے کر اس کے بچے کچے کپڑے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا، داس اندر آیا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اہوراج نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا۔ ''دھرسٹ، تم میرے آدیش کی اوہیلنا کرتے ہوئے اندر کیسے آ گئے''؟ داس کو دیکھ کر وہ اس یوتی سے تھوڑا دور ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اب اسے اپنا نشہ ٹوٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

''چھما پرارتھی ہوں سوامی، پرنتو باہر کوئی ویکتی آپ سے اسی سمے ملنے کا آگرہ کر رہا ہے''۔ داس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ شاید اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اچانک اندر آنے پر اس کے مالک دن کی روشنی میں اس حالت میں نظر آئیں گے۔ اس نے آگے کہا۔ ''میں نے اسے روکنے کا پریاس کیا پرنتو وہ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کچھ ویر بھی ہیں اور وہ لوگ اندر آنے کے لیے بل پریوگ کر رہے ہیں''۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں آج کسی سے نہیں ملنا چاہتا، اسے واپس بھیج دو اور کہو کہ مجھ سے ملنا ہے تو کل آ کر ملے''۔ اہوراج نے غصے میں کھولتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ داس کوئی جواب دے پاتا وہ شخص جو دروازے پر اجازت کا منتظر تھا، بغیر اجازت کے اپنے دو ویروں کے ساتھ اندر آ گیا اور گرجتے ہوئے اہوراج سے بولا۔ ''میں مہامن مردوک کا دوت ہوں، اس پرکار پرتیکشا کرنے کا ہمارا سوبھاؤ نہیں ہے، اس لیے سیدھے اندر چلا آیا۔ مجھے آدیش دیا گیا ہے کہ میں کسی بھی حالت میں تم سے مل کر اپنے سوامی کا اتی آوشیک سندیش تم تک پہنچا دوں۔ اس کے لیے مجھے تم سے ایکانت میں کچھ چرچا کرنی ہے''۔ دوت نے داس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کرپا کر کے اپنے داس اور اس اردھ نگن یوتی کو ترنت باہر جانے کا آدیش دیں''۔

''تمھاری یہ دھرشٹتا چھما یوگیہ نہیں ہے دوت'۔ اہوراج کا غصہ بے قابو ہو رہا تھا، لیکن وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کسی دوت میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ اہوراج کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر اس طرح داخل ہو جائے۔ ضرور یہ کوئی خاص آدمی ہے جو اس طرح نڈر ہو کر بات کر رہا ہے۔ پھر بھی اس کا غصہ اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ بولا۔ ''تم دوت ہو اس لیے تمھیں جیون دان دے رہا ہوں۔ جاؤ اور اپنے سوامی سے کہہ دو کہ میں نے تمھاری کوئی بات نہیں سنی

اور یہ کہ میں تمھارے سوامی کا داس نہیں ہوں، جو مجھے تم اس پرکار آدیش دے رہے ہو"۔ وہ سانس لینے کے لیے رکا، پھر بولا۔ "اب تم جا سکتے ہو"۔

"اس کا پریِنام جانتے ہو مہاہل گام پتی اہوراج"؟ دوت نے باہر جانے کے بجائے اس کے پاس چبوترے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یدی میں مہامن مردوک کا سندیش پہنچائے بنا یہاں سے واپس چلا گیا تو سمجھو ہے کہ کل تم جیوت نہ رہو، اور تم اتنی جلدی بھول گئے کیا کہ یہ جیون جو تم بھوگ رہے ہو، میرے سوامی کا ہی دیا ہوا ہے، ورنہ تم اس سمے نرک کی اگنی میں تپ رہے ہوتے"۔

اس نے اپنے ساتھ اندر آئے دونوں ویروں کو اشارہ کیا کہ وہ اہوراج کو بندی بنا کر اس کے ساتھ لے چلیں۔ وہ دونوں آگے بڑھے تو اہوراج نے اونچی آواز میں اپنے داسوں کو آواز دی۔ لیکن بار بار آواز دینے پر بھی کوئی داس اندر نہیں آیا۔

"کوئی نہیں آئے گا اہوراج"۔ دوت نے کہا۔ "میں تمھارے گیان وردھن کے لیے تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں کیول دوت ہی نہیں مہا کرتابلارشی کا سگا چھوٹا بھائی بھی ہوں۔ باہر ہمارے اور لوگ بھی ہیں۔ اب بتاؤ تم دھیان سے میری باتیں سنو گے یا پھر اپنی اس دھرشٹتا کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو"۔

یہ سن کر اہوراج کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس سے الجھ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے نرمی سے کہا۔ "چھما چاہتا ہوں۔ میں آپ کو پہچان نہیں پایا تھا"۔ اس نے وہاں موجود اپنے داس سے کہا کہ وہ یوتی کو دوسرے کمرے میں چھوڑ کر باہر چلا جائے۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو وہ دوت سے ہم کلام ہوا۔ "ہاں، کرپا کر کے بتائیے کہ مہامن مردوک نے میرے لیے کیا آدیش دیا ہے"۔

دوت نے اپنے دونوں ویروں کو، جو اتنی دیر میں اہوراج کو اپنی مضبوط گرفت میں لے چکے تھے، چھوڑ دینے کا اشارہ کرتے ہوئے انھیں بھی باہر چلے جانے کے لیے کہا۔ ان سب کے جانے کے بعد وہ بولا۔ "اہوراج، ابھی جو کچھ ہوا ہے، اسے بھول جاؤ اور اب میری باتیں دھیان سے سنو"۔

اس نے اپنی بات کہنی شروع کی۔ "ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے لیے بہت

ضروری ہو۔تمہاری حفاظت اب ہماری ذمہ داری ہے۔اس لیے اپنا دھیان رکھو اور ویرتھ کے ویسئوں سے خود کو بچانے کی کوشش کرو۔یہ بھی یاد رکھو کہ ہمارے بیچ ہونے والی کوئی بھی بات صرف ہمارے اور تمہارے ہی درمیان رہنی چاہیے۔اس کا ذکر بھول کر بھی کسی کے سامنے نہیں کرو گے''۔

''آپ وشواس کیجیے۔ایسا ہی ہوگا''۔اہوراج نے کہا۔''میں اپنی دھرشٹتا کی پھر چھما مانگتا ہوں۔آپ جانتے ہی ہیں کہ اس سمے میں نشے میں ہوں اور مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں ہے۔آشا ہے میری بات آپ سمجھ رہے ہوں گے''۔

''ہم لوگوں کا منصوبہ ہے کہ ہم یہاں پر اپنی سنکھیا بڑھائیں''۔دوت نے اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا۔''اس کے لیے ہم نے اپنے دیس سے اپنے لوگوں کو بلوایا ہے۔اب وہ آئیں گے تو ہمیں ان کے رہنے کے لیے جگہ کا بندوبست کرنا ہوگا۔اس لیے ہم آس پاس کے نرجن اور کم آباد بستیوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔اس کام میں ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔تم اپنی طاقت اور جان پہچان کو استعمال کرتے ہوئے ان بستیوں میں رہنے والے لوگوں کو بستی چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کے لیے تیار کرو۔ہم جانتے ہیں کہ یہ کام ایک دن کا نہیں ہے۔لیکن جتنی جلدی ہو سکے تم اپنا کام شروع کر دو۔ہم یہ کام سرسوتی تٹ پر بسے اور ما گڑھی سے شروع کرنا چاہتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ تمہارے لوگ وہاں کے لوگوں کو سمجھانے میں سپھل ہو جائیں گے۔اور ہاں،تمہیں یاد دلا دوں کہ یدی تم ہمارے لیے یہ کام کرو گے تو کبھی گھاٹے میں نہیں رہو گے''۔

''پرنتو اور ما گڑھی پر قبضہ کرنا آسان نہیں ہوگا''۔اہوراج نے اٹک اٹک کر کہا۔''وہاں کے لوگ ضدی ہیں اور مجھ سے بہت گھرنا کرتے ہیں۔مجھے لگتا ہے وہ میری بات نہیں سنیں گے''۔

''تم کوشش تو کرو''۔دوت نے کہا۔

(دو)

ودیشیوں کا سربراہ اور سالار لشکر مردوک رفتہ رفتہ پوری طرح صحت یاب ہو چکا تھا اور اس نے اپنے لوگوں کی سربراہی کا کام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔باہمی اتفاق رائے

کے سبب اس میں اسے کوئی دقت نہیں آئی تھی۔ بلارشی نے خوشی سے اپنا عارضی عہدہ اس کے سپرد کر دیا تھا اور اب وہ اس کے نائب مہا کرتا کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ مردوک کی صحت یابی کی خوشی میں امری گال بستی میں جشن کا سا سماں تھا۔ لوگ خوش تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ مردوک ایک نڈر اور ناقابل شکست جنگ جو ہے۔ وہ ایسا سمجھتے تھے کہ دھول دیپ کی جنگ میں اس کی شکست اتفاقی اور دشمنوں کی سازش کا نتیجہ تھی، ورنہ اس جیسا جنگ جو یہ جنگ کبھی نہیں ہار سکتا تھا۔ اس کی موجودگی اس کے لوگوں میں حوصلہ اور تحفظ کا احساس بیدار کرتی تھی۔ انھیں یقین تھا کہ اس کے صحت یاب ہو کر دوبارہ سربراہی سنبھالنے کے بعد ان لوگوں کی فلاح کے رکے ہوئے تمام کام دوبارہ شروع ہو سکیں گے۔ اس لیے اس کے صحت یاب ہو جانے سے ان کے اندر ایک نیا جوش و ولولہ پیدا ہوا تھا اور اب وہ ایک بار پھر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔

لیکن خود مردوک دھول دیپ میں اپنی ہار کو نہیں بھولا تھا۔ یہ ہار رہ رہ کر اس کے دل پر چوکے لگاتی رہتی تھی۔ میدان جنگ میں جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ سب اس کے لیے اب بھی ناقابل یقین تھا۔ مشرق کے لوگوں میں جنگ کی یہ مہارت اس کے لیے حیرت انگیز تھی۔ وہ انھیں قریب سے اور کافی عرصے سے جانتا تھا۔ اس نے ایک طویل عرصے تک ان کی جملہ سرگرمیوں کا مطالعہ کیا تھا اور اسے بخوبی معلوم تھا کہ وہ ان سے جنگ کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اور اب جب کہ اس کے لوگوں نے اسے اطلاع دی کہ اس کے پیچھے تاماس کا ہاتھ تھا جو ال بابلون سے یہاں وارد ہوا ہے اور وہاں حمور بی کی فوج کا سپہ سالار رہ چکا ہے تو اسے فوراً یقین آ گیا کہ یہ سب کیا دھرا اسی کا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ نئی منصوبہ بندی میں اس بات کا خیال رکھے کہ اسے ناتجربہ کار مقامی لوگوں سے نہیں ال بابلون کے ایک ماہر جنگ جو سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگلی جنگ میں اس کا پہلا نشانہ تاماس ہی ہوگا۔

وہ ان سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتا تھا اور اب کی بار پوری تیاری کے ساتھ۔ اس نے مغرب کے اپنے دوستوں سے نہ صرف گھوڑوں اور جدید ترین ہتھیاروں کی فراہمی کی درخواست کی تھی بلکہ انھیں یہ اطلاع بھی پہنچائی کہ یہ خطہ زمین جہاں پر وہ اس وقت قابض ہیں نہایت ہی زرخیز اور ان کے اور ان کے جانوروں کے لیے جنت سے کم نہیں ہے۔ اس لیے بہتر

ہو گا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ یہاں آئیں اور دیوتاؤں کی اس نعمت سے مستفید ہوں۔ اس نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنے ان تمام دوستوں کو یقین دلاتا چاہتا ہے، جو یہاں کا قصد کرنا چاہتے ہیں، کہ جو لوگ یہاں آئیں گے ان کے تحفظ اور ضروریات کا پورا خیال رکھا جائے گا اور ہماری، ہم سب لوگوں کی کوشش ہوگی کہ انھیں اور ان کے جانوروں کو کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس کے پس پشت مردوک کا خیال تھا کہ اس طرح ان کی اپنی افرادی قوت میں اضافہ تو ہوگا ہی، جو جنگ کے وقت معاون ہوگی، ان کے پاس گھڑسواروں کی تعداد اپنے آپ بڑھ جائے گی، جن سے یہاں کے باشندے خوف کھاتے تھے۔ اب اس کی فکر یہ تھی کہ ان نو وارد لوگوں کو بسانے کے لیے انھیں کچھ نئی زمینوں کی ضرورت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ امری گال کی چھوٹی سی بستی اتنے لوگوں کی میزبانی کرنے کی اہل نہیں ہوگی۔ اس لیے اس کی نظر اورما گڑھی پر تھی۔ اس کے نقطہ نظر سے نئی زمینوں پر قبضے شروع کرنے کے لیے یہ ایک بہترین بستی تھی۔ دریائے سرسوتی کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے اس کے آس پاس کا علاقہ نہایت زرخیز بھی تھا اور قریب ہی ایسے گھنے جنگل بھی تھے کہ ان کے جانوروں کے لیے چارے کی کمی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہاں کے لوگ ان کے خوف سے مقابلہ کیے بغیر ہی بستی چھوڑ دیں گے اور انھیں اپنی رہائش کے لیے ایک بسی بسائی بستی مل جائے گی، جہاں وہ نو وارد لوگوں کو ٹھہرا سکیں گے۔

اس کام کو انجام دینے کے لیے انھیں ایک ایسے بھروسے کے مقامی آدمی کی ضرورت تھی جو اس کام میں ان کی معاونت کر سکے اور اس کے لیے فطری طور پر، جو پہلا نام ان کے ذہن میں آیا تھا وہ مابل گام پتی اہوراج کا تھا۔

(تین)

اورما گڑھی کے دھرم گرو پورب سائیں بہت فکر مند نظر آ رہے تھے۔ امری گال بستی سے اس کے ایک متر نے اسے یہ خبر پہنچائی تھی کہ اس زمین پر قبضہ کرنے والے ودیشی آت تائی اب اورما گڑھی پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس لیے انھیں پوری طرح چاق و

چوبند اور مستعد رہنا چاہیے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے لیے انھوں نے مائل گام کے اھوراج کی خدمات بھی حاصل کی ہیں جو عنقریب اور ما گڑھی آ کر ان سے اس موضوع پر بات چیت کرنے والا ہے۔ یہ خبر سن کر پورب سائیں بے چین ہو گیا تھا۔ وہ ودیشیوں کی طاقت سے بخوبی واقف تھا اور جانتا تھا کہ ان کے لیے ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوگا لیکن انھیں بہر حال اپنی سرزمین کے تحفظ کے لیے ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ وہ جلد سے جلد اپنے تمام لوگوں کو یہ بات بتا دینا چاہتا تھا تاکہ وقت رہتے ان سے مقابلے کی تیاری کی جا سکے۔ اس نے اپنے ایک شاگرد کو بستی کے مکھیا سرنا سویر کے پاس بھیجا کہ وہ اسے حالات سے باخبر کرتے ہوئے اس سے کہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو بستی کے بزرگوں کی سبھا بلائے۔

پورب سائیں بستی کا سب سے معزز شخص تھا۔ وہ دنیاوی آرام و آسائش کو ترک کر کے اپنا زیادہ وقت دیوتاؤں کو خوش رکھنے کے لیے پوجا پاٹھ میں گزارتا تھا۔ بستی والوں کو اس بات کا یقین تھا کہ اس کے رہتے ان پر کوئی مصیبت نہیں آ سکتی۔ چنانچہ مکھیا نے جب پورب سائیں کا یہ پیغام سنا تو اسے لگا کہ ضرور کوئی اتنی ہی اہم بات ہوگی جس کے لیے اس نے سبھا بلانے کی بات کی ہے۔ اس لیے اس نے بستی کے سارے بزرگوں کو شام کے وقت دن ڈوبنے کے بعد دیوایتن کے میدان میں جمع ہونے کا نیوتا بھیج دیا تھا۔ اور اس کی تاکید کے مطابق وقت پر سارے لوگ وہاں جمع بھی ہو گئے۔ پورب سائیں اور مکھیا سرنا سویر کے علاوہ اس سبھا میں موجود لوگوں کی کل تعداد تیرہ تھی۔

پورب سائیں نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر ایک نظر موجود لوگوں پر ڈالی اور اپنی بات شروع کی۔

> "میرے پریہ گڑھی واسیو، مجھے وشوست سوتروں سے یہ سوچنا ملی ہے کہ آت تائی ودیشی جنھوں نے آس پاس کے تمام علاقوں میں آتنک مچا رکھا ہے اور ابھی کچھ دن پہلے ہی امری گال بستی پر زبردستی قبضہ کر کے وہاں کے رہنے والے لوگوں کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے، اب ہماری بستی اور ما گڑھی پر ادھیکار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بستی ہمارے پوروجوں کی نشانی ہے، جہاں ہم چین سے رہتے ہیں۔ ہم اسے کسی بھی حالت میں ودیشیوں کے حوالے نہیں کر سکتے۔

ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان سے مقابلہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ اس لیے ہمیں کوئی ایسا اپائے کرنا ہوگا کہ وہ ہم سے ہماری پر یہ بستی نہ چھین سکیں۔ مجھے سماچار ملا ہے کہ ایک دو دن میں مائل گام پتی اہوراج ان کا دوت بن کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔ مجھے ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لوگوں سے الگ الگ بھینٹ کر کے انھیں لالچ یا دھمکی دے کر بستی چھوڑنے کے لیے کہہ سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے سمست گڑھی واسیوں کو پچیت کر دینا ہے کہ وہ اہوراج کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے اور پیسے کی لالچ میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی بیچ سکتا ہے۔ وہ کبھی ہمارا بھلا نہیں سوچ سکتا۔ ہمیں اسے اس بات سے روکنا ہوگا کہ وہ ہماری بستی کے لوگوں سے الگ الگ ملے۔ اس سے ہم میں سے چنے ہوئے کیول پانچ لوگ بات کریں گے، جس کا چناؤ ہم ابھی اسی سبھا میں کر لیں گے۔

ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ یا اس کا کوئی آدمی ہمارے کسی آدمی سے اکیلے میں نہ مل سکے، کیونکہ ہم میں سے کوئی اس کی لالچ کا شکار ہو سکتا ہے۔ ہمارا پریاس ہونا چاہیے کہ ہم اہوراج کو ناراض بھی نہ کریں اور اس کی باتیں بھی نہ مانیں۔ اس لیے اس کی بات پر ہاں ہوں کہہ کر بس اسے ٹال دینا ہے۔ وہ بدمعاش قسم کا انسان ہے۔ اس کی ناراضگی ہمیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔

اسے جھانسے میں رکھ کر جو سمے ہمیں ملے گا اس میں ہمیں ڈھول دیپ اور لوتھل بندر کے نگر پالکوں تک اپنے دوت بھیج کر ان سے سہایتا مانگنی ہوگی۔ یدی ہم یہ کام کر پائے تو ہم اپنی بستی کو بچانے میں سپھل ہو سکتے ہیں۔ وشواس کرو کہ اب ہماری ایکتا ہی ہمیں اور ہماری بستی کو بچا سکتی ہے۔ ہمیں ان ودیشیوں کو سبق سکھانا ہوگا کہ اس دھرتی پر قبضہ کرنا ان کے لیے اتنا آسان نہیں ہوگا، جتنا وہ سمجھ رہے ہیں''۔

اس نے اپنی بات ختم کر کے تمام موجود لوگوں پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔''اس سمبندھ میں کسی کو کچھ کہنا ہو تو وہ کہہ سکتا ہے''۔

بستی کے سب سے بزرگ راجی با نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بہت چنتا کا وشے ہے۔ پورب سائیں کے سجھاو کا میں سمرتھن کرتا ہوں اور ہم سب لوگوں کی اور سے میں انھیں اس بات کا ادھیکار دیتا ہوں کہ وہ مابل گام پتی اہوراج سے بات چیت کرنے کے لیے، ہم میں سے پانچ لوگوں کو چیَن سویم کرلیں۔ ہمیں ان پر پورا وشواس ہے۔"

تمام موجود لوگوں نے ایک آواز میں اس بات کی تائید کی۔ اور پورب سائیں نے انھیں میں سے پانچ لوگوں کا انتخاب کر کے راجی با کو ان کا مکھیا بنا دیا۔

(چار)

شوریا اپنے محلے کے کنویں سے پانی نکال رہی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

اسے خوش ہونا بھی چاہیے تھا۔

اس نے سوچا نہیں تھا کہ زندگی میں ایسے بھی اتفاقات ہو سکتے ہیں۔

سورج نکلنے میں اب زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی اور وہ کنویں میں ابھی تک تنہا تھی۔ ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے سوچا کہ روز تو اس کی سکھیاں اس وقت تک پانی بھرنے کے لیے آ جایا کرتی تھیں اور آج جب وہ ان کے ساتھ اپنی خوشی ساجھا کرنا چاہتی تھی تو اس کی کوئی سکھی آ ہی نہیں رہی تھی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس نے کنکا کو کنویں کی طرف آتے دیکھا۔ اس کے پیچھے اور لڑکیاں بھی آ رہی تھیں، جو آپس میں کھلکھلاتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ شوریا نے اپنے آپ کو تیار کیا کہ وہ یہ سماچار اپنی سہیلیوں کو کس طرح سنائے گی۔

کنکا نے کنویں کی جگت پر پاوں رکھتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ ہمیشہ منھ لٹکائے رہنے والی اس کی سکھی شوریا آج بہت خوش نظر آ رہی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "کیا بات ہے شوریا۔ تم تو ایسے خوش نظر آ رہی ہو جیسے راگیش نے تمھیں آکاش سے چندرما توڑ کر دے دیا ہو۔"

"وہ بات نہیں ہے کنکا پرنتو بات تو خوشی کی ہی ہے۔ میں نے کچھ دن پہلے تمھیں بتایا تھا کہ پتاجی میرے وواہ کے لیے کوئی لڑکا دیکھنے جا رہے تھے۔ یہ سن کر میں بہت گھبرائی ہوئی تھی کہ اب میرے اور راگیش کے سمبندھوں کا کیا ہوگا۔ کل رات اس وقت جب ماں وہاں

نہیں تھی، میں نے ہمت کر کے پتاجی سے کہا کہ وہ میرے لیے لڑکا دیکھنے نہ جائیں کیونکہ میں نے اپنے لیے سویم ایک یوک کو پسند کرلیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے مجھے شرم تو بہت آئی پرنتو یہ میری زندگی اور موت کی سمسیا تھی، اس لیے میں نے کہہ ہی دیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اب پتاشری غصے میں لال پیلے ہو جائیں گے۔ پرنتو ایسا کچھ نہیں ہوا۔ یہ سن کر وہ تھوڑا اوچلت اوشیہ ہوئے، پرنتو تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ لڑکا کون ہے؟ میں نے انھیں راگیش کے بارے میں بتایا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔ انھوں نے مجھ سے کہا، مجھے پرسنتا ہے کہ میری پتری اب بڑی ہوگئی ہے اور سویم اپنے لیے ور کھوج سکتی ہے۔ پرنتو میں تمھیں بتا دوں کہ ابھی کچھ دنوں پہلے ہی راگیش کی ماں نے ہمارے پاس تمھارے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ بھیجا تھا اور ہم دو دن پشچات اُسے ہی دیکھنے کے لیے جا رہے تھے۔ چلو اچھا ہوا کہ ہماری پسند اور تمھاری پسند ایک نکلی اور کوئی سمسیا نہیں ہوئی۔ پرنتو یہ سب باتیں تم اپنی ماتاجی سے نہ کہنا۔ وہ تم سے ناراض ہو سکتی ہیں۔ تم ہم پر وشواس کر سکتی ہو کہ ہم وہاں جا کر راگیش سے تمھارا رشتہ طے کر دیں گے''۔

''کیا بھاگیہ پایا ہے تم نے شوریا''۔ کنکا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

اسی وقت انھوں نے دیکھا کہ دو گھڑسوار ودیشی کنویں کے پاس آئے اور شوریا کو گود میں اٹھا کر زبردستی گھوڑے پر بٹھانے لگے۔ شوریا زور زور سے چیختے ہوئے اپنے آپ کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ ان کی طاقت کے سامنے بے بس تھی۔ کنکا اور دوسری لڑکیوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی زور زور سے چیخنے لگیں تاکہ لوگ سن کر ان کی مدد کو آجائیں۔

یہ واقعی شوریا کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت تاماس اپنے گھوڑے پر اسی راستے سے گذر رہا تھا۔ اس نے لڑکیوں کا شور سن کر اُدھر دیکھا تو کچھ گھڑسوار ایک لڑکی کو زبردستی گھوڑے پر بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس نے ان کو للکارنے میں دیر نہیں کی اور اپنی تلوار نکال کر تیزی سے ان کی طرف لپکا۔ لیکن ابھی وہ ان تک پہنچتا، اس سے پہلے ہی انھوں نے تاماس کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تاماس ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ انھوں نے شوریا کو وہیں چھوڑا اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ شوریا زمین پر گر کر بیہوش

ہوگئی تھی، اس لیے تاماس نے ان گھڑسواروں کا پیچھا کرنے کے بجائے پہلے اس کی طرف توجہ دی۔ جگت پر رکھے گھڑے سے اس نے پانی لیا اور بیہوش لڑکی کے منہ پر چھینٹے مارنے لگا۔

ہوش میں آ جانے کے بعد اس نے لڑکی سے پوچھا۔"یہ لوگ کون تھے اور تم سے کیا چاہتے تھے"؟

"میں ان لوگوں کو نہیں جانتی' مہاویر تاماس'۔ شوریا نے روتے ہوئے کہا۔"شاید وہ میرا اپہرن کرنا چاہتے تھے"۔

"تم ہانیش سیٹھی کی پتری ہو نا؟ چلو میں تمھیں تمھارے گھر تک چھوڑ دیتا ہوں"۔ تاماس نے کہا۔"کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑسوار دوبارہ تم پر حملہ کریں"۔

"ہاں میں ہانیش سیٹھی کی پتری شوریا ہی ہوں"۔شوریا نے تاماس سے کہا۔"آپ کشٹ نہ کریں، میں اپنی سکھیوں کے ساتھ گھر چلی جاوں گی"۔

تاماس بہت چنتت ہوگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان گھڑسواروں کے حوصلے کافی بلند ہو گئے ہیں۔ اب وہ نگر کے بھلے گھروں کی لڑکیوں پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے ہیں۔ ہمیں اس کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔

(پانچ)

ڈھول دیپ کا مہاویر تاماس ان دنوں بہت فکر مند نظر آ رہا تھا۔ اس دن شوریا کے اغوائی کوشش والی بات وہ بھلا نہیں پا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر جلد ہی کچھ نہ کیا گیا تو ان کے حوصلے اور بلند ہوتے جائیں گے۔

شہر میں کچھ عجیب وغریب سرگرمیاں بھی دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ ان کے نوجوانوں میں نشہ آور اشیا کے استعمال کی لت بڑھ رہی تھی اور ایسے نوجوان اب بڑی تعداد میں سڑکوں پر اِدھر اُدھر لڑکھڑاتے ہوئے دکھائی دینے لگے تھے۔ پہلے تو اس طرف کسی نے توجہ نہیں دی، کہ ہر سماج میں کچھ نوجوان ایسے ہوتے ہی ہیں جو بے راہ روی اختیار کر لیتے ہیں، لیکن جب ان کی تعداد بڑھنے لگی تو لوگوں کا فکر مند ہونا فطری تھا۔

ناگرکوں نے اس کی شکایت نگر پالک چارو دیواسے کی۔ صورت حال کی سنجیدگی کو سمجھتے ہوئے انھوں نے اپنے مہا کرتا سیوادر کو حکم دیا کہ اس کے پس پشت جو اسباب ہیں، ان کی چھان بین کی جائے۔ مہامن کے کرتاوں اور ویروں نے انھیں میں سے کچھ نوجوانوں کو گرفتار کیا اور انھیں ہوش میں لانے کے بعد ان سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ کون لوگ ہیں جو ان کو اس طرح کی اشیا فراہم کر رہے ہیں، لیکن ان سے بس اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ ان دنوں شہر کے نوجوانوں کو خفیہ طور پر یہ نشہ آور اشیا یا تو بہت کام دام پر یا بالکل مفت فراہم کی جارہی ہیں۔ ایسے نوجوانوں سے ان جگہوں کی نشان دہی کے لیے کہا گیا تو کچھ لوگ جو اس تجارت میں ملوث تھے، گرفتار بھی کیے گئے، لیکن یہ سب معمولی کاروباری ثابت ہوئے جو زیادہ پیسے کی لالچ میں ایسا کرنے لگے تھے۔ انھیں ان کی کرتوتوں کی سزا دی گئی لیکن یہ سلسلہ اس کے بعد بھی نہیں رکا۔ کھلے طور پر یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ یہ کوئی سازش ہے اور نگر پالک کے ویروں کو ان گرفتار شدہ تاجروں کی سرگرمیوں میں کسی طرح کی سازش کا شائبہ نظر نہیں آیا تھا۔ اب اگر یہ سازش تھی تو اس کے پیچھے کون ہے اس کا پتہ لگانا نہایت ضروری تھا۔

اس کے علاوہ تشویش کی ایک بات یہ بھی دکھائی دے رہی تھی کہ جب سے انھوں نے نشے کی لت میں مبتلا نوجوانوں کی گرفتاری کا کام شروع کیا تھا، یکے بعد دیگرے شہر کے نوجوانوں کے غائب ہو جانے کی شکایتیں ملنے لگی تھیں۔ ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ اس کی گہرائی میں جانے پر معلوم ہوا کہ ان دنوں شہر میں جسم فروش عورتیں بھی کثرت سے نظر آنے لگی ہیں، جو گلیوں یا سنسان سڑکوں پر نوجوانوں کو اشارہ کرکے اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں اور انھیں ساتھ لے کر قریب کے جنگل کی طرف چلی جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ لڑکے واپس بھی آجاتے ہیں لیکن بیشتر کا اس کے بعد کوئی سراغ نہیں مل پاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ودیشیوں نے اب نگر کی اطلاعات حاصل کرنے کے لیے نوجوان اور خوب صورت لڑکیوں کا استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے کچھ ذمہ دار لوگ بھی ان کے چنگل میں آسانی سے پھنس جاتے تھے اور وہ ساری باتیں ان سے معلوم کر لیتی تھیں جن کی انھیں ضرورت ہوتی تھی۔

گذشتہ دنوں غیر ملکیوں کی مشکوک سرگرمیاں جس طرح سامنے آئی تھیں ان کے مد نظر فطری طور پر پہلا شبہ ودیشیوں پر ہی ہونا تھا، سو ہوا۔ چنانچہ انھوں نے ان کی سرگرمیوں کو

مرکز میں رکھ کر تفتیش کا اپنا کام آگے بڑھایا تو کچھ گرہیں کھلنے لگیں۔ مہا کرتا سیوادر نے اس سلسلے میں مہاویر تاماس سے بھی مدد مانگی تھی اور یہ سب سن کر اس کا فکرمند ہو جانا فطری بھی تھا۔ ان دونوں نے مل کر ان واقعات پر قابو پانے کے لیے ایک خفیہ منصوبہ ترتیب دیا۔ اس کے تحت انھوں نے اپنے نوجوان تربیت یافتہ ویروں میں سے کچھ کو منتخب کر کے انھیں عام انسانوں کا لباس پہنا کر شہر میں ادھر ادھر پھیلا دیا۔ تاکہ نشہ آور اشیا کو فروخت کرنے والے اور وہ جسم فروش لڑکیاں جو نوجوانوں کو ورغلا رہی تھیں، ان کے رابطے میں آئیں۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی نکلا اور نشہ آور اشیا فروخت کرنے والے تاجر اور بڑی تعداد میں آوارہ لڑکیاں گرفتار ہوئیں۔ سیوادر کی ہی طرح تاماس کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ یہ معاملات اتفاقی نہیں ہیں بلکہ کسی طویل مدتی اور خطرناک منصوبہ بند سازش کا حصہ ہیں۔

اس وقت وہ اور چوکنا ہوا جب اس نے دیکھا کہ مہامن چارو دیوا کا بیٹا ورُن دیوا بھی ایسی ہی ایک اجنبی لڑکی کے چنگل میں پھنس کر اسے اپنے کوٹ کے اندر لے آیا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس نے مہامن پر دباؤ ڈال کر انھیں راضی کر لیا تھا کہ وہ اس کا وواہ اس لڑکی سے کر دیں گے۔ نگرپالک کو اس میں کوئی بات غلط نہیں لگی تھی۔ انھیں اپنے بیٹے سے غیر معمولی محبت تھی۔ انھیں لگا کہ اس عمر میں یہ سب فطری ہوتا ہے اور انھوں نے اپنے بیٹے کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے نہایت دھوم دھام سے اس کی شادی اس لڑکی سے کر دی تھی اور اب وہ لڑکی مستقل طور پر کوٹ کے اندر رہنے لگی تھی۔

مہا کرتا سیوادر اور مہاویر تاماس کو ایک فکر یہ بھی دامن گیر تھی کہ ان کے دشمنوں کو شہر کی روزمرہ کی سرگرمیوں کی اطلاع آسانی سے مل جاتی تھی۔ اس سلسلے میں کچھ ایسی باتیں بھی ان تک پہنچ گئی تھیں جن کے بارے میں بہت کم لوگوں کو علم تھا اور جنھیں کسی بھی صورت ان تک نہیں پہنچنی چاہیے تھیں۔ دشمن ان کی فوجی سرگرمیوں کے بارے میں واقفیت حاصل کر رہے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہو پا رہا تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس سلسلے میں وہ دونوں مسلسل تبادلہ خیال کر رہے تھے لیکن وہ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے۔ پھر بھی اس تعلق سے ان کا شک مہامن چارو دیوا کی نووارد بہو پر تھا لیکن بغیر کسی مضبوط ثبوت کے مہامن کے خاندان کے کسی فرد پر الزام عاید نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسا کرنا جرم بھی تھا، یہ دھول دیپ کے قانون میں تحریر تھا۔ انھیں یہ بھی لگ رہا تھا

کہ ہو نہ ہو شہر میں نشہ آور اشیا کی فراہمی اور یکا یک آوارہ لڑکیوں کی بہتات کا اس سلسلے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ چنانچہ اب وہ دونوں مہا پالنی متالی سے مل کر ان سے اس سلسلے میں مشورہ کرنا چاہتے تھے۔

(چھ)

اس کے علاوہ تاماس کی کچھ اپنی پریشانیوں کا سبب اس کی اپنی ماں بھی تھی۔ سوناری کے آشرم میں بھی اس دوران کچھ نئی لڑکیاں داخل کی گئی تھیں، جن کی سرگرمیاں مشکوک تھیں۔ یہ لڑکیاں اکثر آشرم سے غائب ہو جاتیں اور پوچھنے پر کوئی ایسا معقول بہانہ بنا دیتیں کہ آشرم کے ذمہ داران کی باتوں پر یقین کر لیتے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنی ماں سے گفتگو کی تھی لیکن اسے یہ بات بری لگی تھی کہ اس کا بیٹا اس کے قائم کردہ آشرم کی سرگرمیوں کو شک کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ وہ اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہی تھی کہ فوری طور پر تفتیش کے کام کو رکوائے اور اس کی جگہ اپنی توانائیاں اس کے بھائی تارن کو تلاش کر کے گھر لانے اور اس کے علاج کا معقول بندوبست کرنے میں صرف کرے۔

ایسا نہیں تھا کہ تاماس اپنے ماما تارن کی تلاش سے غافل رہا ہو۔ اس نے تارن کو تلاش کرنے کے لیے شہر بھر میں اپنے آدمی لگا رکھے تھے لیکن پتہ نہیں چل پا رہا تھا کہ اچانک تارن کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ ان دنوں وہ شہر میں کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنی ماں کے اصرار کے باوجود اس کے آشرم کے بارے میں تفتیش کا کام بند نہیں کیا تھا۔ بس اس نے اس کام کو اب ذرا اور احتیاط سے کرنے کے بارے میں سوچا تھا تاکہ اس کی ماں کو نہ تو اس کی خبر ہونے پائے اور نہ اسے اس کی طرف سے کسی طرح کا دکھ پہنچے۔

ان تمام فکروں میں ڈوبا ہوا آج جب وہ شہر کی گشت پر تھا اور اپنی ہی ادھیڑ بن میں کچھ سوچتے ہوئے چلا جا رہا تھا کہ ایک گلی کے موڑ پر اسے کسی کے کراہنے کی کمزور سی آواز سنائی دی۔ اس نے رک کر دھیان سے سننے کی کوشش کی تو یہ آواز پاس کے ایک کھنڈر سے آ رہی تھی۔ اس کا تجسس اسے وہاں لے گیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں اس کا ماما تارن، جس کی تلاش وہ کبھی دنوں سے کر رہا تھا، سکڑا سمٹا پڑا کراہ رہا ہے۔ سردی کا موسم اپنے شباب پر ہونے

کے باوجود وہ مادرزاد برہنہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پچھلے کئی دنوں سے یہاں پڑا تھا اور اس کھنڈر کے سڑک سے دور ہونے کی وجہ سے کسی کی توجہ اس طرف نہیں گئی تھی۔

اس نے فوراً قریب ہی تعینات اپنے ویروں کو بلایا اور ان کی مدد سے اسے لے کر اپنے گھر آ گیا۔ سوناری نے اسے اس حال میں دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ وہ سمجھی یہ مر گیا ہے۔ لیکن جب تاماس نے اسے حالات سے واقف کرایا تو وہ اس کی تیمارداری میں لگ گئی۔ اس وقت وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ سوناری نے سب سے پہلے اسے کپڑوں میں لپیٹا تاکہ اسے سردی سے بچایا جا سکے اور تاماس نے اپنے ایک ویر کو کسی معالج کو لے آنے کے لیے بھیج دیا۔

معالج نے آنے کے بعد اس کا معائنہ کر کے بتایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا ہوا کہ وقت پر آپ اسے گھر لے آئے اور اس کا علاج شروع ہو سکا۔ ورنہ اس کی بیماری ایک طرف، یہ تو سردی سے ہی ٹھٹھر کر مر چکا ہوتا۔ اگر یہ ایک دن اور پڑا رہتا تو اس کا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ اسے سردی لگ گئی ہے۔ یہ ٹھیک تو ہو جائے گا لیکن اس میں تھوڑا وقت لگ جائے گا۔

(سات)

''میں اپنی دھرشٹتا کے لیے چھما چاہتا ہوں، پرنتو مجھے آپ کی بہو کی گتی ودھیاں سندگدھ لگتی ہیں''۔ تاماس نے تکلف کو ایک طرف رکھتے ہوئے مہاپالنی متالی سے کہا۔ ''یدی میری سندیہہ ازادھار نہیں ہے تو یہ یوتی ہمارے نگر کی سرکشا کے لیے خطرہ بن سکتی ہے''۔

مہاپالنی کو تاماس کی باتیں سن کر پہلے تو حیرانی ہوئی۔ لیکن وہ تاماس کے مرتبے اور اس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھیں۔ انھیں خود بھی اپنی بہو سے کئی طرح کی شکایتیں تھیں، لیکن وہ پورے نگر کے لیے خطرہ بن سکتی ہے، ایسا انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ انھوں نے نرم لہجے میں تاماس سے کہا۔ ''اب تم کہہ رہے ہو تو مجھے بھی ایسا ہی پرتیت ہو رہا ہے۔ پرنتو میں نے اس اور دھیان نہیں دیا تھا''۔ مہاپالنی نے کہا۔ ''آگے سے میں اس کی گتی ودھیوں پر نظر رکھوں گی اور آوشیکتا پڑی تو مہامن سے اس سلسلے میں بات بھی کروں گی''۔

"دھنیہ واد مہا پالنی"۔ تاماس نے ان سے کہا۔"دراصل ان دنوں شہر میں جو کچھ ہو رہا ہے، اسے دیکھتے ہوئے ہمیں ایسا بہت کچھ کرنا پڑ رہا ہے جو تکلیف دہ ہے"۔

"کوئی بات نہیں مہاویر تاماس"۔ مہا پالنی نے کہا۔"تم میری بہو کی طرف سے نشچنت ہو جاؤ۔ یدی وہ ایسی سرگرمیوں میں لپت بھی ہے تو آگے سے وہ ایسا نہیں کر پائے گی"۔

تاماس مہا پالنی کے اس آشواسن سے بہت خوش تھا۔ وہ اکیلے ہی ان سے ملنے کے لیے کوٹ آ گیا تھا۔ اسے لگا تھا کہ اس معاملے میں مہا کرتا سیوادر کو بھی وشواس میں لینا ضروری نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں اسے مہا کرتا پر بھی شبہ ہو رہا تھا، لیکن اس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا، اس لیے وہ ابھی اس کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔

کوٹ سے باہر نکلتے ہوئے اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنے ذمے کا ایک بہت اہم فرض ادا کر دیا ہو۔ اسے کچھ اطمینان ہوا کہ اب یدی یہ لڑکی مشکوک ہوئی تو مہا پالنی خود ہی مہا پالک تک یہ بات پہنچا دیں گی۔

(آٹھ)

بیٹی کے اغوا کی کوشش کے بارے میں جب بانیش سیٹھی کو خبر ملی، تو وہ اندر سے ہل گیا تھا۔ شہر میں ان دنوں پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کے بارے میں اسے اچھی طرح معلوم تھا لیکن اسے یہ امید بالکل نہیں تھی کہ یہ طوفان بلاخیز اس کے گھر تک پہنچ جائے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ تو اچھا ہوا کہ آس پاس تاماس تھا، ورنہ وہ آج اپنی بیٹی سے ہاتھ دھو چکا ہوتا۔ اس واقعے کے بعد اس نے اپنی پتنی کو سخت تاکید کر دی تھی کہ آج کے بعد سے شوریا کو شادی ہو جانے تک گھر سے باہر نہ جانے دیا جائے۔

بانیش سیٹھی کا لڑکا داوان اب جوان ہو چکا تھا۔ لیکن بری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے وہ بانیش کی توقع کے خلاف بہت کھلنڈرا اور بدمعاش نکلا تھا۔ اس کے عادات و اطوار اچھے نہیں تھے۔ باپ کے صاحب اثر ہونے کی وجہ سے وہ قانون شکنی کرنے میں بھی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا۔ بانیش اور کاویا کے سمجھانے کا اس پر الٹا ہی اثر ہو رہا تھا۔ اس کی بہن شوریا نے بھی پہلے تو اسے سمجھانے کی کوششیں کیں لیکن جب اسے کامیابی نہیں ملی تو وہ اس سے

ناراض رہنے لگی اور اب تو وہ اس سے اس حد تک ناراض ہو چکی تھی کہ گذشتہ کئی مہینوں سے اس سے بات چیت کرنا ہی بند کر دیا تھا۔

ایسا لگتا تھا کہ جیسے داوان کو اپنے گھر کے تمام افراد سے شکایتیں ہوں۔ خاندانی تجارت سے اسے کوئی رغبت نہیں تھی، وہ اپنے والد سے کئی بار صاف صاف کہہ چکا تھا کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا۔ دراصل اس کا ذہن کند ہو چکا تھا اور وہ کسی بھی طرح کی ذمہ داری والا کام کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ باپ نے جو اتنی دولت کما رکھی ہے آخر وہ اس کے ہی تو کام آنے والی ہے۔ یہی سوچ کر وہ اپنے آپ کو تسلی دے لیتا تھا کہ اسے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ماں کی مامتا کے طفیل اس کی جیبیں ہمیشہ مہروں سے بھری رہتی تھیں۔ حالانکہ ہانیش اس بات کے خلاف تھا کہ بیٹے کو اتنی رقم دی جائے لیکن کاویا کا خیال اس سے مختلف تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا اکلوتا اور دعاؤں اور منتوں کے بعد پیدا ہونے والا بیٹا بازار میں ملنے والی چیزوں کو للچا للچا کر دیکھے، اپنی خواہشوں کو دباتا رہے اور اس کی جیب اس کی اجازت نہ دے کہ وہ اپنی خواہش کی تکمیل کر سکے۔ اس لیے وہ کبھی تو ہانیش کو بتا کر اور کبھی اس سے چھپا کر اسے اس کی ضرورت کے مطابق مہریں دیتی رہتی تھی۔

ہانیش جانتا تھا کہ اس کے لاابالی پن اور بگاڑ کے پیچھے ماں کی محبت کا بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ ہے۔ لیکن وہ کاویا سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اس سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنا جیسے اس کے اپنے بس میں ہی نہیں تھا۔ کچھ بھی ہو ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ دن رات اپنے دوستوں کے ساتھ ادھر ادھر مٹرگشتی کرتا پھرتا تھا۔ اسے اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ گھر کے لوگ اس کی وجہ سے پریشان ہو سکتے ہیں۔ وہ اکثر رات میں بھی دیر سے آتا تھا اور اسی وجہ سے دن میں دیر تک سوتا رہتا تھا۔

شاید اس کے دوست بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ داوان کچھ بیوقوف ہے تو ہم کیوں نہ اس کی اس بیوقوفی کا فائدہ اٹھائیں۔ اگر یہ ہم پر اپنی مہریں لٹاتا ہے تو اس کی چاپلوسی کرنے میں ان کا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے آس پاس ایسے مفت خور جمع ہو گئے تھے، جو اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کیے رہتے تھے۔ انھوں نے کبھی کبھی اس کی خفگی کو برداشت کرتے ہوئے اس کی مہروں سے اپنے لیے سامان راحت تلاش کرنے

کا ہنر بھی سیکھ لیا تھا۔مہروں کی اس افراط نے پہلے تو اسے نشے کی طرف متوجہ کیا اور پھر وہ لڑکیوں کا رسیا ہو گیا۔ویسے بھی ان دنوں دھول دیپ میں ان دونوں کی دستیابی کا کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا تھا۔

جب سے دھول دیپ میں نشہ آور اشیا اور لڑکیوں کا حصول آسان ہوا تھا، داوان تو جیسے کھل کھیلا تھا۔اسے اس کے پسند کی چیزیں دستیاب ہو جاتی تھیں۔اس کے دوست اس کے لیے یہ کام آسانی سے کر دیتے تھے۔گھر کے لوگوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب وہ متواتر دو دن تک گھر نہیں آیا۔ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ہانیش نے اس کے دوستوں سے مل کر اس کے بارے میں پوچھ تاچھ کہ تو انھوں نے بھی کچھ نہیں بتایا۔لیکن ہانیش کو شبہ تھا کہ وہ داوان کے بارے میں جانتے ہیں اور کسی وجہ سے اسے نہیں بتانا چاہتے۔ہانیش نے اپنے رسوخ کا استعمال کر کے نگر پالک سے درخواست کی کہ اس کے لڑکے کی تلاش میں اس کی مدد کی جائے اور مہامن نے ازراہ عنایت مہا کرتا سیوادر کو بلا کر کہہ دیا تھا کہ جلد سے جلد داوان کو تلاش کیا جائے۔ان کے ویر اب سارے شہر میں اسے کو تلاش کر رہے تھے۔

تین دن کی متواتر تلاش کے بعد دھول دیپ کے مضافات میں اس کی لاش ملی تھی یہ گھنے جنگل کا علاقہ تھا، جہاں لوگ آنے جانے سے کتراتے تھے۔ویروں کا کہنا تھا کہ جہاں سے اس کی لاش برآمد ہوئی تھی وہاں دو لاشیں اور بھی ملی تھیں، یہ دونوں داوان کے قریبی دوست تھے۔ویروں کو شک تھا کہ شہر میں ان دنوں لڑکیوں نے جو اُتپات مچا رکھا ہے یہ تینوں قتل بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

(نو)

داوان کی آخری رسوم میں شرکت کے لیے شہر کے معززین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔انھیں ایک نوجوان کے اس طرح اپنی جان گنوا دینے کا افسوس تھا۔وہ اس لیے بھی دکھی تھے کہ داوان ہانیش سیٹھی کا اکلوتا بیٹا تھا اور اب اس کے خاندان کو آگے بڑھانے کے لیے کوئی اور موجود نہیں تھا۔

ہانیش اور کاویا کو وہاں موجود لوگ صبر کی تلقین کر رہے تھے۔داوان کو دفنانے

کے لیے سارے انتظامات کیے جارہے تھے۔ سب سے پہلے من ہرندی میں لے جا کر اس کے جسم کو صاف کیا گیا۔ رواج کے مطابق یہ کام مرنے والے کا کوئی قریبی دوست انجام دیتا تھا لیکن بار بار آواز دینے کے بعد جب اس کا کوئی دوست سامنے نہ آیا تو دیوایتن کے ایک پروہت کو طلب کیا گیا اور اسی کے ہاتھوں یہ رسم اپنے انجام کو پہنچی۔ اس کے بعد اسے گھر لایا گیا اور یہاں بھی پروہت نے اس کے سارے جسم کو ہلدی اور دہی ملے ہوئے پانی سے غسل دے کر نئے کپڑوں میں لپیٹا اور اسی مقصد سے بنائے گئے مٹی کے بڑے برتن میں اسے سلیقے سے رکھ کر بانس کی خاص طور پر اسی کام کے لیے بنائی گئی اس چارپائی پر رکھ دیا گیا جو پاس ہی رکھی ہوئی تھی۔

ان ساری رسوم سے فراغت کے بعد گھر اور محلے کی عورتوں میں یہ اعلان کیا گیا کہ ان میں سے جنھیں خواہش ہو وہ داوان کا آخری دیدار کر سکتی ہیں۔ چنانچہ تقریباً تمام موجود عورتوں نے یکے بعد دیگرے آہ و بکا کے ساتھ اس کا دیدار کیا۔ ان میں سے بیشتر عورتیں اسے یوں خاموش لیٹے دیکھ کر دہاڑیں مار کر رو رہی تھیں۔ گھر کے اندر ان ساری رسوم کے ادا ہو جانے کے بعد وہاں موجود مردوں کے جم غفیر نے مہادیوی کی جے کے نعروں کے درمیان اسے لے کر شہر کے باہر سنگم کے پاس اس مقام پر پہنچے جہاں اُسے دھرتی کے سپرد کیا جانا تھا۔

اس مقصد کے لیے وہاں ایک چوکور گڑھا پہلے ہی سے تیار کر کے رکھا گیا تھا۔ اس گڑھے میں پہلے کھانے پینے کا کچھ سامان رکھا گیا، اس کے پہننے کے تمام کپڑے رکھے گئے، اس کے استعمال کی ساری چیزیں رکھی گئیں اور پھر خود اسے چارپائی اور مٹی کے برتن سمیت اس گڑھے میں اُتار دیا گیا۔ اس رسم کے پورا ہونے کے بعد اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ یہ سارے کام ان کے خاندانی پجاری کے ہاتھوں انجام دیے گئے۔ اس کے فوراً بعد وہاں موجود سارے مردوں نے ہانیش کے اور ساری عورتوں نے کاویا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان سے اظہار ہمدردی کیا اور ایک ایک کر کے اپنے اپنے گھروں کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہانیش، کاویا اور شوریا بھی داوان کے یوں اچانک رخصت ہو جانے کا غم لیے اپنے گھر واپس لوٹ آئے۔ رواج کے مطابق آئندہ سات دنوں تک ان کے گھر میں کھانا پکانے کی ممانعت تھی اور ان سات دنوں تک انھیں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے محلے پڑوس میں جا کر

بھیک مانگنی تھی۔اس کے علاوہ انھیں مسلسل تیرہ دنوں تک اپنے صحن میں آگ روشن کرکے مہادیو کی آرادھنا کرنی تھی تاکہ داوان کی گناہ گار آتما کو شانتی مل سکے۔

(دس)

اہوراج نے ایک دوت سے اور ماگڑھی کے مکھیا سرناسویر کو اطلاع بھجوائی تھی کہ ایک ضروری مسئلے پر مشورے کے لیے وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔اس نے اس سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اس معاملے کو خفیہ رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔کیونکہ اس کی تشہیر اس کے اور اور ماگڑھی دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔اس کے جواب میں سرناسویر نے اسی دوت کے ذریعے اسے کہلوایا کہ وہ سپتاہ کے آخری دن صبح کے وقت اپنے گھر پر مائل گام پتی اہوراج کا سواگت کرکے خوشی محسوس کرے گا۔

مقررہ وقت پر اہوراج آیا تو توقع کے خلاف وہ تنہا تھا۔لیکن سرناسویر کو یقین تھا کہ اس کے لوگ آس پاس ہی کہیں چھپے ہوئے ہوں گے اور اس کی ایک آواز پر فوراً یہاں پہنچ جائیں گے۔اس نے مائل گام پتی اہوراج کا اپنی بستی کی روایات کے مطابق استقبال کیا اور اسے نہایت عزت کے ساتھ اپنے گھر کے صحن میں لے گیا جہاں چار لوگ پہلے سے موجود تھے۔یہ وہی تھے جن کا انتخاب اہوراج سے بات کرنے کے لیے پورب سائیں نے کیا تھا۔اہوراج نے وہاں پر اتنے لوگوں کو دیکھا تو اس کی بھنویں تن گئیں۔لیکن اس نے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

بات چیت کا آغاز میزبان کی حیثیت سے سرناسویر نے ہی کیا۔اس نے تمام آنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سب کا ایک دوسرے سے تعارف کرانے کے بعد کہا۔"میں مائل گام پتی سے چھما چاہتا ہوں کہ اسے پہلے سے یہ اطلاع نہیں دے سکا کہ ہماری بات چیت میں میرے علاوہ چار اور لوگ بھی شامل ہوں گے"۔پھر اس نے راجی با کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"کہ اب آپ لوگ بات چیت کی شروعات کرسکتے ہیں"۔

راجی با نے اپنی یہاں موجودگی کا سبب بتاتے ہوئے مائل گام پتی اہوراج سے کہا۔ "تمھیں شاید یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہمارے اپنے متنر دوار اتھارے یہاں آنے کا سماچار ہمیں پہلے

ہی مل چکا تھا۔ اس کے پشچات بستی کے تمام لوگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ مائل گام پتی سے کوئی بھی اکیلے میں بات نہیں کرے گا۔ بستی کے لوگوں نے ہم پانچ لوگوں کو منتخب کیا ہے کہ ہم آپ سے بات کریں اور اس بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہ بعد میں تمام گاؤں والوں کو بتا دیا جائے گا"۔

اہوراج نے محسوس کیا کہ یہاں تو پانسہ ہی پلٹا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اس نے تو سوچا تھا کہ وہ لوگوں سے الگ الگ مل کر ان کو ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر ورغلانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن یہاں یہ لوگ اس طرح باتیں کر رہے تھے جیسے انھیں اس کے منصوبے کا پہلے سے علم ہو گیا ہو۔ اسے یاد آیا کہ مردوک کے دوت نے اس سے کہا تھا کہ اسے کوشش ضرور کرنی ہے، خواہ اس کا کوئی نتیجہ نکلے یا نہ نکلے۔

اس نے راجی با کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں اس بستی کے رہنے والوں سے سہانو بھوتی رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ انھیں کسی پرکار کی کوئی کٹھنائی نہ ہو۔ میں نے اپنے وشوست سوتروں سے جب سے یہ بات سنی ہے کہ ودیشیوں کی اس بستی پر بری نظر ہے تو میرا من بیاکل ہو گیا۔ مجھے اس بات کی چنتا ستانے لگی کہ یدی ودیشیوں نے اس بھوبھاگ پر قبضہ کر لیا تو یہاں کے لوگ کیا کریں گے، کہاں جائیں گے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ انھیں پہلے سے بتا دوں کہ کیا ہونے والا ہے اور ہو سکے تو ان کے پنرواس کے لیے کہیں اور بندوبست کرنے میں سہایتا کروں"۔

راجی با نے اہوراج کی باتیں دھیان سے سنیں۔ وہ خاموش ہوا تو اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم مائل گام پتی کے اتینت آبھاری ہیں کہ وہ ہمارے لیے چنتت رہتے ہیں۔ پرنتو ہم انھیں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس بستی کو خالی کرنے کے کسی بھی پرستاو کو ماننے والے نہیں ہیں۔ اس لیے آپ ہمارے پنرواس کی چنتا بالکل نہ کریں۔ یہ دھرتی ہمارے باپ دادا کی ہے اور اس پر ہمارا ادھیکار ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم کسی بھی حالت میں اسے نہ تو خالی کرنے والے ہیں اور نہ کہیں اور جانے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ ہم یا تو اسی بستی میں رہیں گے یا اپنی دھرتی کی سرکشا کرتے کرتے یہیں اپنے پران نچھاور کر دیں گے"۔ راجی با نے ایک لہراتی ہوئی نظر موجود لوگوں پر ڈالتے ہوئے آگے کہا۔ "اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ مائل گام

پتی ہمارے پرنتو اس میں سہایتا کرنے کے بجائے یدی ہماری سرکشا کے لیے کوئی اُپائے بتائیں تو ہم اس کا سواگت کریں گے"۔

اہوراج بولا۔"میں آپ ہی کی طرح ایک سادھارن ویکتی ہوں۔ میں ایسا مانتا ہوں کہ یہ ودیشی بہت شکتی شالی ہیں۔ ان کے پاس آدھونک استر شستر ہیں۔ ان سے یدھ کرنے کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر بھلا میں آپ لوگوں کی سہایتا کیسے کر سکتا ہوں۔ ان کا مقابلہ کرنا آتم ہتیا کرنے کے برابر ہے۔ بڑے بڑے نگرپالک ان سے تھر تھر کانپتے ہیں تو ہم گاؤں اور بستی والے بھلا ان سے کیسے نپٹ سکیں گے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ یدی آپ لوگ سہمت ہوں تو اس بستی کو خالی کر دیں اور اس کے بدلے کوئی اور جگہ تلاش کر کے وہاں اپنے ڈیرے ڈال دیں۔ اس کام میں یدی کوئی پریشانی یا رکاوٹ آتی ہے تو میں اوشیہ سہایک سدھ ہو سکتا ہوں"۔

"ہم کمزور بھلے ہوں پرنتو کایر نہیں ہیں مانّل گام پتی۔ جب ہم مرنے سے نہیں ڈرتے تو بھلا یہ ودیشی ہمیں کیا ڈرائیں گے"۔ وہاں موجود ایک شخص نے، جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا، اہوراج سے بولا۔"اورما گڑھی پر ودیشی اسی سمے ادھیکار پراپت کر سکتے ہیں جب ہم سب کی لاشیں یہاں میدان میں بچھ جائیں گی"۔

"میرا اوچار ہے کہ یہ وِشے جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ آپ کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں"۔ اہوراج نے انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"اس میں میرا اپنا کوئی فائدہ تو ہے نہیں۔ ماننا نہیں ماننا آپ کی اچھا پر ہے۔ میرا کام سمجھانا تھا سو میں سمجھا چکا۔ اب میں تو بس دیوتاؤں سے یہی پرارتھنا کروں گا کہ اورما گڑھی سرکشت رہے۔ پرنتو مجھے اس کی آشا بالکل نہیں ہے کہ آپ لوگ اپنی اور بستی کی سرکشا کر پائیں گے"۔

"بہت بہت دھنیہ واد، مانّل گام پتی۔ آپ کے اس سجھاو کے لیے ہم آپ کے آبھاری ہیں"۔ ان میں سے ایک نے کھڑے ہوتے ہوئے اہوراج سے کہا۔

اس طرح کھڑے ہو کر آبھار پردرشن کا سیدھا مطلب یہ تھا کہ بات چیت ختم ہو چکی ہے اور اب اہوراج کو اُٹھ جانا چاہیے۔

اہوراج کو لگا کہ اب اگر اس نے انھیں اور سمجھانے کا پریاس کیا تو شاید یہ لوگ

اس کا اپمان کرنے پر اُتر آئیں گے۔ اس لیے اس نے یہی اُچت سمجھا کہ وہ یہاں سے رخصت کی اجازت لے اور چل دے۔ ویسے بھی وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں آپ سب لوگوں کو دھنیہ واد دیتا ہوں کہ آپ لوگوں نے کم سے کم میری باتیں دھیان سے سنیں۔ ہوسکتا ہے کہ میرے وچار ابھی آپ کو اچھے نہ لگے ہوں پرنتو آنے والا سمے سویم سدھ کرے گا کہ میری باتیں آپ لوگوں کے لیے کتنے کام کی تھیں۔ اب میں چلتا ہوں۔ میری شبھ کامنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ یدی کبھی مجھ سے کسی پرکار کی سہایتا کی آوشیکتا ہو تو اوشیہ یاد کیجیے گا"۔

اہوراج اٹھا اور اس کے ساتھ ہی اتتھی کے آدر میں اس سبھا میں موجود سارے لوگ کھڑے ہوگئے۔ وہ سب مل کر اسے گھر کے دروازے تک چھوڑنے بھی آئے۔ اہوراج وہاں سے گیا تو انھوں نے اپنے ایک آدمی کو یہ دیکھنے کے لیے اس کے پیچھے بھیجا کہ وہ جاکر دیکھے کہ وہ اکیلا آیا تھا یا اس کے ساتھ اور کچھ لوگ بھی تھے۔ وہ شخص اہوراج کا پیچھا کرتے ہوئے گاوں کے باہر تک گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر اس نے بتایا کہ اہوراج گاوں کے باہر پہنچا تو کچھ ودیشی جو وہیں کہیں چھپے ہوئے تھے فوراً اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ بات چیت کا کیا نتیجہ نکلا۔ اس پر اہوراج نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انھیں بتایا کہ وہ اپنے اس مقصد میں ناکام رہا ہے۔

وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مردوک نے کام کے بعد اسے امری کال طلب کیا تھا۔ اب اس ناکامی کے بعد وہ کس منھ سے ان سے ملے گا۔

سوناری

(ایک)

اَل بابلون سے روانہ ہونے کے پہلے سوناری کے دل میں ایک اُچٹتا سا خیال یہ آیا تھا کہ دھول دیپ پہنچنے کے بعد وہ اس شہر میں لڑکیوں کو ان کی بہتر زندگی کے لیے جائز طور پر اَل بابلون پہنچانے کا کام کیا کرے گی۔ کیونکہ اس شہر میں اس نے جو کچھ دیکھا اور برتا تھا وہ اس کے حساب سے کسی بھی نوجوان لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔ اس کے اس کام سے انھیں غربت سے نجات ملے گی اور خود اُسے اس تجارت میں اچھا خاصا منافع ملنے کی امید تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد سوناری کی فکر میں کافی تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ اَل بابلون میں جو چیز قابل احترام سمجھی جاتی تھی وہ یہاں معیوب ہے۔ اس لیے اس نے اب اس طرف سے دھیان ہٹا کر اپنی ساری توجہ یہاں کے رسم و رواج اور قوانین کی پیروی کرتے ہوئے فلاحی کاموں میں صرف کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

اس نے اپنے بیٹے تاماس کی مدد سے، جو اب دھول دیپ پالک کے یہاں مہادیر جیسے بلند عہدے پر فائز تھا، ایک ایسا آشرم قائم کیا تھا جہاں بے سہارا لڑکیوں کے رہنے اور ان کی پرورش و پرداخت کا معقول انتظام کیا گیا تھا۔ اس آشرم میں فی الحال تیس لڑکیاں تھیں جن کی عمریں دس سے بیس سال کے درمیان تھیں۔ یہاں سوناری نے ان کی زندگی کو آسان بنانے کی ممکنہ تدابیر کر رکھی تھی۔ اس سے شہر میں اس کی نیک نامی میں اضافہ بھی ہوا تھا اور اسے

وقت گزاری کا ایک بہترین ذریعہ بھی مل گیا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت اب آشرم میں گذارتی تھی، جہاں رہتے ہوئے اس کی تنہائی کا کرب تو کم ہوا ہی تھا، اسے یہ بھی احساس تھا کہ نیک کام کرنے سے دل کو کتنی راحت ملتی ہے۔

اس عمر میں یک لخت رہائش کی جگہ بدل جانے کی وجہ سے وہ ایک عجیب سے تذبذب میں مبتلا رہنے لگی تھی۔ اس نے دو ایسی تہذیبوں کے درمیان رہ کر اپنی زندگی گذاری تھی جو بہت سے معاملات میں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ اسے دونوں تہذیبیں عزیز تھیں اور وہ اب بھی دونوں سے وابستہ رہنا چاہتی تھی۔ دل من، جہاں اس کی پیدائش اور پرورش و پرداخت ہوئی تھی اور ال بابلون جہاں اسے زندگی کی ہر آسائش میسر تھی۔ لیکن دونوں جگہوں کے رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسے بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہو کر کوئی طویل سفر طے کر رہی ہو۔ وہ کبھی کبھی اپنے وہ کپڑے نکال کر حسرت سے دیکھا کرتی تھی جو ال بابلون میں اس کے استعمال میں ہوا کرتے تھے۔ اُس کا جی اب بھی چاہتا تھا کہ وہ ان کپڑوں کو پہنے لیکن اس شہر میں اِس طرح کا لباس استعمال کرنا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ ان سب باتوں سے اس کے مزاج میں ایک طرح کا چڑچڑاپن در آیا تھا۔ کبھی کبھی تنہائی میں اسے اپنی اس بے بسی پر رونا بھی آنے لگتا تھا۔ اس کی نظر میں خیر و شر کا جو معیار تھا وہ مقامی لوگوں سے مختلف تھا۔ کسی بھی کام کو کرنے کے پہلے اسے یہ سوچنا پڑتا تھا کہ یہاں، جہاں اب وہ رہ رہی ہے، کیا بات درست ہوگی اور صحیح نتیجے تک پہنچنے میں اُسے ہمیشہ دشواری ہوتی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنی یہ پریشانی اپنی داسی کو بتاتی تھی لیکن وہ بھلا اس کی کیا مدد کر سکتی تھی۔

آج صبح جب وہ سو کر اٹھی تھی تو نہ جانے کیوں اس کا جی بے حد اداس تھا۔ شاید اس نے خواب میں ال بابلون کی سیر کی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آشرم میں جا کر اسے سکون میسر آ جائے گا۔ چنانچہ وہ تیار ہو کر جب آشرم پہنچی تو وہاں ایک اور ہی ہنگامہ بپا تھا۔ اس نے دیکھا کہ منتظم نے آشرم میں رہنے والی ایک لڑکی اور ایک اجنبی نوجوان کو رسیوں سے باندھ رکھا ہے۔ دریافت کرنے پر اسے بتایا گیا کہ اس لڑکی کو اس کے کمرے سے آشرم کے باہر کے اس نوجوان کے ساتھ نیم عریاں حالت میں پکڑا گیا ہے۔ آشرم کے لوگ رہ رہ کر ان دونوں پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر کے اپنا غصہ اتار رہے تھے۔ سوناری نے انھیں روکا اور ان دونوں کی رسیاں

کھول دینے کا حکم دیا۔ اس نے منتظم سے کہا۔ "مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ اصل میں ہوا کیا ہے"؟

منتظم نے اسے گذشتہ رات کی روداد سناتے ہوئے کہا۔ "رات میں سب کو کھانا کھلانے کے بعد جب میں اپنے کمرے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا تو ساتھ لگے آرو کے کمرے سے اسے سرگوشیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ وہ اپنی کسی دوست سے بات کر رہی ہوگی، پرنتو تھوڑی ہی دیر میں وہاں سے ہلکی سسکاریوں کی آوازیں آنے لگیں تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ میں نے دھیان سے سننے کا پریاس کیا تو ان سسکاریوں میں کسی پرش کا سوَر بھی سملت تھی۔ میں پریشان ہو گیا کہ بھلا یہ کیسے سمبھو ہے۔ رات کے اس سمے یہاں آشرم میں کوئی پرش کیسے آسکتا ہے۔ میں نے ترنت وہاں جا کر اس کا دوار کھٹکھٹایا تو اس نے کافی دیر کے بعد دروازہ کھولا۔ وہ میرے سامنے اردھ نگن اوستھا میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ میرے پوچھنے پر کہ وہ کیا کر رہی تھی، اس نے کوئی اتر نہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے سونے کے چبوترے کی آڑ میں کسی پرش کو چھپا رکھا ہے۔ وہ یہی یوک تھا"۔ اس نے بندھے ہوئے نوجوان کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو گھسیٹتے ہوئے میں ان کے کمرے سے باہر لایا تو شور کی آواز سن کر وہاں آشرم کے دوسرے لوگ بھی جمع ہو چکے تھے۔ مجھے آشچریہ ہو رہا تھا کہ یہ یوک راتری کے سمے یہاں آیا کیسے۔ تھوڑی سختی کرنے پر آرو نے بتایا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ویوگ کا دکھ اب اور سہن نہیں کر سکتے۔ اس نے اسے شام میں ہی چپ چاپ اندر بلا کر اپنے کمرے میں چھپا لیا تھا۔ اب یہ دونوں اپرادھی آپ کے سامنے ہیں۔ انھوں نے آشرم کے نیم ہی نہیں، اس نگر کے قانون کا بھی النگھن کیا ہے۔ اب آپ ہی نرنے کیجیے کہ ان کو کیا دنڈ دیا جائے"۔

سوناری نے نوجوان سے مخاطب ہوتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "مجھے بتاؤ یُوک، کیا تم اس لڑکی سے سچ مچ پریم کرتے ہو"؟

"ہاں"۔ یوک نے گھبراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم گھبراؤ نہیں۔ میری نظر میں تمھارا یہ اپرادھ بہت گمبھیر نہیں ہے"۔ سوناری نے نرمی سے کہا۔ "پرنتو تم نے بنا انومتی کے آشرم میں پرویش کرنے کا اپرادھ اوشیہ کیا ہے اور اس کا دنڈ تمھیں ملنا چاہیے۔ یدی تم ابھی میرے سامنے اس لڑکی سے وواہ کر لو تو میں تمھارا یہ

اپرادھ چھما کرسکتی ہوں"۔

سچ تو یہی تھا کہ آرو کے ساتھ رات بتاتے وقت اس نوجوان نے اُس سے شادی کے بارے میں بالکل نہیں سوچا تھا۔ وہ تو بس مزے کرنے کے لیے آیا تھا، جیسا اس نے اور بھی کئی لڑکیوں کے ساتھ کیا تھا۔ پریم کی بات تو اس نے ڈر کر کہہ دی تھی۔ لیکن اب وہ بری طرح پھنس گیا تھا اور اپنے اس پاپ پر ملنے والی سزا کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ سوناری کی بات مان لے۔ چنانچہ اس نے کہا۔"میں آرو سے وواہ کے لیے پرستت ہوں"۔

سوناری نے آشرم کے منتظم سے کہا۔"یہ وواہ ابھی اور اسی سمے ہوگا۔ تم جاؤ اور جا کر کسی پروہت کو بلا کر لے آؤ۔ اور شادی کے اُپہار سوروپ انھیں دینے کے لیے کچھ کپڑوں اور آوشیک وستوؤں کی ویوستھا کرو"۔

سوناری کے اس فیصلے سے آشرم کے لوگ حیران تھے۔ ان کی نظر میں یہ جرم قابل معافی نہیں تھا۔ انھوں نے تو سوچا تھا کہ انھیں رات کے سمے نگر کے پھاٹک کے باہر پھینک دیا جائے گا تاکہ یہ جنگلی جانوروں کا بھوجن بن جائیں۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس لگرم کے بعد یہ شادی تو ان کے لیے پرسکار سمان تھی۔ وہ حیرت سے سوناری کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن اس سے کچھ کہہ پانے کی ہمت اُن میں نہیں تھی۔ وہ آشرم کی سنچالیکا ہی نہیں، دھول دیپ کے مہاویرتا ماس کی ماں بھی تھی۔

پجاری کے آنے کے بعد وواہ کی رسمیں ادا کی گئیں اور کچھ اُپہار دے کر دونوں کو وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔

سوناری نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اُس کے لیے اتنا آسان نہیں تھا، جتنا نظر آ رہا تھا۔ وہ مقامی قاعدے قانون کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہاں کے لوگوں کے لیے یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ لیکن جیسے ہی یہ معاملہ اس کے سامنے آیا، وہ ایک بار پھر اسی تذبذب میں تھی، جس میں اکثر مبتلا ہو جایا کرتی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ ال بابلونی تہذیب کی پروردہ سوناری عرف زورمی خود ایسے ہی مراحل سے گذر چکی تھی، اس لیے یہ اس کے لیے عام سی بات تھی۔ اسے یہ بات قطعی معیوب نہیں معلوم ہوئی کہ دونوں آرو کے کمرے میں شب بسری کرتے

ہوئے پکڑے گئے تھے۔ لیکن دھول دیپ کے قانون کے مطابق یہ جرم تھا اور اس کی سخت سزا تھی۔ اس کا فیصلہ بھلے ہی دوسروں کو پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ اپنے اس فیصلے سے پوری طرح مطمئن اور خوش تھی۔

(دو)

سوناری کی نگرانی میں تارن کا علاج جاری تھا اور اسے افاقہ بھی ہو رہا تھا۔ اس درمیان ایسا بہت کچھ ہوا تھا جو سوناری کے لیے اطمینان کا باعث تھا۔ تارن اب اسے پہچاننے لگا تھا لیکن یہ تھوڑے وقت کے لیے ہی ہوتا تھا۔ جلد ہی وہ بہک جاتا تھا اور پھر اجنبیوں کی طرح ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتا تھا۔ سوناری کو یقین تھا کہ جلد ہی اس کی حالت کچھ اور بھی بہتر ہو جائے گی اور وہ پوری طرح اپنے ہوش وحواس میں آ جائے گا۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کو وقت پر اس کی ضرورت کی ہر چیز مہیا کرنے کے لیے اس نے ایک داس رکھ لیا تھا جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتا تھا۔

تاماس کے پاس تارن کے علاوہ بھی کئی مسائل تھے، جو اس کی نظر میں اس سے زیادہ اہم تھے۔ اس کا سب سے اہم مسئلہ ودیشیوں سے نبرد آزمائی کے لیے فوج کی افرادی قوت میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا انتظام کرنا تھا۔ ان کاموں میں وہ اتنا مصروف رہتا تھا کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے اسے اس کی اطلاع کم ہی ہو پاتی تھی۔ وہ اس کے لیے فکرمند بھی نہیں رہتا تھا کیونکہ اسے اپنی ماں سوناری پر پورا یقین تھا کہ وہ اپنے بھائی کی دیکھ بھال مناسب طریقے سے کر رہی ہوگی۔

سوناری نے تارن کے رہنے کا انتظام گھر کے باہری کمرے میں جو مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوا کرتا تھا، کیا تھا۔ اس دن ہوا بس اتنا تھا کہ تارن کی خدمت میں متعین داس اسے دوپہر کا کھانا کھلانے کے بعد کسی کام سے تھوڑی دیر کے لیے باہر چلا گیا تھا۔ گھر میں سوناری بھی نہیں تھی۔ داس کو اطمینان تھا کہ ان دنوں تارن کی حالت بہتر تھی اور وہ زیادہ تر ہوش وحواس میں رہتے ہوئے اس سے اچھی اچھی باتیں کیا کرتا تھا۔ کبھی دل من کے بارے میں، کبھی اپنے اچھے دنوں کے بارے میں، کبھی اپنے بچپن کے بارے میں اس نے بہت سی باتیں

داس کو بتائی تھیں۔ آج بھی اس نے کچھ نئی باتیں بتائی تھیں جو مائل گام سے متعلق تھیں۔

حالانکہ وہ اب سوناری کو بھگنی کہہ کر پکارنے لگا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ابھی تک سوناری سے اتنا بے تکلف نہیں ہو پایا تھا کہ اس سے اپنے دل کی باتیں کر سکے۔ دونوں کے درمیان اب بھی اجنبیت کی کوئی دیوار کھڑی تھی، جس کا منہدم ہونا ابھی باقی تھا۔ اس کے برعکس وہ اپنے داس سے کھل کر باتیں کر لیتا تھا۔ لیکن آج جب وہ باہر چلا گیا تو تارن کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ وہ اپنی اسی دھن میں گھر سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر اس نے کھلے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی جیسے وہ کسی قید سے رہا ہوا ہو اور ایک طرف چل پڑا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس کی ملاقات اپنے پرانے شناسا دھاون سے ہو گئی۔

دھاون اب کافی بوڑھا اور کمزور ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے۔ وہ آپس میں گلے ملے اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ تارن نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ بتا سکتا ہے کہ اس کا بھوشیہ کیا ہوگا۔ تو اس نے جواب میں اس سے کہا کہ یہاں اس شہر میں اس کا بھوشیہ اندھکار مے ہے۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ ایک بار پھر اپنے شہر دل من کا رخ کرے، جو اب دوبارہ آباد ہو چکا ہے۔ دل من کا نام سن کر تارن کی باچھیں کھل گئیں۔ تارن نے اس سے کہا کہ کیوں نہ ہم دونوں اسی وقت وہاں کے لیے پرستھان کریں اور اس کے ساتھ ہی دونوں دل من کے لیے روانہ ہو گئے۔

لوتھل بندر کی شورش

(ایک)

یہ خبر کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھی۔ شہر کے جو حالات تھے، اس سے لوگ تنگ آ چکے تھے اور باہمی گفتگو کے دوران اکثر یہ کہنے لگے تھے کہ ان کے نگر پالک اگر اپنی عیاشی سے نگر کے لیے سمے نہیں نکال سکتے تو ان کا مر جانا ہی بہتر ہوگا۔ طویل علالت کے بعد بالآخر لوتھل پالک اریک شا کو اس زندگی سے نجات مل گئی تھی، جس سے ان کے ناگرکوں کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی عاجز آ چکے تھے۔ مہا کرتا چترانن تو جیسے ان کے مر جانے کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ ان کے انتقال سے سب سے زیادہ خوشی اُسے ہی ہوئی تھی، کیونکہ اب اس کے کام میں رخنہ اندازی اور اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی اُن کے بیٹے دُرماشا کے نیا نگر پالک ہونے کا اعلان کر دیا اور ضروری رسمیات کی ادائیگی کے بعد وہ اب 'نگر پالک پتر دُرماشا' سے 'لوتھل پالک دُرماشا' بن چکا تھا۔

باپ کی جگہ پر بیٹے کے بیٹھنے پر بھی لوتھل کے ناگرکوں کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی تھی۔ ان کا اندازہ تھا کہ یہ تو اپنے باپ سے بھی گیا بیتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے قطعی نااہل ہے اور اب وہ مہا کرتا چترانن کے ہاتھ کا کھلونا بن کر رہ جائے گا جو اس سے اپنی مرضی کے کام کرواتا رہے گا۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ روایت یہی تھی کہ پتا کے مرنے کے بعد اس کا پتر ہی نگر پالک بنے گا۔

ادھر ودیشی بھی اریک شا کے مرجانے سے خوش تھے۔ وہ اس موقعے کا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انھیں لگ رہا تھا کہ اگر کسی طرح یہ شہر ان کے ہاتھ آجائے تو یہاں رہ کر وہ آس پاس کے تمام علاقوں پر اپنا پرچم لہرا سکتے ہیں۔

روایت کے مطابق لوتھل بندر کے تمام متر نگروں سے دوت اپنے اپنے نگر پالک کا سندیش لے کر لوتھل پہنچ رہے تھے اور نئے لوتھل پالک کو بدھائی دے رہے تھے۔ اسی تسلسل میں دھول دیپ کے نگر پالک چارودیوا کا دوت بھی اپنے مہاپالک کا سندیش لے کر آیا تھا۔ اس سندیش میں انھوں نے اس بات کو اعادہ کیا تھا کہ وہ امید کرتے ہیں کہ ان کی دوستی پہلے ہی کی طرح بنی رہے گی۔ لیکن نئے نگر پالک کے حکم پر ان کے ویروں نے دھول دیپ پالک چارودیوا کے دوت کے ساتھ اچھا ویوہار نہیں کیا۔

(دو)

دھول دیپ کے نگر پالک چارودیوا آج صبح سو کر اٹھے تو وہ کچھ بے چینی سی محسوس کر رہے تھے۔ یہ بے چینی کیوں ہیں، اس کا سبب وہ خود نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ وہ پچھلے دنوں کے اپنے کاموں کو یاد کر کے اِس کا سبب جاننے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انھیں ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں آ رہا تھا جو نیا ہو اور ان کی بے چینی کا سبب بن سکتا ہو۔ انھیں لگ رہا تھا جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہے۔ ابھی وہ اِسی ادھیڑ بن میں تھے کہ ان کے کمرے میں ان کا دربان داخل ہوا۔

"مہامن پر دیوتاوں کی کرپا بنی رہے"۔ اس نے کہا۔ "لوتھل بندر کو جو دوت بھیجا گیا تھا وہ واپس آ گیا ہے اور دوار پر کھڑا آپ سے ملنے کی پرتیکشا کر رہا ہے"۔

"اسے اندر بھیج دو"۔ نگر پالک نے مختصر سا جواب دیا۔

دوت آیا تو اس کے ہاتھ اور چہرے پر زخم کے نشان تھے جو اب کافی حد تک بھر چکے تھے۔ نگر پالک کا ماتھا ٹھنکا۔ انھوں نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ لوتھل پالک نے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا ہوگا۔ اس کے چہرے کے یہ زخم شاید کسی حادثے کی وجہ سے آئے ہوں گے۔ لیکن سچ تو یہی تھا کہ لوتھل پالک نے ان کے دوت کے ساتھ بدسلوکی کی

تھی۔ حالانکہ انھیں اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس معاملے کو ٹھیک طریقے سے سمجھنے کے لیے انھوں نے دوت سے ہی پوچھنا بہتر سمجھا۔ ''تمھاری یہ حالت کیسے ہوگئی ہے دوت''؟

''مہامن سدیو پرسن رہیں''۔ اس نے کہا۔ ''لوتھل بندر کی پرستھتی اتینت گمبھیر ہے مہامن''۔ یہ کہتے کہتے وہ اچانک رک گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اپنی بات کہنے میں کچھ تکلف ہو رہا ہے یا پھر وہ اصل بات بتانے سے ڈر رہا ہے۔

''بھے مکت ہو جاو دوت، تم اس سمے دھول دیپ میں ہو اور سرکشت ہو۔ تمھارے ساتھ وہاں جو کچھ بھی ہوا ہے، ہمیں صاف صاف بتاو۔ ہم ساری باتیں سننا اور جاننا چاہتے ہیں''۔ نگر پالک چارودیوا اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولے۔ ''تمھیں گھبرانے کی آوشیکتا نہیں ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''مہامن، جب میں وہاں پہنچا''۔ دوت نے اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ ''تو میں لوتھل بندر کے نئے نگر پالک درماشا سے ملنے ان کے کوٹ گیا۔ وہاں اور نگروں کے دوت بھی نگر پالک کی پرتیکشا میں تھے۔ اپنی باری آنے پر جب میں ان کے سامنے پہنچا تو یہ جانتے ہی وہ مجھ پر کرودھت ہونے لگے کہ میں دھول دیپ سے آیا ہوں۔ ایسا لگا کہ وہ ہمارے نگر سے کسی بات کو لے کر بے حد ناراض ہیں۔ وہ بولے کہ گت یدھ میں تم لوگوں کے کارن ہمارے بہت سے ویر مارے گئے تھے۔ اب نہ تو ہم تم لوگوں سے متر تا کے پکش میں ہیں اور نہ ہم ان ودیشیوں کے وِرُدھ کچھ بھی سننا چاہتے ہیں، جنھیں آپ ویرتھ ہی اپنا شترو سمجھ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ کے مہامن کو یہ سن کر اچھا نہیں لگے گا پرنتو ہم ودیشیوں سے سندھی کرنے جا رہے ہیں۔ اس سندھی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہم دھول دیپ سے کوئی سمبندھ نہیں رکھیں گے۔ ہم نے طے کیا ہے کہ ان ودیشیوں سے یدھ کے بجائے ان کے ساتھ مل کر کام کرنے میں ہی ہماری اور ہمارے نگر کی بھلائی ہے''۔

دوت نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے آگے کہا۔ ''جب میں نے انھیں سمجھانے کا پریاس کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان کے شڈینتر کا شکار ہو گئے ہیں تو انھوں نے اسے میری دھرشٹتا سمجھا اور اپنے ویروں کو آدیش دیا کہ مجھے بندی بنا لیا جائے۔ ان کے ویر مجھے پکڑنے کو آگے بڑھے تو میں نے کہا کہ نیم کے انوسار دوت کو بندی نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن جب وہ میری

بات نہیں مانے تو میں نے اپنے بچاو کے لیے ان کا مقابلہ کیا اور انھوں نے مل کر میری یہ درگت بنادی"۔ اس نے اپنی پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کی بوندوں کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے کہا۔"انھوں نے مجھے چیتاونی بھی دی کہ میں آٹھ پہر کے اندر لوتھل بندر چھوڑ دوں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے آپ کے لیے یہ سندیش بھیجا ہے کہ آپ بھی ودیشیوں سے یدھ کرنے کا پریاس نہ کریں، کیونکہ انھیں دیوتاوں کا آشیرواد پراپت ہے۔ مہان رشی سپت منو کا آشیرواد بھی اُن کے ساتھ ہے، اور اب کوئی بھی یدھ کرکے انھیں پراجت نہیں کرسکتا"۔ وہ تھوری دیر کے لیے رکا۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھی۔ ایک گہری سانس لیتے ہوے وہ بولا۔"اس کے پشچات میں سیدھا دھول دیپ واپس آ گیا"

"ہوں"۔ نگر پالک چارودیوا کے منھ سے نکلا۔ مہرشی سپت منو کا نام سن کر وہ حیران ہو گئے تھے۔ وہ مہان تپسوی بھلا ان کے ساتھ کیوں ہو گیا ہے۔ اِن ودیشیوں میں انھیں ایسا کیا دکھائی دیا کہ وہ انھیں آشیرواد دے بیٹھے۔ اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بات بھی سمجھ میں آ رہی تھی کہ لوتھل کے نئے نگر پالک ناتجربے کار اور احمق ہیں اور شاید ان کے مہا کرتا چترانن نے ان کے دل و دماغ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ودیشیوں سے اس طرح کی سانٹھ گانٹھ دس ورشیہ بالک کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔ یہ سب کچھ اسی چترانن کا کیا دھرا ہوگا۔ کچھ بھی ہو، دونوں باتیں سنجیدہ اور قابلِ غور تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اس کے بارے میں انھیں فوراً کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔ انھیں لگ رہا تھا کہ اب انھیں صرف ودیشیوں سے ہی نہیں لوتھل بندر سے بھی ساودھان رہنے کی ضرورت ہوگی۔ وہ اپنے خیالات کی رو میں یہ بھی بھول گئے تھے کہ دوت ابھی تک ان کے کمرے میں موجود ہے۔ انھوں نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔"تم بہت تھکے ہوئے لگتے ہو۔ چنتا کرنے کی آوشیکتا نہیں ہے۔ جاو اور جاکر وشرام کرو"۔

اس کے جاتے ہی انھوں نے دربان کو بلا کر کہا۔"مہاویر تاماس اور مہا کرتا سیوادرکو سوچت کردو کہ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں"۔

چارودیوا کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو گئی تھیں۔ یہ خبر سن کر وہ فکر مند ہو گئے تھے۔ ابھی تک انھیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح لوتھل پالک ان کا ساتھ دیں گے۔ لیکن اب تو ان کا رویہ بالکل بدل چکا تھا۔ وہ دھول دیپ سے کوئی سمبندھ ہی نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ اس کا

مطلب یہ تھا کہ یدھ کے دوران ایسا ہوسکتا ہے کہ دھول دیپ پر دوطرف سے حملہ ہو۔ایک طرف ودیشی ہوں اور دوسری طرف لوتھل بندر کے ویر، جن کی تربیت خود ان کے مہاویر تاماس نے کی تھی، اس کے لیے انھیں ساودھانی بھی رکھنی ہوگی اور پوری طرح تیار بھی رہنا ہوگا۔

وہ اسی فکر میں غلطاں تھے کہ انھیں اطلاع ملی کہ مشاورتی کمرے میں مہا کرتا سیوادر اور مہاویر تاماس آچکے ہیں اور ان کا انتظار کر رہے ہیں۔وہ تیار تو پہلے ہی سے تھے، فوراً اس کمرے میں پہنچے۔ان کی رفتار معمول سے تیز تھی۔وہاں پہنچ کر انھوں نے انھیں بتایا کہ اِدھر ہم سب ودیشیوں کے آتنک سے فکر مند ہیں اور وہاں لوتھل بندر میں نئے ہی گل کھلائے جا رہے ہیں۔چارودیوا نے انھیں بتایا کہ لوتھل پالک نے دھول دیپ سے اپنے تعلقات منقطع کر کے ودیشیوں سے سندھی کرنے کی تیاری کر لی ہے اور مہرشی سپت منو، جنھیں ابھی تک وہ اپنا اشبھ چنتک سمجھ رہے تھے، ودیشیوں کی سہایتا کر رہے ہیں۔یہ سن کر وہ دونوں بھی فکرمند ہو گئے۔

نگر پالک چارودیوا نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ پرستھتی اتینت گمبھیر ہو چکی ہے۔ہمیں اس بات پر وچار کرنا چاہیے کہ یدی ودیشیوں کے ساتھ ساتھ ہمیں لوتھل سے بھی یدھ کرنا پڑا تو ہم کس پرکار ان دونوں کا مقابلہ کر پائیں گے۔ہمارے پاس سنسادھنوں کی کمی ہے۔پرنتو ہم کایر کی بھانتی چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتے۔ہمیں ہر حال میں ان کا مقابلہ کرنا ہے۔اور دیوتاؤں کا ساتھ رہا تو ہم وجئی بھی ہوں گے پرنتو یدی ایسا سمبھو نہ ہوا تو ہم ویرگتی کو پراپت ہو جانا پسند کریں گے۔"

مہاویر تاماس اور مہا کرتا سیوادر کو یہ ناقابل یقین حقائق سن کر جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔حالات کا رخ بالکل ہی بدل چکا تھا۔ایسے وقت میں جب وہ ایک طاقت ور دشمن سے جنگ لڑنے کی تیاری کر رہے تھے، ایک نیا محاذ کھل گیا تھا، جس نے ان کی فکرمندی میں اضافہ کر دیا تھا۔پہلے تاماس نے اپنی زبان کھولی۔اس نے کہا۔"مہامن چنتا نہ کریں۔ہم کوئی نہ کوئی اپائے کرلیں گے۔"

"مہاویر تاماس، یہ لوتھل کا نیا نگر پالک تو مہا مورکھ ہے"۔نگر پالک چارودیوا نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"اسے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ایسے سمے میں کس طرح کا

برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس نے ہمارے دوت کے ساتھ بھی اچھا ویوہار نہیں کیا"۔

"ہاں، مہامن"۔ مجھے تو اس کا پہلے سے ہی ابھاس ہونے لگا تھا۔ جب تک مہامن اریک شا جیوت رہے لوتھل ہمارا متر رہا، لیکن وشواس نہیں ہوتا کہ نئے نگر پالک نے یہ نرنے کیوں لیا۔ ویسے کچھ ماس پہلے میں لوتھل بندر گیا تھا تو میں نے وہاں کے ناگروں سے اس لڑکے کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا، جو اچھا نہیں تھا۔ وہ نگر پالک بننے یوگیہ تو بالکل نہیں ہے"۔

"وہ چترا ان کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ اس کو شاید ایسے ہی نگر پالک کی آوشیکتا تھی جو مورکھ ہو اور اس نے اریک شا کی مرتیو کے پشچات اسے نگر پالک بنانے میں بالکل دیر نہیں کی"۔ انھوں نے پوچھا۔ "ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ یدی ہم نے اس کی اس حرکت کو ان دیکھا کیا تو وہ اسے ہماری دُربلتا سمجھے گا۔ پھر وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے ودیشیوں سے سندھی کر لی ہے۔ تو وہ اب ہمارا کھلا شترو ہے۔ اور اگر ہم ایسا مانتے ہیں تو دھول دیپ کے لیے خطرہ پہلے سے ادھک ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمیں سمے رہتے اس سمسیا کا کچھ نہ کچھ ندان کر لینا چاہیے"۔

"آپ کا کیا وچار ہے مہامن"؟ تاماس نگر پالک کا مقصد سمجھ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھا تاکہ مہامن کھل کر بات کر سکیں۔

مہامن چارودیوا نے ٹھہر ٹھہر کر قدرے سخت لہجے میں اپنی بات کہنی شروع کی۔ "مجھے لگتا ہے کہ یہ اپیکت سمے ہے کہ ہم اچانک لوتھل بندر پر آکرمن کر دیں۔ اس سمے ہماری سینا یدھ کے لیے پوری طرح تیار بھی ہے اور مجھے آشا ہے کہ ورتمان پرستھتی میں لوتھل بندر کے ویر ہمارے ویروں کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔ مگر یہ تتھیہ وچارنیہ ہے کہ ودیشی بھی ان کی سہایتا کے لیے میدان میں آسکتے ہیں۔ پرنتو یدی ہمیں ودیشیوں سے آر پار کا یدھ کرنا ہے تو ہمیں مارگ کے اس روڑے کو ہٹانا اتی آوشیک ہے"۔

"مجھے لگتا ہے کہ یدی ہم ترنت آکرمن کر دیں گے تو ودیشیوں کو لوتھل پہنچ کر ان کی سہایتا کرنے کا سمے ہی نہیں ملے گا"۔ مہاویر تاماس نے کہا۔ "اسہائے لوتھل کو پراجت کرنے میں ہمیں ایک دن سے ادھک سمے نہیں لگے گا"۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مہاویر" ۔نگر پالک نے کہا۔"آکرمن کی تیاری کیجیے"۔

"اُچت وچار ہے، مہامن" ۔تاماس نے تائید کرتے ہوئے کہا۔"ہمیں ان غداروں کو سبق سکھانا ہی پڑے گا۔کیونکہ یدی ودیشیوں سے یدھ کے سمے لوتھل بندر نے ہم پر پیچھے سے آکرمن کر دیا تو ہمارے لیے بھیانک سنکٹ کھڑا ہو جائے گا اور ورتمان پرستھتیوں میں مجھے اس کی پوری آشا بھی ہے کہ وہ مورکھ ایسا ہی کرے گا۔اس لیے ہمیں ترنت اس کی دھرشٹتا کا حساب چکتا کر لینا چاہیے"۔

"تو یہ بات طے رہی کہ ہم لوتھل پر آکرمن کریں گے" ۔مہامن نے دونوں سے کہا۔

(تین)

جہاں طوائف الملوکی گھر کر گئی ہو، جہاں کا سربراہ ناکارہ اور منتظم بے ایمان ہوں، جہاں کے لوگوں میں خود غرضی کا دور دورہ ہو، جہاں امیر اور امیر اور غریب اور غریب ہوتے جا رہے ہوں، جہاں کے ناگرک اپنے حاکموں سے نالاں ہوں اور ان کی قدر نہ کرتے ہوں، اس شہر کے ٹوٹ بکھرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ایسے شہر کے لیے ایک ایسی فوج کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا، جو منظم ہو اور جسے ودیشیوں جیسے طاقت ور دشمن سے جنگ کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ چنانچہ جنگ ہوئی لیکن یہ بالکل یک طرفہ جنگ تھی۔ایک طرف کے لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑ رہے تھے اور دوسری طرف کے جنگ جو موت سے آنکھیں ملانے پر آمادہ تھے۔

اس کا نتیجہ توقع سے بھی پہلے آ گیا۔ایسا نہیں تھا کہ اس مشکل گھڑی میں ودیشیوں نے اپنے دوست لوتھل پالک کی بالکل ہی مدد نہیں کی تھی لیکن یہ کام اپنی کسی مصلحت کی بنا پر وہ پس پردہ رہ کر کرنا چاہتے تھے۔شاید اس لیے کہ لوتھل میں ان کے لوگوں کی تعداد بہت محدود تھی۔ شاید اسی لیے جنگ کے کسی مرحلے میں وہ کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔اس یدھ میں نگر پالک ڈرماشا جو اپنے کوٹ کے باورچی خانے میں چھپا ہوا پکڑا گیا تھا اور مہاکرتا چترانن جو کہیں فرار ہونے کی کوشش میں تھا، جنوبی پھاٹک کے پاس پکڑ کر مار دیا گیا اور لوتھل بندر اب مکمل طور پر دھول دیپ کا ایک حصہ بن چکا تھا۔

دھول دیپ پالک چارودیوا اس جیت سے بے حد خوش تھے۔ انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کام اتنا ہی آسان تھا تو اسے انھیں بہت پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اتنی جلدی یہ جیت صرف تاماس کی حکمت عملی، شجاعت اور سوجھ بوجھ کی وجہ سے ہی ممکن ہو پائی ہے۔ وہ اسے اس کا انعام دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے تاماس کو بلا کر اس سے کہا کہ ان کی خواہش ہے کہ وہ دھول دیپ کے مہاویر کے عہدے کے ساتھ ساتھ لوتھل پالک کے فرائض بھی انجام دے۔ تاماس نے نہایت احترام سے سر جھکا نگر پالک کے اس فیصلے کو قبول کیا اور یہ اضافی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔

بالآخر تاماس کی پیدائش کے وقت نجومیوں کی یہ پیشین گوئی بھی درست ثابت ہوئی تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن کسی نگر کا مہاپالک بنے گا۔ لیکن انھوں نے اس کے بعد جن برے دنوں کی بات کہی تھی، اس کے واقع ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔

نئے عہدے کی تفویض کی کارروائی پوری ہوتے ہی تاماس لوتھل کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر روایات کے عین مطابق تمام رسوم کی ادائگی کے بعد اس نے مہاپالک کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اس خوشی کے موقعے پر لوتھل کے ناگرکوں کا ایک جم غفیر تھا جو خوشی سے نعرے لگا رہا تھا۔ شاید انھیں ایک بار پھر اپنا مستقبل روشن نظر آنے لگا تھا۔ شاید انھوں نے اس کی امید نہیں کی تھی کہ ان کے شہر کا نظم اب کبھی ٹھیک ہو سکے گا۔ انھوں نے دیکھا تھا کہ ان کے بہت سے ساتھی یہی سب سوچ کر نگر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

ان کا جوش و جذبہ دیکھ کر ہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے نئے نگر پالک سے بہت خوش ہیں۔ لیکن تاماس کے لیے دو دو ذمہ داریاں سنبھالنا اور وہ بھی ایسے نازک وقت میں جب اسے ایک بڑی جنگ لڑنے کی تیاریاں کرنی تھیں، آسان نہ تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس ہار کو غیر ملکی ہضم نہیں کر پائیں گے اور اس کا عین امکان ہے کہ وہ بغیر کسی اطلاع کے دھول دیپ پر حملہ کر دیں۔

اس نے عارضی طور پر اپنے ایک قریبی شخص کو اپنا نائب مقرر کر کے لوتھل بندر کی ساری ذمہ داریاں اسے سپرد کیں اور دھول دیپ واپس آ گیا۔ اس لیے کہ اس کے پاس وقت کم تھا اور کام بہت زیادہ۔ وہاں پہنچ کر اس نے فوراً اپنی فوج کو نئے سرے سے منظم کیا اور انھیں

چاق و چوبند رہ کر کسی بھی غیر متوقع صورت حال کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔

(چار)

تاماس نے لوتھل بندر کی ذمہ داری سنبھال تو لی تھی لیکن دھول دیپ میں اسے مہاویر کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں نبھانی تھیں، ان کے ساتھ لوتھل کے نظم و نسق کی نگرانی کر پانا اسے ناممکن معلوم ہونے لگا تھا۔ دھول دیپ سے لوتھل بندر کا طویل فاصلہ یہاں کے انتظامی امور کو بہتر طور پر چلانے میں مانع تھا۔ دھول دیپ میں بھی صورت حال نازک تھی۔ چنانچہ اس نے مہاپالک چارودیوا کے مشورے سے اس شہر کے لیے اپنی پسند کے کچھ کرتاؤں کا انتخاب کیا اور انھیں مختلف قسم کی ذمہ داریاں الگ الگ سونپ دیں۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بھائی ہانیش کو ان کا سربراہ مقرر کرے لیکن اس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ وہ تاجر ہے اور ہمیشہ تاجر ہی رہنا چاہتا ہے۔

اپنی سہولت کے لیے اس نے یہ نیا نظام بھی شروع کیا تھا کہ اسے ہرکارے کے ذریعے لوتھل بندر کے بارے میں روز کی اطلاعات ملتی رہیں۔ اس کے لیے اس نے گھڑسواروں کا انتظام کیا تھا۔ راستے میں کئی چوکیاں تعمیر کروائیں، جہاں یہ نظم بھی شامل کیا گیا تھا کہ راستے میں تھکے ہوئے گھوڑوں کو بدل کر تازہ دم گھوڑے مہیا رہیں۔ اس نے لوتھل بندر کی فوجی سرگرمیوں کی مناسب نگہداشت کے لیے ایک الگ مہاویر کا بھی انتخاب بھی کیا تھا۔ جس کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ وہاں لوگوں کا معقول معاوضے پر ویر کی حیثیت سے تقرر کرے اور ان کی فوجی تربیت کا انتظام کرے۔ یہ سب کرنے کے بعد اسے لوتھل بندر کی طرف سے قدرے اطمینان نصیب ہوا۔

لوتھل بندر کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی ودیشی خاموش تھے۔ تاماس کو ان کی یہ خاموشی کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کا اگلا قدم کیا ہو سکتا ہے۔ امکانات تو بہت سے تھے اور وہ کسی بھی امکان کو نظرانداز کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ہر اعتبار سے اپنی فوج کو مستعد رہنے کو کہا۔ اُدھر ودیشیوں کو اس بات کا افسوس ضرور تھا کہ اپنی طویل مدتی مصلحتوں کے سبب وہ کھل کر لوتھل پالک کی مدد نہیں کر سکے

تھے۔ جب کہ ایک نااہل نگر پالک اور ایک لالچی مہا کرتا کا وہاں ہونا ان کے حق میں تھا۔ لیکن وہ فوری طور پر ایسا کوئی ردعمل ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے، جو ان کی جنگی تیاریوں میں رخنہ انداز ہو۔

انھوں نے اس بارے نہ تو اپنی منصوبے میں کوئی تبدیلی کی اور نہ زیادہ دنوں تک اس کا افسوس۔ جیسے انھیں یقین تھا کہ آج نہیں تو کل وہ دھول دیپ سے صرف لوتھل ہی نہیں ان کا پیارا شہر دھول دیپ بھی چھین لینے والے ہیں اب وہ اپنی پوری توجہ اس امر پر صرف کر رہے تھے کہ انھیں دھول دیپ سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنی تھی۔ اگر اس جنگ میں فتح ان کا مقدر بنتی ہے تو ان کے سارے مسائل اپنے آپ حل ہو جانے والے تھے۔

ایک اور جنگ

(ایک)

یہ بات الگ تھی کہ کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا، پھر بھی دھول دیپ اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ غیر ملکی ان سے اپنی اور لوتھل بندر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔

ان کے گپت چر اپنے کام پر مستعد تھے۔ انھوں نے انھیں اطلاع دی تھی کہ دشمن کے پاس تین سو گھوڑوں، کچھ جدید ہتھیاروں اور لگ بھگ پانچ سو تربیت یافتہ جنگ جوؤں کی کھیپ لوتھل بندر کی جنگ سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ چکی تھی اور مزید گھوڑوں اور جنگ کے جدید ترین ساز و سامان سے لدا ہوا ایک جہاز اور آنے والا ہے، جو دو ہفتے بعد لوتھل بندرگاہ پر لنگر انداز ہوگا۔ ان کی اطلاع میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اس کے بعد یہ سارا سامان بیل گاڑیوں کے ذریعے خشکی کے راستے امری گال لے جایا جائے گا۔ یہ خفیہ معلومات ان کے بڑے کام کی تھی۔ لوتھل اب ان کے قبضے میں تھا اور وہ آسانی سے ان کا یہ سامان اپنی تحویل میں لے سکتے تھے۔

نگر پالک چارودیوا اور رمھا دیر تاماس ان غیر ملکیوں کی جنگی صلاحیتوں اور جنگ کرنے کی ان کی مہارت سے بخوبی واقف تھے۔ پچھلی جنگ میں وہ اس کا عملی تجربہ بھی کر چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی طاقت سے محض ویروں کے بل پر جیت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لیے انھیں کوئی منصوبہ بنانا ہوگا اور ہر ممکن طریقے سے ان کی طاقت کو کم کرنے کی کوشش

کرتے رہنا ہوگی۔

یہ کوشش بھی ضروری تھی کہ کسی طرح ان کی طاقت کو کم سے کم کرنے کے سلسلے میں بھی کام کیا جائے۔ تاماس کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی، وہ فوراً لوتھل کے لیے روانہ ہوگیا تاکہ جیسے ہی ان کا جہاز وہاں لنگر انداز ہو، وہ اس کا سارا سامان اپنے قبضے میں لے لے۔ اس سے جہاں ایک طرف ودیشیوں کے منصوبے کو زک پہنچے گی، وہیں دوسری جانب ان کے پاس ساز و سامان کی ایک وافر مقدار مفت میں ہی مل جائے گی۔

گپت چر کی دی ہوئی اطلاع بالکل درست ثابت ہوئی تھی۔ مقررہ وقت پر ایک جہاز لوتھل کی گودی میں داخل ہوا۔ ابھی وہ لنگر ڈالنے ہی والے تھے کہ تاماس کے ویروں نے چھوٹی کشتیوں کی مدد سے جہاز پر دھاوا بول دیا اور گہرے پانیوں میں ہی جہاز کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ گودی پر موجود ودیشیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہاں سے فرار ہو جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ اور اس طرح یہ سارا سامان بغیر کسی خاص جدوجہد کے تاماس کے ہاتھ لگ گیا۔

(دو)

دھول دیپ کے نگر پالک چارودیوا سے مالی امداد فراہم ہو جانے اور مہرشی سپت منو کی زیرنگرانی دل من میں بڑے پیمانے پر مرمت اور تعمیر جدید کا کام شروع ہو چکا تھا۔ پرانی عمارتوں میں کچھ ایسی تھیں جنھیں بہت کم مرمت کی ضرورت تھی۔ معمولی مرمت اور ضروری صفائی کے بعد انھیں استعمال کے لائق بنالیا گیا تھا اور دوسرے شہروں اور بستیوں سے آنے والے لوگوں کو یہاں بسایا جارہا تھا۔ لیکن بیشتر عمارات اتنی کمزور ہو چکی تھیں کہ انھیں پوری طرح سے مسمار کرکے ہی نئے سرے سے ہی رہنے کے لائق بنایا جا سکتا تھا۔ مہرشی کی مسلسل ترغیب اور کوششوں سے دل من آ کر بسنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا تھا اور اس سے مہرشی پوری طرح مطمئن بھی تھے۔ لیکن ایک بڑے شہر کو جس طرح بسنا چاہیے اس میں اب بھی کافی کمیاں تھیں۔ ان کی منشا دل من کی سابقہ رونق کو بحال کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پرانی عظمت، اہمیت اور مرکزیت کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ یہاں لوگوں کو لا کر بسانا ایک مسئلہ تو تھا لیکن اصل مسئلہ سڑکوں، گلیوں اور اس عظیم تالاب کی تعمیر جدید کا تھا، جسے کبھی دل من کے ایک

عظیم مہاپالک مہامن ابکتنی دیتی نے اپنے افراد خانہ کے استعمال کے لیے تعمیر کروایا تھا اور جسے مہامن کشال نے اپنے دور اقتدار میں ہفتے میں ایک دن عوام کے لیے کھول کر دل من کے ناگرکوں سے اپنی ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح اس تالاب کو ایک تاریخی حیثیت اور بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ شہر کی سڑکوں اور اس تالاب کو کئی دن تک قہر ڈھانے والے سیلاب سے کافی نقصان پہنچا تھا۔

مہرشی کے مختلف شہروں اور بستیوں میں جا کر لوگوں کو دل من کی طرف کوچ کرنے کی مہم جاری تھی۔ وہ مہینے میں ایک ہفتے آرام کرتے اور تین ہفتے مختلف شہروں کے دورے پر رہتے۔ ان کی اس کاوش کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو رہا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ دیکھ رہے تھے کہ ودیشیوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن ان کی سرگرمیوں کے بارے میں انھیں جو اطلاعات مل رہی تھیں وہ کچھ اچھی نہیں تھیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ سارے لوگ بھی دل من میں آ کر رہیں لیکن اس سے پہلے انھیں شریفانہ طرز رہائش پر آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ انھیں مقامی لوگوں سے نفرت ہے اور وہ ان کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی سنا تھا کہ انھوں نے ان کے کئی رہائشی علاقوں پر زبردستی قبضہ کر کے وہاں کے رہنے والوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اب اگر وہ انھیں دل من میں آ کر رہنے کی دعوت دیتے ہیں تو ظاہر ہے یہ باتیں ان کے اپنے وقار کے منافی تھیں۔ لیکن انھوں نے سوچا کہ انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

انھیں یہ اطلاع بھی تھی کہ یہ غیر ملکی جلد ہی ڈھول دیپ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ انھیں اندیشہ تھا کہ امری گال جا کر ودیشیوں سے ملنے کی وجہ سے کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ وہ حق کی راہ سے منحرف ہو گئے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ ڈھول دیپ پالک چارودیوا کی مالی امداد سے دل من میں مرمت کا کام چل رہا تھا۔ ودیشیوں سے ان کی قربت کے بارے میں اگر انھیں معلوم ہوتا ہے تو اس میں ان کی ناراضگی کا بھی خطرہ ہے۔ اور ان کی یہ ناراضگی دل من کی باز آبادکاری کے کام میں رخنہ انداز ہو سکتی تھی۔ اس لیے انھیں کچھ بھی کرنے کے پہلے اس معاملے پر غور و خوض کرنے کی ضرورت تھی۔

اس موضوع پر غور فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک رشی کو سیاست سے کوئی مطلب

نہیں ہونا چاہیے۔ نگر پالکوں کا کام، ان کی دوستیاں اور دشمنیاں وہ جانیں، انھیں تو بس یہ دیکھنا چاہیے کہ دل من کی باز آبادکاری کیسے ممکن ہو سکتی ہے اور اس کا کھویا ہوا وقار کیسے بحال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان ودیشیوں سے رابطہ کرنے کا من بنالیا تھا۔

اور اپنی اسی ادھیڑ بن کے درمیان آج وہ ان ودیشیوں کے شہر امری گال پہنچ گئے تھے۔ خلاف توقع یہاں کچھ لوگوں نے، جو اچھے اور کھاتے پیتے گھرانوں کے معلوم ہو رہے تھے، ان کا استقبال گرم جوشی سے کیا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ان کے رنگ روپ کی وجہ سے انھیں اپنوں میں سے ایک سمجھتے ہوں۔

استقبال میں اس طرح کا ان کا جوش و خروش دیکھ کر مہرشی کو محسوس ہوا کہ یہ لوگ اتنے بھی برے نہیں ہیں جتنا کہ انھوں نے ان کے بارے میں سن رکھا تھا۔ انھوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لی کہ ہر سماج میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہاں برے لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ ہو لیکن اچھے لوگ مفقود نہیں ہیں۔ وہ یہاں کسی دیوایتن کی تلاش میں تھے۔ لیکن انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بستی میں بس ایک ہی دیوایتن تھا۔ اس کی عمارت کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی دیکھ بھال کافی عرصے سے نہیں ہوئی ہے۔ انھیں معلوم ہوا کہ یہ دیوایتن ان لوگوں کا بنوایا ہوا ہے جو ان ودیشیوں سے پہلے یہاں رہا کرتے تھے۔ ان کے بستی سے چلے جانے کے بعد کسی کو بھی اس عمارت سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ یہاں آنے جانے والے لوگوں کی تعداد بھی برائے نام تھی، جس سے مہرشی کو اندازہ ہوا کہ یہ ودیشی عقیدے کے اعتبار سے مقامی لوگوں سے مختلف ہیں۔

مہرشی سپت منو اپنے دو شاگردوں کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔ انھیں اس بات کا شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے پس پشت ودیشی ان کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہے ہیں۔ انھوں نے دیوایتن پہنچ کر ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ اب یہ کام ان کے شاگردوں کا تھا کہ وہ شہر میں گھوم گھوم کر لوگوں کو یہ بتائیں کہ آج شام غروب آفتاب کے فوراً بعد مہرشی سپت منو لوگوں سے خطاب کرنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی زندگی کو بہتر بنانا چاہتے ہیں وہ بڑی تعداد میں دیوایتن کے میدان میں پہنچیں اور ان کی امرت وانی سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن ان کے شاگردوں نے محسوس کیا کہ عام طور پر یہاں کے لوگ ان کی باتوں پر توجہ نہیں دے رہے ہیں اور اپنے اپنے کاموں میں

مصروف ہیں۔

شام میں دیو ایتن میں بہت کم لوگ آئے تھے، لیکن مہرشی کو یہ بھی غنیمت لگا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ وہ ان کے سامنے کچھ باتیں کریں، اگر انھیں اچھی لگیں گی تو یہی لوگ اپنے شناسا لوگوں تک ان کی باتیں پہنچا دیں گے۔ انھوں نے ایک اونچی سیڑھی پر کھڑے ہو کر اپنا پروچن شروع کیا۔

وَیَسہ کر منوتھسیہ شرُت سیامی جَنسیہ چہ
ویش واگ بدّھی سارویہ ماچر نوی چرے دِہ
بدّھی ورِدّھی کر انیاشو دھنیانی چہ ہتانی چہ
نِتیم شاستر انیہ ویکشیت نِگماشچیووَیدی کان

سمست سنسار کے مانو ایک سمان ہیں۔ ان میں بھید بھاو کرنا یا ایک کا دوسرے کو تچھ سمجھنا مہاپاپ ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔ پروپکار سے سنسار پر وجے پراپت کی جا سکتی ہے جب کہ سوارتھ پرتا ایک مانو کو دوسرے سے دور لے جاتی ہے۔

میری یہ بات سدیو اسمرن رہے کہ دوسروں سے پریم ہمیں ایک سوتر میں باندھتا ہے اور کیول سویم سے پریم ہمیں ایکاکی بناتا ہے۔ ہمیں پریوار، نگر، دیش اور سنسار میں ایکتا لانی ہے تو سویم کا تیاگ کر کے بھی ہمیں دوسروں سے پریم کرنا چاہیے۔ دوسروں کو کٹھن گھڑی میں سہایتا کرنا چاہیے۔ اس پرکار کے کاموں کا اپنا سکھ ہے۔ ایک بار کر کے تو دیکھو۔ اس سے جس سکھ کی پراپتی ہوگی وہ تمھارے ساتھ سدیو رہنے والا ہے۔ باقی سب متھیا ہے۔

آپ سب کو گیات ہوگا کہ دل من نگر پھر سے بس چکا ہے۔ مجھے سوچنا ملی ہے کہ آپ لوگوں کو یہاں رہنے کے لیے اب استھان کی کمی کا سامنا ہے، اس کے لیے یدی تم لوگ دوسری بستیوں اور نگروں میں لوٹ مار کر رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ پاپ

---

[1] عمر، عمل، دولت، علم اور خاندان کے مطابق لباس، گفتگو اور عقل کا استعمال کرتے ہوئے اس سنسار میں گھوم (۱۸) عقل میں سرعت سے اضافہ کرنے والے، دولت کو بڑھانے والے، براہ راست فائدہ پہنچانے والے علم میں اضافہ کرنے والی بنیادوں پر ہمیشہ نظر رکھے۔ (۱۹)۔۔۔ منوسمرتی باب اول شلوک ۱۸ اور ۱۹

ہے۔ کو کرم ہے، اسے تیاگ دو۔ ایسا وچار من میں نہ لاؤ کہ دوسروں کو دکھ پہنچا کر تم سکھی رہ سکتے ہو۔ میں تمھیں دل من نگر کے شانت واتاورن میں رہنے کے لیے آمنترت کرتا ہوں۔ جو لوگ سکھ شانتی کے ساتھ اپنا جیون ویتیت کرنا چاہتے ہیں، وہ اس نگر میں آ کر رہ سکتے ہیں۔ ہم پریاس کریں گے کہ انھیں وہاں کسی پرکار کی کوئی اسوویدھا اور کٹھنائی نہ آئے۔

اس کے ساتھ ہی مہرشی سپت منو نے اپنا پروچن ختم کیا اور دھیرے دھیرے سیڑھیوں سے نیچے اتر کر اپنے شاگردوں کے ساتھ دیوایتن کے اندر چلے گئے۔

ان کی باتیں سن کر وہاں موجود لوگ آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ درست تھی کہ لوگوں کی آبادی کو دیکھتے ہوئے یہاں امری گال میں لوگوں کے رہنے کے لیے جگہ کم تھی۔ ویسے بھی انھیں بتایا گیا تھا کہ جلد ہی انھیں کسی دوسرے نگر میں جا کر رہنا ہے، اس کے لیے ان کے ویروں کی کوششیں جاری تھیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے انھوں نے اورما گڑھی پر قبضہ کر کے اسے خالی کرا لیا تھا تو ان کے پاس جگہ کی کمی نہیں رہ گئی تھی۔ پرنتو بڑی تعداد میں ابھی لوگوں کو ودیش سے آنا تھا اور ان کے رہنے کے لیے ابھی اور بستیوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان میں سے کچھ کا خیال تھا کہ ہمیں مہرشی کی بات مان لینا چاہیے اور فوراً دل من کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے، جہاں مہرشی ہر طرح کی سکھ سویدھا کا آشواسن دے رہے ہیں۔ لیکن کچھ کا کہنا تھا کہ ہمیں کوئی کام اپنے نگر پالک مردوک کو بتائے بنا اور ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔ ہم انھیں کے کہنے پر اس نئی دھرتی پر آئے ہیں اور ابھی یہاں کے لوگوں کو ٹھیک سے جانتے بھی نہیں ہیں۔ ممکن ہے اس میں ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔ ہمیں اپنے نگر پالک کو اطلاع دینی چاہیے اور اس پر ٹھیک سے غور و فکر کے بعد اگر وہ اجازت دیتے ہیں تو ہی اس نگر سے روانہ ہونے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

(تین)

ہر طرف ودیشیوں کا آتنک تھا۔ سارے دھول دیپ میں لوگ ان سے پریشان تھے۔ چاروں طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ لوگ طرح طرح کی مشکلوں میں گرفتار

تھے۔ ودیشیوں کی یہ ریشہ دوانیاں ایک الگ طرح کا پیغام دے رہی تھیں۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ تم سے جو بنے کرلو ہم تمھارے کسی قانون کو نہیں مانیں گے۔ ہم وہی کرتے رہیں گے، جو ہمیں ٹھیک لگے گا۔ چاہے تمھیں اچھا لگے یا نہ لگے۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ مہا پالک کے ویر ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوں۔ وہ اپنا کام کر رہے تھے۔ روزانہ ہی لوگوں کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈالا بھی کیا جا رہا تھا۔ لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے غیر قانونی کام کرنے والوں کی باڑھ آ گئی ہے۔ اس میں ایک پوشیدہ پیغام یہ بھی تھا کہ جیسے ودیشی خود حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دھول دیپ کے شہری تنگ آ کر خود ان پر حملہ کر دیں۔

نگر پالک چارو دیوا پریشان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی لاکھ کوششوں کے بعد بھی بہ مشکل تین ہزار پیدل ویروں اور ڈیڑھ سو گھڑسواروں کا انتظام ہو پایا ہے۔ ان کے پاس بیشتر ہتھیار بھی ان کے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے جو ان ودیشیوں سے مقابلے کے لیے قطعی ناکافی تھے، یہ بات پچھلی جنگ میں ثابت ہو چکی تھی۔ غیر ملکیوں کے پاس حالانکہ جنگ جو صرف ڈیڑھ ہزار کے قریب ہی تھے لیکن وہ سب کے سب گھڑسوار اور جدید مغربی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دشمنوں کے تیز رفتار اور جنگ کے مزاج داں گھوڑوں کا مقابلہ ان کے پیدل ویر اپنے تیر کمان اور گھسی پٹی تلواروں سے نہیں کر سکتے۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اور وہ پچھلے دو تین مہینوں سے کچھ نہ کچھ تو کر ہی رہے تھے۔

عین اس وقت جب وہ ہونے والی جنگ کو لے کر پریشان تھے، مہا پالک کو یہ خبر ملی کہ لوتھل میں مہا ویر تاماس کی نگرانی میں ودیشیوں کا جہاز پکڑ لیا گیا ہے اور اس میں بڑی تعداد میں گھوڑے اور جدید ترین ہتھیار برآمد ہوئے ہیں۔ انھیں اس خبر سے خوشی بھی ہوئی اور اطمینان بھی کہ اب وہ ودیشیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے بہتر طور پر تیاری کر سکیں گے۔

سپہ سالار مہا ویر تاماس نے مشورہ دیا تھا کہ ہمیں دشمنوں سے اپنی زمین پر لڑنے کے بجائے اس وقت ان کے شہر امری گال پر حملہ کر دینا چاہیے جب وہ بے خبر اور ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہوں اور نگر پالک چارو دیوا کو تاماس کا یہ مشورہ پسند بھی آیا تھا۔ تاماس کا یہ بھی کہنا تھا کہ امری گال پر حملہ کرتے وقت سینا کی کمان مہامن چارو دیوا یا مہا پالک پتر ورن دیوا سنبھالیں اور وہ سویم کچھ ویروں کے ساتھ شہر کے باہر میدان میں انھیں للکار کر الجھائے رکھے گا۔ جب ہم

یہاں ان کی فوج سے برسرپیکار ہوں گے تو ہم دھول دیپ سے دور نہیں ہوں گے، اور اگر یہاں کوئی انہونی ہوتی تو ہم اسے سنبھال سکتے ہیں۔ اس بیچ مہامن ان کے شہر کو تہس نہس کر دیں گے اور ان کی قوت کا مرکزی سرچشمہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

مہاپالک چارودیوا نے تاماس کے مشورے کو مانتے ہوئے اس میں بس اتنی ترمیم کی کہ امری گال پر حملہ کرنے والی فوج کی کمان وہ اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور ان کا پتر ورن دیوا ان کے ساتھ ہی رہے گا تا کہ اسے عملی طور پر یہ تجربہ ہو کہ جنگ میں کیا کچھ ہوتا ہے۔

لیکن اس منصوبے میں ایک جھول تھا۔ وہ یہ کہ اپنی مختصر فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرنا خطرے سے خالی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس سے ان کی طاقت بکھر کر اور بھی کم ہو جائے گی۔ لیکن ان کی نصف تعداد بھی ویروں کی تعداد کے لحاظ سے ودیشیوں سے زیادہ تھی۔ اس پر سب نے مل کر کافی غور و خوض کیا اور بالآخر یہی طے پایا کہ سینا کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو محاذوں پر ایک ساتھ لڑائی لڑی جائے گی۔ ایک کی کمان خود مہامن چارودیوا کے ہاتھ میں ہوگی اور دوسرے حصے کی سپہ سالاری کے فرائض عہاویر تاماس انجام دیں گے۔

(چار)

دھول دیپ نے جب یہ طے کیا کہ ودیشیوں کی خواہش کے مطابق وہ دونوں محاذوں پر حملہ خود کریں گے اور ایک ساتھ کریں گے، تو مجلس مشاورت کی اکثریت کا خیال تھا کہ ان کا یہ اقدام ان کے لیے خودکشی کے مترادف ہوگا۔ لیکن ضروری نہیں کہ سبھا کی اجتماعی سوچ مہاپالک کی بھی سوچ ہو۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حکمراں کے سامنے کسی بھی مسئلے کی جزئیات جس طرح روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہیں، وہ شاید کسی اور کے سامنے نہیں ہوتیں۔ البتہ انھوں نے کسی بھی انہونی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگ شروع کرنے کے پہلے اپنے، عہاویر تاماس، مہاکرتا سیوادر اور اپنے تمام کرتاوں کے افراد خانہ کو محفوظ مقامات پر بھجوا دیا تھا تا کہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

فی الحال مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا متبادل بچا ہی نہیں تھا۔ اگر انھوں نے جلد کوئی مناسب اقدام نہ کیا تو یہ شہر کسی بھاری مصیبت میں پھنس سکتا

تھا۔ ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے اس اہم مسئلے پر بھی وہی طے ہوا، جو نگر پالک کی مرضی تھی۔ البتہ اتفاق رائے سے بھائی اس تجویز کو مان لیا گیا کہ مہادیو نہ کریں اگر ہمیں کوئی برا وقت دیکھنا پڑے تو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے جنگ کا میدان چھوڑ کر کسی محفوظ مقام پر جایا جا سکتا ہے اور نگر پالک کے کہنے کے مطابق وہ محفوظ جگہ دل من کے علاوہ بھلا اور کیا ہو سکتی تھی، جہاں انھیں کے خرچ پر شہر کو پھر سے آباد کے لیے نئی عمارات، سڑکیں اور زندگی کے جملہ وسائل کی فراہمی کا سلسلہ جاری تھا۔ مہرشی سپت منو نے چونکہ پہلے ہی انھیں اس بات کے لیے مدعو کیا تھا کہ وہ آ کر اس نگر کی قیادت سنبھال لیں، اس لیے وہاں جانے کا فیصلہ کرنے میں انھیں دیر نہیں لگی۔ البتہ ہر شخص کی شدید خواہش یہی تھی کہ ایسا برا دن نہ آئے کہ انھیں اپنا پیارا شہر دھول دیپ چھوڑنے کی نوبت آئے۔

حالانکہ انھوں نے اور ان کے عملے نے راز داری برتنے کی پوری کوشش کی تھی کہ ان کے منصوبے کا علم کسی بھی طرح ودیشیوں کو نہ ہونے پائے، لیکن دھول دیپ شہر کا نظم وضبط اتنا بگڑ چکا تھا کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون اپنی سرزمین سے پیار کرنے والا اور وفادار ہے اور کون غدار اور دشمن۔ دشمن تو خیر اپنے گورے رنگ روپ کی وجہ سے دور ہی سے پہچانے جا سکتے تھے لیکن دیسی دشمنوں کی تعداد بھی اب اچھی خاصی ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی بھیجی ہوئی شاطر لڑکیاں اب کئی قابل ذکر ناگرکوں کی بیویاں اور بہوئیں بن چکی تھیں اور خود نگر پالک کا کوٹ بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے کوٹ کے اندر ہونے والی سرگرمیوں کی ساری اطلاع کسی نہ کسی طور ودیشیوں کو ہو جاتی تھی۔ یہ لڑکیاں حالانکہ جائے مشاورت تک نہیں پہنچ پاتی تھیں، لیکن جو لوگ وہاں ہوتے تھے، وہ ان کی محبت میں انھیں وہ سب کچھ بتا دیتے تھے، جو انھوں نے سنا تھا یا جس کا فیصلہ ان لوگوں نے مل جل کر کیا تھا۔

چنانچہ اس سے پہلے کہ دھول دیپ ان پر حملہ کرتا، ودیشیوں کے گھڑسواروں نے شہر کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کی تیاری انھوں نے بہت ہی خفیہ طور پر کی تھی اور شہر کے اندر کے کسی شخص کو اس کی بھنک بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ دشمن کی فوج ان کے سر پر بالکل مستعد حالت میں کھڑی ہے۔ دھول دیپ کے اپنے منصوبے کے مطابق آخر حملہ کرنے کا مقررہ دن آ پہنچا۔ شہر کے باہر انھوں نے بھی پوشیدہ طور پر اپنی فوج کے کچھ دستے بالکل تیار کر رکھے تھے کہ وہ یہاں

ایک محاذ کھولیں گے اور امری گال پر حملہ کرنے کے لیے انھوں نے دوسرا محاذ اس کے پاس کے جنگلوں میں پوشیدہ فوجی دستے کے سپرد کر رکھا تھا۔ انھیں یہ ہدایت دی جا چکی تھی کہ اشارہ ملتے ہی وہ امری گال پر دھاوا بول دیں گے۔

ودیشیوں پر حملہ کرنے کے لیے وہ دن ڈوبنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی شام ہوئی، تاماس نے اس نیم تاریک ماحول میں اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا، اس میں پہلے سے تیار کیا گیا تیل آلود کپڑا لپیٹ کر اس میں آگ لگائی اور اس تیر کو کمان پر رکھ کر اپنی پوری قوت سے ڈوری کو کھینچتے ہوئے آسمان کی طرف چھوڑ دیا۔ یہ اشارہ امری گال میں سربراہی کر رہے نگر پالک چارودیوا کو اطلاع دینے کے لیے تھا کہ شہر کے نواح میں جنگ کا آغاز ہو گیا ہے اور اب انھیں بھی امری گال پر حملہ کر دینا چاہیے۔

دھول دیپ کے بڑے پھاٹک کے باہر جنگ کا عجیب وغریب منظر تھا۔ دشمن، جو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہاں ان کے چھپے ہونے کی اطلاع مخالف فوج کو نہیں ہے، وہ شب باشی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اسی وقت تاماس نے اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ان میں افراتفری اور بوکھلاہٹ کا ماحول رہا۔ لیکن یہ ماحول اس وقت تک ہی برقرار رہا جب تک کہ وہ اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار نہیں ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ تیار ہو کر سامنے آئے تو ان کے تیز رفتار گھوڑوں نے تاماس کی پیدل فوج کو روندنا شروع کر دیا۔ ودیشیوں کی فوج کی سربراہی خود مردوک کر رہا تھا۔ دونوں طرف کے ویروں کے لیے یہ جنگ یک طرفہ تھی، دونوں سمجھ رہے تھے کہ اس جنگ میں ودیشیوں کا پلہ بھاری ہے۔ لیکن جب مردوک اور تاماس ایک دوسرے کے سامنے آئے تو ایسا بالکل نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اصول کے مطابق دو فوجی سربراہوں کے درمیان ہونے والی دوبدو جنگ میں کسی تیسرے کو دخل دینے کی ممانعت تھی۔ اس لیے دونوں کے درمیان ہونے والی یہ جنگ قابل دید تھی۔ دونوں کے حفاظتی دستے بس تماشائی بنے دیکھ رہے تھے کہ اس میں کس کا پلہ بھاری پڑتا ہے۔

دونوں آمنے سامنے آئے تو مردوک نے تاماس کو للکارتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔
"مجھے اچھی طرح پہچان لو کہ میں مردوک ہوں، نی پُر کا تجربہ کار جانباز، میں آماآسا کا بیٹا

ہوں جو خود بھی بڑا جنگ جو تھا، میرا دادا ارمادا بھی جنگ جو تھا اور اس سے بھی پہلے پانچ پشتوں تک ہمارا خاندان جنگ جوؤں کا خاندان رہا ہے"۔

اس پر تاماس نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ "منم کہ تاماس، ال بابلون کے معبد کی خادمہ زورمی کا بیٹا، جسے دیوپتر کا مرتبہ حاصل ہوا اور جسے خود مہامن جمورنی نے گل گموش کی کہانی سنائی اور جس نے اس سے نصیحت حاصل کی"۔

"بہتر ہوگا کہ تم مقابلے سے ہٹ جاؤ اور یہ شہر ہمارے حوالے کر دو، کیونکہ تم میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچو گے"۔ مردوک نے سینہ تان کر تاماس کو مخاطب کیا۔

"ارے مردود، کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ بغیر جنگ کے ہار کا اعتراف بزدل لوگ کیا کرتے ہیں۔ تمہارے جیسا بے دماغ ہی کسی ان اہل سے اس کی امید کر سکتا ہے۔ میں نے کئی جنگیں لڑی ہیں اور اپنی زندگی میں اچھے اچھوں کو دھول چٹائی ہے۔ میں نے آج تک کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ نہ دشمن سے گھبرا کر گل گموش کی روح کو تکلیف پہنچائی۔ اب میرا اگلا نشانہ تو ہے۔ اگر تو اپنی بھلائی چاہتا ہے اور اس سنسار میں کچھ روز اور جینا چاہتا ہے تو اس جنگ سے باز آ جا اور اپنا بوریا بستر لپیٹ کر صرف دھول دیپ سے ہی نہیں، ہماری سرزمین سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جا کیونکہ یہی تیرے اور تیری قوم کے حق میں بہتر ہوگا"۔

یہ سن کر مردوک نے تلوار کھینچ لی۔ مگر اس سے پہلے ہی تاماس نے تلوار نکال کر اس پر حملہ کر دیا۔ مردوک بھی بے خبر نہیں تھا، اس نے فوراً اپنی ڈھال سر کے اوپر اٹھا کر تاماس کے وار کو روکا اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی تلوار سے اس کے سر پر وار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان دونوں ماہر جنگ جوؤں کو ایسے ہی تو شکست نہیں دی جا سکتی تھی۔ آخر وہ دونوں اسی میدان کے پیشہ ور کھلاڑی تھے۔

دونوں ہی میدان کے منجھے ہوئے جنگ جو تھے۔ دونوں کو ہی جنگ کا خاصا تجربہ تھا۔ ایک طرف ال بابلون کے معبد کا تربیت یافتہ تاماس اپنے گھوڑے پر تھا اور دوسری طرف اپنی زندگی کا بیشتر وقت مغربی علاقوں میں گزارنے والا مردوک جیسا جنگ جو اپنے گھوڑے پر تھا، جہاں اس نے متعدد جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ دونوں کو جنگ کا یکساں تجربہ تھا اور دونوں ہی جدید ترین ہتھیاروں سے لیس تھے۔ یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا

نکلے گا۔ دونوں سر سے پاؤں تک آہنی خود سے ڈھکے ہوئے تھے، دونوں کے ہاتھوں میں تیز دھار والی چمکتی ہوئی خوب صورت دودھاری تلواروں کے علاوہ ایسی ڈھالیں بھی تھیں جن پر کسی بھی تلوار کا وار بیکار ہو جاتا تھا۔ دونوں کے ترکش نوک دار مہلک تیروں سے بھرے ہوئے تھے، دونوں کی کمر میں دھار دار خنجر تھے، جن کا استعمال ضرورت پڑنے پر کیا جا سکتا تھا۔ دونوں کے درمیان دو بدو جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی۔ دونوں طرف سے پینترے بازی شروع ہوئی۔ جنگ کا یہ سلسلہ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر کافی دیر تک چلتا رہا۔ حتیٰ کہ دونوں کے جسم زخمی ہو کر لہو لہان ہو گئے۔ ان کے چہرے بھی خون سے تر ہو چکے تھے لیکن ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا، کیونکہ تھک جانے کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ دونوں نے طے کر رکھا تھا کہ یا تو وہ جیت حاصل کرے گا یا پھر یہیں پر اپنی جان دے دے گا۔

ایسے وقت میں جب تاماس اس پر حاوی ہو رہا تھا، مردوک کے ویروں نے اس کی جان بچانے کے لیے خلاف اصول تاماس پر حملہ کر دیا اور اسے اپنے گھیرے میں لے کر اس پر تابڑ توڑ وار کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر تاماس کا حفاظتی دستہ بھی اس کی حفاظت کی غرض سے جنگ میں کود پڑا اور یہ جنگ اب دو بدو جنگ نہ ہو کر مشترکہ جنگ میں بدل گئی۔ تاماس کافی زخمی ہو چکا تھا۔ اس کے حفاظتی دستے کے ویروں کو لگا کہ اگر اُسے مدد نہ دی گئی تو وہ بیہوش کر گھوڑے سے گر سکتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کی مدد کو آگے آتے مردوک کا ایک کاری وار اس کے سینے پر پڑا اور وہ اپنے گھوڑے سے گر گیا۔ زمین پر لیٹے ہوئے بھی وہ اپنا دفاع کرتا رہا تاوقتیکہ اس کے حفاظتی دستے کے لوگ دشمن کے حصار کو توڑتے ہوئے اس کے پاس تک نہیں پہنچ گئے۔ انھوں نے جنگ کے نتیجے کی پرواہ کیے بغیر تابڑ توڑ لڑائی لڑتے ہوئے تاماس کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور خاموشی سے اسے میدان جنگ سے باہر لے آئے۔ اسے ایک گھوڑے میں لادا گیا اور دو ویروں کے ساتھ کسی محفوظ مقام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

تاماس کے میدان جنگ سے رخصت ہوتے ہی دھول دیپ کی فوج میں جیسے ہی یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ ان کا سپہ سالار ویرگتی کو پراپت ہو چکا ہے،، وہ انتشار کا شکار ہو گئی۔ اس خبر کو

پھیلانے میں دشمنوں نے بھی مستعدی دکھائی۔ دھول دیپ کی فوج اب سراسیمگی کے عالم تھی۔ وہ بغیر سپہ سالار کے کتنی دیر جنگ لڑتی۔ چنانچہ جس کی جدھر سینگ سمائی فرار ہونے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں مردوک کا دھول دیپ پر قبضہ مکمل ہو گیا۔

لیکن خود مردوک بری طرح زخمی ہو کر میدان سے باہر تھا۔ جیت کی خبر اس کے جنگ جوؤں نے اسے اس کے خیمے میں دی جہاں اس کا علاج ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے معالج نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور مشورہ دیا کہ وہ فتح کے جشن کو کچھ روز کے لیے ملتوی کر دے۔ لیکن مردوک نے اس کی بات نہ سنی اور اپنے ویروں کو حکم دیا کہ شہر کے پر امن شہریوں کو کسی طرح پریشان نہ کیا جائے اور امن و امان کو برقرار رکھتے ہوئے جشن کا اہتمام کیا جائے اور وہ بھی اپنی خراب حالت کے باوجود اس میں شریک ہوگا۔

(پانچ)

اُدھر امری گال کے محاذ کا معاملہ اس کے برخلاف تھا۔ نگر پالک چارو دیوا نے جب شہر پر حملہ کیا تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ البتہ وہاں موجود حفاظت پر مامور چند ویروں نے کچھ دیر ان کا مقابلہ کیا۔ وہاں کے لوگوں کو اس بات کا علم تو تھا کہ ان کی فوج دھول دیپ پر فوج کشی کے لیے گئی ہے لیکن شاید انھیں اس بات کی توقع بالکل نہیں تھی کہ اسی دوران کوئی امری گال پر حملہ کر دے گا۔ وہاں تو چند مسلح حفاظتی دستوں کے علاوہ صرف ناگرک تھے، جو نگر پالک چارو دیوا کی سربراہی میں حملہ آور ہونے والے تربیت یافتہ ویروں کا مقابلہ کر پانے کے اہل نہیں تھے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں امری گال شہر چارو دیوا کے قبضے میں آ چکا تھا اور ان کے ویر شہر میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ اس شہر کو ودیشیوں کے قبضے سے آزاد کرا لیا گیا ہے اور اب یہاں پر مہامن چارو دیوا کی سربراہی میں نئی حکومت بنے گی۔

انھوں نے وہاں موجود نگر پالک مردوک کے تمام اہل کاروں، اس کے قریبی لوگوں اور مزاحمت کے دوران دشمنوں کی مدد کرنے والے تاجروں کو گرفتار کر کے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا تھا تاکہ بعد میں یہ کوئی پریشانی نہ کھڑی کر سکیں۔ اتفاق سے کوٹ کے

مہمان خانے میں اہوراج سے بھی ان کی ملاقات ہوگئی، جو شاید کسی کام سے یہاں آیا تھا اور اب اس اچانک حملے سے پریشان یہاں چھپا ہوا تھا۔ اسے بھی پکڑ کر فوراً مار دیا گیا۔ اس کے بعد فتح کا جشن منایا گیا جس میں مہامن نے بہ نفس نفیس شرکت کی۔ اطمینان نصیب ہوتے ہی انھوں نے شہر کا نظم و نسق ساتھ آئے اپنے بیٹے ورن دیوا کے سپرد کیا کہ اس نے دوران جنگ داد شجاعت دینے کے ساتھ ساتھ مناسب لائحہ عمل بھی اپنایا تھا۔ اس کے بعد وہ تزک و احتشام کے ساتھ شاہانہ انداز میں دھول دیپ کی طرف روانہ ہو گئے۔

امری گال کی فتح سے سرشار انھیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ دھول دیپ میں مہاویر تاماس نے بھی فتح حاصل کر لی ہوگی۔ یہ ان کی زندگی کی پہلی جنگ تھی جس میں انھوں نے خود حصہ لیا تھا اور یہ فتح بھی ان کے لیے پہلی تھی۔ وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ اپنے شہر دھول دیپ کی طرف بڑھے چلے جا رہے۔ لیکن جب دھول دیپ ابھی کچھ فاصلے پر تھا، انھیں یہ اطلاع ملی کہ تاماس جنگ ہار چکا ہے اور دھول دیپ پر اب مردوک کا قبضہ ہے۔ یہ خبر ملتے ہوے انھوں نے اپنے لشکر پر ایک نظر ڈالی۔ لیکن انھیں محسوس ہوا کہ وہ اتنے کم لوگوں کے ساتھ مردوک کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے انھوں نے فیصلہ کیا کہ فی الحال انھیں اپنے مفتوحہ شہر امری گال کی طرف واپس لوٹ جانا چاہیے اور وہاں کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے کر نئے سرے سے یہ سوچنا چاہیے کہ اب اس بدلی ہوئی صورت حال میں انھیں کیا کرنا چاہیے۔

امری گال پہنچ کر انھوں نے اپنی فوج کے اہم عہدے داروں کے ساتھ مل کر مشورہ کیا کہ انھیں اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔ ان میں سے بیشتر کا خیال تھا کہ انھیں یہاں نہیں رکنا چاہیے۔ کیونکہ مردوک کو جیسے ہی یہ خبر ملے گی کہ امری گال پر آپ نے قبضہ کر لیا ہے تو وہ فوراً یہاں آئے گا اور آپ کو ایک نئی جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ یہاں کا انتظام اپنے بیٹے ورن دیوا پر چھوڑ کر دل من کے لیے روانہ ہو جائیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق مہاویر تاماس کو بھی زخمی حالت میں وہیں بھیجا گیا ہے۔

نئی جائے پناہ

(ایک)

مہادیو پتر مہرشی سپت منو اس وقت دل من کے شمال مشرق میں ایک کوس کے فاصلے پر واقع اسی پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر پرم پوجیہ مہادیو کی آرادھنا میں لین تھے، جہاں انھوں نے پہلی بار دل کی گہرائیوں سے دل من کو دوبارہ بسانے کا پرَن لیا تھا اور جہاں سے کبھی انھوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی تپسیا کا آرمبھ کیا تھا۔ انھیں عقیدے کی حد تک اس بات کا یقین تھا کہ آج کے نتائج ان کی اسی تپسیا اور اس سے پرسّن ہو کر دیے گئے مہادیو کے وردان کی دین ہے۔ تپسیا پر ان کا وشواس اور بڑھ گیا تھا۔ وہ اس بات پر پورے طور پر یقین رکھتے تھے کہ مہادیو کی تپسیا میں وہ طاقت ہے جو ناممکن کاموں کو بھی ممکن بنا سکتی ہے۔ مہادیو نے ان کی گھور تپسیا سے پرسّن ہو کر ہی دل من کی بازآبادکاری کا وردان دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اس کی پرانی شان و شوکت دوبارہ واپس لوٹے گی۔ حالانکہ یہاں تک پہنچنے میں ان کی اپنی کوششوں کا دخل کم نہیں تھا۔ انھوں نے لوگوں کو اس شہر کی جانب متوجہ کرنے کے لیے ان کے پاس جا کر ہزاروں پروچن دیے تھے۔ کبھی تنہا اور کبھی اپنے شاگردوں کے ساتھ کوسوں کا سفر کیا تھا۔ کیونکہ ان کا وشواس تھا کہ مہادیو تو انھیں کی سنتے ہیں جو اپنی حالت بدلنے کے لیے خود بھی کوشاں رہتے ہیں۔

انھوں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور ہون کنڈ میں جلتی ہوئی اگنی کے سامنے جھک کر

مہادیو کا آبھار پرکٹ کیا۔ چند ثانیوں بعد انھوں نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے کھڑے ہو کر ایک اچٹتی ہوئی نظر دور جنوب مغرب میں بسے نئے دل من پر ڈالی اور اطمینان کی سانس لی۔ یہ دیکھ کر ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا کہ انھوں نے آج اپنی پرتگیا پوری کر لی ہے۔ دل من ایک بار پھر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آباد ہو چکا تھا۔

انھوں نے دیکھا کہ وہاں کئی گھروں سے دھواں اٹھ رہا ہے جو اس بات کی علامت تھی کہ گھر کی عورتیں جاگ گئی ہیں اور اب اپنے خاندان کے لیے کھانے پینے کے انتظام میں مصروف ہیں۔ دل من کی روزمرہ کی زندگی پھر لوٹ آئی تھی۔ ان کے خوابوں کا شہر ایک بار پھر اپنی اصل حالت میں ان کے سامنے تھا۔ اس کی پہلے والی شان و شوکت ایک بار پھر عود کر آئی تھی، وہاں اب پھر پہلے جیسی آبادی بس چکی تھی، جہاں ہزاروں لوگ خوش و خرم رہتے ہوئے اپنی زندگی گذار رہے تھے۔ وہاں کی تمام سڑکوں، تالابوں، گوداموں، بازاروں، فصیل شہر اور اس کے چوبی پھاٹکوں اور عمارتوں کی مرمت مکمل ہو چکی تھی اور جو عمارتیں بہت مخدوش ہو گئی تھیں، انھیں توڑ کر دوبارہ بنا لیا گیا تھا۔

ان کے نقطہ نظر سے اس شہر میں جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی وہ یہ کہ یہاں ایک بار پھر معمول کے مطابق ویاپاریوں کا آنا جانا شروع ہو جائے جیسا کہ پہلے کبھی ہوا کرتا تھا اور اس کے لیے آوشیک تھا کہ اس نگر کو سنبھالنے کے لیے کوئی نیک خو، دیانت دار اور تجربے کار نگر پالک مل جائے۔ اور ان کی نظر میں وہ نگر پالک ڈھول دیپ پالک چارودیوا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ انھیں اس بات کی خوشی تھی کہ دل من کی باز آبادکاری انھیں کے مالی تعاون سے ممکن ہو سکی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کے لیے انھوں دوسرے نگروں کے مہاپالکوں سے درخواست نہیں کی تھی لیکن کسی اور نے ان کی بات پر توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ کچھ تو ایسے بھی تھے جو ان کی توہین کرنے سے بھی نہیں چوکے تھے۔ ایک چھوٹی بستی کے ودیشی سربراہ نے تو انھیں اپنی بستی میں دوبارہ آنے سے ہی روک دیا تھا۔

وہ اس بات سے بے حد خوش تھے کہ مہامن چارودیوا کی مالی امداد سے یہ نیک کام ان کے اپنے ہاتھوں سے انجام کو پہنچا تھا۔ یہ کام ان کے لیے کسی سادھنا سے کم نہیں تھا اور انھوں نے بھی اسے پورے انہماک کے ساتھ انجام دیا تھا۔ انھیں اس بات کی بھی خوشی تھی

کہ اب وہ فخر کے ساتھ یہاں کے رہنے والوں کو ایک بار پھر اپنے نام کی مناسبت سے مانو کہہ کر مخاطب کر سکیں گے۔

آج پراتہ کال مہادیو کی اپنی نتیہ آرادھنا کے بعد انھوں نے ان سے یہی طلب کیا تھا کہ اب جب کہ دل من میں سب کچھ ان کی مرضی کے مطابق ہو چکا ہے، ان کی یہ آخری خواہش بھی پوری کر دی جائے کہ دھول دیپ پالک آ کر یہاں کا راج کاج سنبھال لیں۔ انھوں نے اپنی آنکھیں بند کر کے انتر من کو جاگرت کیا تو دیکھا کہ مہادیو نے ان کی پرارتھنا سن لی ہے اور مہامن چارو دیوا اپنے فوجی دستے کے ہمراہ دل من کی جانب کوچ کر چکے ہیں۔ اب وہ دل من سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ دو چار دن میں یہاں پہنچ جائیں گے۔

مہرشی سپت منو چاہتے تھے کہ وہ دل من میں مہامن چارو دیوا کا استقبال شاندار پیمانے پر کریں۔ کچھ دنوں پہلے ہی انھیں ان کے ایک شاگرد نے جو دھول دیپ کا رہنے والا تھا، یہ خبر دی تھی کہ مہرشی جب ودیشیوں کے شہر میں تھے تو انھیں کچھ شبہ ہو گیا تھا کہ کہیں وہ بھی تو دھول دیپ کے خلاف کی جانے والی ودیشیوں کی سازش میں شامل نہیں ہیں۔ ان کے رنگ روپ کی وجہ سے یہ غلط فہمی عین فطری بھی تھی۔ انھیں دیکھ کر کوئی بھی دھوکا کھا سکتا تھا کہ وہ ودیشی ہیں۔ لیکن وہ تو اِسی دھرتی سے جنمے تھے اور مہادیو کے پتر ہونے کے مدعی تھے۔ انھیں یقین تھا کہ غلط فہمی کے اس زخم کو جلد ہی وقت کا مرہم بھر دے گا لیکن وہ ان سے وارتا کر کے اس غلط فہمی کو جلد سے جلد رفع کر لینا چاہتے تھے۔ دل من کا سارا نظم ابھی انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے یہاں کے نظام کو بہتر طور پر چلانے کے لیے اپنے کچھ شاگردوں اور بھروسے کے ناگرکوں کو بھی اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔ انھیں لگا کہ ان کے پاس وقت کم ہے اور انھیں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی پہاڑی سے نیچے اترے اور اپنے آشرم کی جانب چل پڑے۔

آشرم پہنچ کر انھوں نے اپنے شاگردوں کو بتایا کہ مہادیو کی کرپا سے مہامن چارو دیوا دل من آ رہے ہیں۔ ہمیں ان کا سواگت دل من پالک کے روپ میں کرنا ہے۔ وہ ایک جگر پر یہ پالک ہیں۔ تینوں لوکوں میں ان کی نیک نامی کے چرچے ہیں۔ اگر وہ دل من کی ویوستھا سنبھالنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو جلد ہی دل من کی چہل پہل میں مزید اضافہ ہو جائے

گا۔انھوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ ان کے آنے کے بعد میں ان سے بنتی کروں گا کہ وہ یہاں کا کام کاج اپنے تجربے کار ہاتھوں میں لے لیں۔شاگردوں نے انھیں یقین دلایا کہ وہ ان کے سواگت کی ایسی ویوستھا کریں گے کہ مہامن چارودیوا بھی پرسن ہوں گے اور آپ بھی اس کی بھویتا کو دیکھ کر پرسن ہو جائیں گے۔

(دو)

مہامن چارودیوا جانتے تھے کہ ان کا خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔اس لیے انھوں نے ابھی تک کے سفر میں کہیں پڑاو نہیں کیا تھا۔حالانکہ ان کے ساتھ کے لوگ اور جانور تھک چکے تھے اور اس بات کے متقاضی تھے کہ انھیں کہیں رک کر آرام کر لینا چاہیے۔

مردوک کے ویروں کو اس بات کی خبر تو ہو ہی گئی تھی کہ چارودیوا نے امری گال پر قبضہ کر لیا ہے اور اب وہاں کا نظام ان کے پتر ورن دیوا کے ہاتھ میں ہے۔انھیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ خود امری گال کے مال غنیمت کے ساتھ دھول دیپ کی طرف آ رہے تھے لیکن یہاں کا پانسہ پلٹ جانے کی وجہ سے نگر کے باہر سے ہی واپس لوٹ گئے۔وہ کہاں چلے گئے، اس کا کوئی سراغ اسے ابھی تک نہیں ملا تھا۔مردوک کو یہ خبر بھی ہو گئی تھی کہ تاماس بھی زندہ ہے اور کہیں چھپا ہوا ہے۔البتہ ابھی تک چارودیوا کے مہاکرتا میواور کا کوئی اتا پتہ نہیں تھا۔نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔اسے نہ تو جنگ کے دوران کسی نے دیکھا تھا اور نہ بعد میں ہی اس کا کوئی پتہ چل سکا تھا۔مردوک کے حکم سے مہامن چارودیوا اور مہاویر تاماس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تلاش زور و شور سے جاری تھی۔اسے خدشہ تھا کہ کہیں یہ سب مل کر اس کے خلاف کوئی خفیہ سازش نہ کر رہے ہوں۔اس نے من ہی من یہ طے کر رکھا تھا کہ ان میں سے جو ملتا جائے گا، اسے جلد از جلد موت کے گھاٹ اتارتا جائے گا، تاکہ مستقبل میں اس کے اقتدار کے لیے کسی طرح کا کوئی خطرہ نہ رہ جائے۔

اس نے حکم دے رکھا تھا کہ پانچ گھڑسواروں کے ساتھ ایک دستہ تیار کر کے چارودیوا کے تعاقب میں بھیجا جائے تاکہ وہ ان کی تلاش کر کے انھیں بندی بنا سکے۔اس نے یہ ہدایت بھی دی تھی کہ اسے کسی بھی صورت میں زندہ حالت میں پکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔کیونکہ

اس کو سزا وہ اپنے ہاتھوں سے دینا چاہتا ہے۔ اس نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ تاماس کی تلاش جاری رکھی جائے۔ اور جیسے ہی اس کے بارے میں کچھ پتہ چلے انھیں اس کی اطلاع دی جائے۔

دھول دیپ پر ودیشیوں کا قبضہ مکمل ہو گیا تو مردوک کو لوتھل بندر کی فکر ہوئی۔ اسے اس شہر کی تجارتی اہمیت کا علم تھا۔ یہ شہر ایک اہم اور تاجروں کا پسندیدہ بندرگاہ تھا۔ بیرونی ممالک سے تجارتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے اس پر اختیار ہونا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے مہا کرتا بلارشی کی سرکردگی میں ایک فوج وہاں کے لیے روانہ کی۔ اس شہر میں اسے مزاحمت کی امید نہیں تھی کیونکہ اہل لوتھل کے حوصلے تو اس جنگ سے ہی پست ہو چکے تھے جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی چارودیوا اور مہاپالک ڈرماشا کے درمیان ہوئی تھی۔ وہاں کے عوام کو ابھی ٹھیک سے دم لینے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ مردوک کی فوج نے ان پر ایک اور حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ان کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہاں موجود چارودیوا کے ویروں نے ان کا مقابلہ ضرور کیا، لیکن ان کے پاس جو ویر تھے ان میں زیادہ تعداد نوسکھیوں کی تھی جنھیں ابھی جنگی تربیت دینے کی شروعات بھر ہوئی تھی۔ اس لیے وہ ایک تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ کرنے کے اہل نہیں تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ جلد ہی انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور لوتھل بندر بھی بڑی آسانی سے ودیشیوں کے قبضے میں آ گیا۔

مردوک کا موجودہ رویہ یہ بتا رہا تھا کہ جیسے اسے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کی جگہ اپنے مفتوحہ شہروں میں روزمرہ کی زندگی کو بحال کرنے میں زیادہ دلچسپی ہے۔ اس نے ابھی تک ان علاقوں میں رہنے والے لوگوں سے جو سلوک روا رکھا تھا، وہ اس کے جابرانہ مزاج سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے ایسے تمام ناگرک قیدیوں کو رہا کر دیا تھا جنھیں ان کے ویروں نے ودیشیوں کے خلاف سازش کے شبہ میں گرفتار کیا تھا۔ انھیں ان کا تمام مال واسباب بھی واپس کر دیا گیا۔ مردوک جانتا تھا کہ اس خطے میں اب دور دور تک کوئی اس سے مقابلہ کرنے والا موجود نہیں ہے، اس لیے اب وہ یہاں پر آرام سے حکومت کر سکتا تھا۔ ایسا بھی لگ رہا تھا کہ امری گال کے ہاتھ سے نکل جانے کا بھی اسے کوئی خاص دکھ نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ اب اس کے پاس دھول دیپ اور لوتھل جیسے نگر تھے جو زیادہ وسیع و عریض تھے اور جہاں اسے اپنے لوگوں کو بسانے میں زمین کی قلت کا سامنا نہیں کرنا تھا۔

اس کی دلی خواہش تھی کہ اس جیت کے بعد کوئی ان لوگوں کو غیر ملکی نہ کہے اور اس کا انتظام اس نے کرلیا تھا۔ یہ لفظ اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتا تھا۔ وہ اس سرسبز و شاداب علاقے سے محبت کرنے لگا تھا اور اب اس کا ارادہ ہمیشہ یہیں رہنے کا تھا۔ اس نے اپنے تمام کارکنوں کو حکم دیا کہ آج کے بعد سے وہ خود کو مقامی سمجھیں اور جو لوگ انھیں غیر ملکی کہیں ان سے ناراض ہونے کے بجائے انھیں محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں کہ وہ انھیں ودیشی کہہ کر مخاطب نہ کیا کریں۔

اس نے اپنے اس ارادے پر بھی نظر ثانی کی تھی کہ وہ مقامی لوگوں کو اپنا غلام بنائے گا۔ اس خطے میں اتنے دنوں رہنے کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ غلامی کا رواج یہاں کے ماحول سے میل نہیں کھاتا۔ پھر دھول دیپ اور لوتھل کی جتنی آبادی تھی، اگر ان سب کو غلام بنا بھی لیا جاتا تو وہ ان غلاموں کا کیا کرتا۔ الٹے اُسے اِن کے رہنے اور کھانے پینے کا بندوبست ہی کرنا پڑتا۔ اس کے لیے اس کے پاس ایک دوسرا ہی منصوبہ تھا، جس کا اعلان وہ جلد ہی کرنے والا تھا۔ فی الحال اس نے ان دونوں شہروں میں منادی کرائی تھی کہ عام لوگوں سے کسی بھی قسم کی بدلے کی کارروائی نہیں کی جائے گی، اس لیے جو یہاں رہنا چاہتا ہے آرام سے رہ سکتا ہے۔ ہاں جن کو ہماری سرپرستی میں رہنا منظور نہ ہو وہ چاہیں تو یہاں سے جاسکتے ہیں۔ ایسے لوگ جو نگر چھوڑ کر جائیں گے وہ اپنا مال و متاع اپنے ساتھ لے جاسکیں گے۔

اس اعلان میں ناگرکوں کو یہ بھی بتایا گیا کہ جلد ہی ایک نئے قانون کا نفاذ عمل میں آئے گا، جس میں عام انسانوں کے لیے کام کی تقسیم کی جائے گی۔ آئندہ یہاں ہر شخص وہی کام کرے گا جس کے کرنے کا اختیار اُسے دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر وہ کوئی دوسرا کام کرنا چاہتا ہے تو اسے نگر پالک سے اس کی اجازت لینی ہوگی۔

(تین)

مردوک کو ابھی تک پتہ نہیں چل پایا تھا کہ نگر پالک چارو دیوا کس طرف نکل گئے ہیں۔ لیکن اس کا فوجی دستہ اب بھی ان کی تلاش میں مصروف تھا۔

ادھر مہامن چارو دیوا کا سفر مسلسل جاری تھا۔ انھوں نے ان خفیہ مقامات سے

اپنے، اپنے مہا ویر تاماس اور اپنے کرتاوں کے افراد خاندان کو بھی بلوا کر اپنے ساتھ لے لیا تھا، جہاں انھیں پوشیدہ طور پر رکھا گیا تھا۔ انھیں اس بات پر بے حد حیرت ہوئی تھی کہ وہاں پر ان کے مہا کرتا سیوادر کے افراد خاندان موجود نہیں تھے۔ جب کہ انھیں اچھی طرح یاد تھا کہ اس محفوظ مقام پر تمام خاندانوں کو بھیجے جانے کے وقت اس کا خاندان بھی ساتھ تھا۔ ان کے پاس وقت کی کمی تھی، اس لیے انھوں نے اس کے بارے میں سوچنے کا کام کسی اور وقت کے لیے ملتوی کر کے باقی لوگوں کو ساتھ لے لیا تھا۔ اتنے لوگوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ان کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے لیے انھوں نے پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا کہ انھیں کیا کرنا ہے۔

ان کے ساتھ ان کی وہی فوج تھی جس نے امری گال میں جنگ لڑی تھی اور فتح حاصل کی تھی۔ ان میں کچھ ویروں کے پاس ہی گھوڑے تھے اور زیادہ لوگ پیدل تھے۔ ان کے پاس کچھ بیل گاڑیاں بھی تھیں جن میں خواتین اور بچے، امری گال سے ملی ہوئی بے شمار دولت، مال غنیمت کے طور پر ملے ودیشیوں کے ہتھیاروں کا ایک بڑا ذخیرہ اور مختلف قسم کا ساز و سامان تھا۔ انھیں اب بھی خوف تھا کہ دشمن ان کا پیچھا کر رہے ہوں گے اور وہ لوگ ان پر کسی بھی وقت اچانک حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی جان اب بھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔ وہ بری طرح تھک چکے تھے اور انھیں محسوس ہونے لگا تھا کہ انھیں کی طرح باقی کے سارے لوگ بھی تھکے ہوئے ہیں۔ جانوروں کو بھی آرام کی ضرورت تھی، اس لیے اب وہ کہیں پڑاؤ ڈال دینا چاہتے تھے۔

جنگ سے پہلے نگر سبھا میں طے کیے گئے منصوبے کے تحت انھیں دل من جانا تھا، یہ بات انھیں بھی معلوم تھی اور ان کے ان تمام لوگوں کو بھی جو اس سبھا میں موجود تھے۔ لیکن انھوں نے احتیاط کے تقاضے کے تحت دل من کے سفر کے لیے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ عام راستہ نہیں تھا۔ اس طویل راستے کو اختیار کرنے کی وجہ سے انھیں کم از کم بیس پچیس کوس کا زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑا تھا لیکن اس میں خطرہ نہ کے برابر تھا۔ اب جب کہ دل من زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا تو وہ اسی روایتی راستے پر واپس آ گئے تھے، جو سیدھے دل من کو جاتا تھا۔ انھوں نے مہرشی سپت منو کو اپنے آنے کی اطلاع بھی بھجوادی تھی اور ان کا دوت واپس آ کر انھیں بتا چکا تھا کہ مہرشی کو ان کے آنے کی اطلاع شاید پہلے ہی سے ہو چکی تھی، کیونکہ جب وہ وہاں پہنچا تو وہاں زور شور سے

ان کے سواگت کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دوت نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب میں نے انھیں آپ کے آنے کی اطلاع دی تو وہ بےحد خوش ہو گئے تھے۔

یہ خبر سن کر مہامن چارو دیوا کو خوشی بھی ہوئی اور قلبی اطمینان بھی نصیب ہوا۔ ان کے دل کے کسی کونے میں اب بھی یہ خدشہ موجود تھا کہ مہرشی ودیشی ہیں، اور ممکن ہے اس برے وقت میں وہ ان کا ساتھ دینے کو تیار نہ ہوں۔

یہ جان کر کہ وہ ان کے آنے کی خبر سے خوش ہوئے ہیں، انھیں احساس ہوا کہ روزمرہ کی زندگی میں بوئی گئی نیکیاں بر اوقت آنے پر کس طرح تناور درخت کی صورت ان کے لیے معاون ہو جاتی ہیں۔ دل من کی باز آبادکاری کے لیے تعاون کے وقت حالانکہ وہ پس وپیش میں تھے لیکن مہاپالنی متالی کی دور اندیشی اور مہادیوی کرپا نے ان کے ہاتھ سے ایک اچھا کام کروا دیا تھا۔ اور آج وہی کام دل من میں ان کی نئی جائے پناہ کی حیثیت سے ان کے سامنے ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہاں کے لوگ ان سے محبت رکھتے ہیں اور اسی لیے ان کے استقبال کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔

دھول دیپ سے چل کر اب تک انھوں نے تقریباً سوا سو کوس کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ اس سست رفتار سفر میں انھیں ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ انھوں نے ایک میدان میں پڑاو ڈالنے کا حکم دیا اور لوگ شب بسری کے لیے خیمے ایستادہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ ان سب کو آرام کی شدید ضرورت تھی۔

گذشتہ روز سے انھوں نے دریائے سندھ کے کنارے کنارے سفر کرنا شروع کر دیا تھا، اس لیے پانی کا بھی کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا تھا۔ ان کے ساتھ کے لوگ، خواتین اور بچے اور ان کے جانور اس ندی میں نہا دھو کر تازہ دم ہو سکتے تھے۔ وہ اتنی دور آ گئے تھا کہ اب کسی قسم کے خطرے کا اندیشہ نہیں رہ گیا تھا۔ مہادیوی کرپا سے ابھی تک کا سفر بھی خیریت سے گذرا تھا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ دشمنوں کو ان کا سراغ نہیں مل سکا ہے۔

کچھ لوگ خیمہ لگانے میں مصروف تھے اور کچھ میدان میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ وہ حفاظت کے پیش نظر میدان کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسی وقت انھیں پاس کی جھاڑیوں میں لرزش کا احساس ہوا اور کچھ ہلکی ہلکی کراہنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ انھیں شبہ ہوا کہ کہیں دشمن

ان کے تعاقب میں یہاں تک نہ پہنچ گئے ہوں۔ چنانچہ ان کے ویروں نے اپنی تلواریں نکال لی تھیں۔ وہ جھاڑی کے پاس پہنچے تو انھیں وہاں دو تین لوگ چھپے ہوئے نظر آئے۔ پاس ہی ان کے گھوڑے بھی تھے اور کوئی زخمی شخص بھی ان کے ساتھ تھا، جو کراہ رہا تھا۔

قریب جانے پر معلوم ہوا کہ وہ ان کے اپنے ہی لوگ ہیں اور وہ زخمی کوئی اور نہیں ان کا مہاویر تاماس ہے۔ انھوں نے اس کی اطلاع فوراً مہامن چارو دیوا کو دی اور وہ فوراً تاماس کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ بہت زخمی حالت میں ہے اور علاج نہ ہونے کی وجہ سے اس کا زخم پک گیا ہے۔ انھوں نے ایک ویر کو اپنے نجی معالج کو بلانے کے لیے بھیجا اور اسے دو تین آدمیوں کی مدد سے اٹھا کر اپنے خیمے میں لے آئے۔ معالج نے تاماس کو دیکھنے کے بعد کہا کہ زخم اتنا کاری تو نہیں ہے لیکن وقت پر مناسب علاج نہ ہو پانے کی وجہ سے یہ سڑ گیا ہے۔ اس کے علاج میں تھوڑا وقت ضرور لگے گا لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔

(چار)

حملہ علی الصبح ہوا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ شعوری طور گھات لگا کے عین اس وقت کیا گیا تھا، جب سارے لوگ نیند میں ہوں۔ لیکن انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حملہ آور صرف چار مسلح گھڑسوار تھے۔ مہامن چارو دیوا حیران تھے کہ مردوک جیسا ہوش مند جنگ جو ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے کہ ایک نگر پالک کا پیچھا کرنے کے لیے صرف چار ویر بھیجے، جب کہ اس کے علم میں ضرور ہو گا کہ اس کے ساتھ پورا لشکر ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی اسرار سے پردہ اٹھ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ مہامن چارو دیوا کے تعاقب میں تھے ہی نہیں۔ وہ سیدھے میدان جنگ سے مہاویر تاماس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد انھیں اس کے آگے جانے کا کوئی سراغ نہیں ملا تو انھوں نے سوچا کہ زخمی تاماس یہیں کہیں آس پاس چھپا ہوا ہو گا۔ اور ان کا یہ اندازہ غلط بھی نہیں تھا۔

یہ بات ان چاروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ یہاں ان کا سامنا مہامن چارو دیوا اور ان کی سینا کے ویروں سے ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ان کے علم میں نہیں تھا کہ وہ پوری طرح جدید ہتھیاروں سے لیس ہوں گے اور ان کے ساتھ پیدل ویروں کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی

تعداد میں گھڑسوار بھی ہوں گے۔

مہامن چارودیوا نے چونکہ وقت رہتے اپنی مرضی سے اور نہایت احتیاط کے ساتھ یہ سفر اختیار کیا تھا، اس لیے وہ اس طرح کی صورت حال کے لیے پوری طرح سے تیار تھے۔ چنانچہ حملہ کرنے والوں کی امید کے خلاف انھیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں مہامن کے ویروں نے ان میں سے تین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چوتھا حملہ آور موقع پاتے ہی فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ اپنے سربراہ مردوک کو اس بات کی خبر دینا چاہتا تھا کہ فرار ہونے والوں میں تاماس تنہا نہیں ہے بلکہ مہامن چارودیوا بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہ اطلاع بھی کہ ان کے ساتھ پورا لشکر ہے۔ لیکن اس کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا اور مہامن چارودیوا کے ویروں نے اس کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کر لیا۔

مہامن سمجھ رہے تھے کہ ان کے ویروں نے حملہ کرنے والوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ایک شخص بچ کر فرار ہو گیا ہے۔ اُس وقت وہ اپنے خیمے میں بیٹھے ہوئے اِس اچانک حملے کا بہادری سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ویروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انھیں انعامات سے نواز رہے تھے۔ اسی وقت ان کے کچھ ویر اُس شخص کو لائے جسے انھوں نے بندی بنا لیا تھا۔ مہامن نے سکون سے اس شخص کے بارے میں تمام تفصیلات سنیں اور حکم دیا کہ اسے رسیوں سے باندھ کر گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا جائے اور یہ اِسی حالت میں ہمارے ساتھ ساتھ دل من تک چلے گا۔ اگر راستے میں کسی طرح کی کوئی دشواری پیش آئی اور ہمیں پھر کسی سے مقابلہ کرنے کی ضرورت پڑی تو یہ بندی ہمارے کام آ سکتا ہے۔ اس کے بھاگیہ کا فیصلہ ہم دل من پہنچنے کے بعد کریں گے۔

ان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ایک رات آرام کرنے کے بعد ان کا قافلہ پھر دل من کے لیے روانہ ہو گیا۔

(پانچ)

مہرشی سپت منو آج بے حد خوش تھے۔ انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ جیون میں اس سے پہلے شاید ہی کبھی وہ اتنے پرسن رہے ہوں گے۔ آخر کیوں نہ ہوتے، اپنے شہر دل من سے وہ دل و

جان سے محبت کرتے تھے۔ کچھ برس پہلے انھوں نے نہایت بے بسی کے عالم میں اس خوب صورت شہر کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا تھا تو ان کے دل کو شدید تکلیف پہنچی تھی۔ وہ اس نگر کو دیوتاؤں کی سرزمین مانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسے کسی بھی قیمت پر تباہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسا ہو گیا تھا۔ اور یہ سب خود دیوتاؤں نے ہی کیا تھا۔

دیوتاؤں کے فیصلے کے سامنے وہ اپنے آپ کو لاچار محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے اس کی باز آبادکاری کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنا لیا تھا اور آج وہ پوری طرح اپنے اس مقصد میں کامیاب تھے۔ ان کی خوشی اس لیے بھی دوبالا ہو گئی تھی کہ مہادیو نے ان کی یہ پرارتھنا بھی سویکار کر لی تھی کہ دل من کو ایک تجربہ کار مہاپالک مل جائے۔ اور اب مہاپالک چارودیوا دل من آنے کے لیے راستے میں تھے۔ انھیں اور کیا چاہیے تھا۔ انھیں یہ خبر مل چکی تھی کہ مہامن چارودیوا کے ساتھ ان کے پورے پریوار کے علاوہ مہاویر تاماس بھی ہیں۔ انھیں یہ خبر بھی ملی تھی کہ مہاویر زخمی ہیں، لیکن اب مناسب علاج کے بعد ان کی حالت پہلے سے بہتر ہو چکی ہے اور وہ سواگت سماروہ میں بھاگ لے سکتے ہیں۔ انھیں ان کے علاج کا بھی پورا بندوبست کرنا تھا۔

مہرشی نے مہامن چارودیوا کے استقبال کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں کی تھیں۔ موسیقی کے ہمہ اقسام آلات مہیا کیے گئے تھے، جن میں نگاڑے، ڈھول، تاشے جھانجھ اور بانسری کے علاوہ تاروادبھی شامل تھے۔ ان سب کو بجانے والے ماہر فن کار بھی انھیں کے ساتھ مستعد موجود تھے۔ ایک طرف ہون کنڈ میں آگ روشن کر دی گئی تھی، جہاں وہ مہامن کے ساتھ مل کر دل من کے شاندار مستقبل کے لیے پرارتھنا کرنے والے تھے۔ انھوں نے ایک منڈپ بھی آراستہ کیا تھا جہاں چار آسن لگائے گئے تھے۔ اس پر مہاپالک کے ساتھ مہاپالنی منتالی اور مہاویر تاماس کے بھی بیٹھنے کا انتظام تھا۔ چوتھے آسن پر وہ خود ان کے ساتھ رہیں گے۔

ان کا ارادہ تھا کہ استقبال کے فوراً بعد ہی وہ انھیں اور ان کے پریوار کو ان کے نوتعمیر کوٹ لے جائیں گے اور دل من کی سرپرستی انھیں سونپ کر وہ بے فکر ہو جائیں گے۔

انھیں ان کے شاگردوں نے جب اطلاع دی کہ مہامن چارودیوا دل من سے بس نصف

کوس کے فاصلے پر ہی ہیں تو انھوں نے جملہ لوازم کے ساتھ استقبال کرنے والوں کو ساتھ میں لے کر خود دل من کے بڑے پھاٹک پر کھڑے ہو گئے۔

بالآخر وہ گھڑی آ گئی۔ مہامن چارودیوا کا قافلہ اب ان کی نگاہوں کی زد میں تھا۔ مہرشی نے موسیقاروں کو حکم دیا تو انھوں نے اجتماعی طور پر "سواگتم سواگتم" کی دھن بجانی شروع کر دی۔

مہامن چارودیوا نے یہ سب دیکھا تو انھیں وشواس نہیں ہوا کہ ایک رشی کسی عام انسان کے سواگت کے لیے یہ سب کر سکتا ہے۔ ایک طرف تو وہ خوش تھے لیکن کہیں نہ کہیں انھیں کچھ شرمندگی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ انھیں یہ خبر تو تھی کہ ان کا استقبال ہوگا لیکن انھیں اس بات کا اندازہ بالکل نہیں تھا کہ ان کا سواگت اتنے وسیع پیمانے پر ہوگا۔ مہرشی نے سواگت کا یہ سارا انتظام کسی بڑے نگر کے مہاپالک کے شایانِ شان کیا تھا۔

مہامن چارودیوا اور ان کے قافلے کے دل من کے پھاٹک پر پہنچتے ہی مہرشی آگے بڑھے اور مہامن چارودیوا کو پھولوں کا ہار پہنایا۔ جواب میں مہامن اور مہاپالنی نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر ان کا ابھی وادن کیا۔ مہرشی نے سر کی ہلکی سی جنبش کے ساتھ ان کے ابھی وادن کو سویکار کیا اور مہامن کا ہاتھ پکڑ کر اگنی بیدی پر لے گئے۔ دونوں نے وہاں بیٹھ کر مہادیو کی پوجا میں منتروں کا پاٹھ کیا۔ اس رسم کے پورا ہونے کے بعد انھیں اور مہاپالنی کو منڈپ میں بٹھایا گیا۔ تاماس اب کافی حد تک ٹھیک تھا۔ مہرشی کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان کے اشارہ کرنے پر وہ اپنے لڑکھڑاتے پیروں پر چلتے ہوئے منڈپ تک آیا اور اپنے آسن پر بیٹھ گیا۔ سماروہ کے آرمبھ میں دل من کی کچھ نوجوان لڑکیوں نے ان کے سواگت میں رنگارنگ نرتیہ پیش کیا۔ اس کے بعد ایک نرتیہ ناٹکا بھی پیش کی گئی، جس میں دکھایا گیا تھا کہ مہادیو نے کس پرکار سنسار کی سرشٹی کی تھی۔ مہامن یہ سب دیکھ کر گدگد نظر آ رہے تھے اور انھیں خوش دیکھ کر مہرشی سپت منو بھی کافی پرسن نظر آ رہے تھے۔

دل من واسی اس سماروہ میں لگ بھگ ایک پہر تک اپنی خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ غروبِ آفتاب تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ اس کے بعد مہرشی مہامن چارودیوا، ان کے پریوار کے لوگوں اور تاماس کو لے کر دل من کی سب سے اونچے ٹیلے پر بنے ہوئے کوٹ

کے پالک پر اساد میں لے گئے جہاں ان کے افراد خاندان کے ساتھ ساتھ ان کے خاص خاص لوگوں کے رہنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

(چھ)

نگر پالک چارو دیوا کی ہار اور مردوک کی جیت کے بعد دھول دیپ کی صورت یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ نئے نگر پالک مردوک نے شہر پر اپنا قبضہ مکمل ہوتے ہی پرانے کے قانون کی منسوخی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس نے اپنے لوگوں سے ایک نیا قانون تیار کروایا تھا، جو ال بابلون کے سابق حکمراں حمورابی کے قانون سے کافی مماثلت رکھتا تھا۔ اس قانون کے تحت انسانوں کی خرید و فروخت کو قانونی حیثیت دیتے ہوئے تجارت کا ایک حصہ قرار دیا گیا تھا۔ نوعمر لڑکیوں کو خرید کر یا ایسا چاہنے والے خاندانوں سے دان میں حاصل کر کے انھیں مندروں میں دیوتاؤں کی داسی کی حیثیت سے رکھا جانا اور پجاریوں کی مرضی کے مطابق ان کے ہمہ جہت استعمال کو قانون کے دائرے میں لایا گیا۔ شادی بیاہ، مرنا جینا اور دیگر سماجی رسوم میں بھی بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کی گئیں۔

جلد ہی اس نئے قانون کا معاشرے پر اثر بھی ہونے لگا تھا۔ اب لوگ پرانے رسم و رواج کی پیروی میں خوف محسوس کرنے لگے تھے۔ انھیں ہر لمحہ اس بات کا خیال رکھنا پڑتا تھا کہ ان کے کسی عمل سے حکمراں طبقے کو کوئی شکایت نہ ہو جائے۔ وہ ان کی ناراضگی مول لے کر اپنی زندگی کو کسی مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ بیشتر لوگ محسوس کرنے لگے تھے کہ نئے نگر پالک نے ان کی آزادی سلب کر لی ہے اور ایک طرح سے آزاد رہتے ہوئے بھی وہ ان کے غلام ہیں۔

اس نئے قانون کے نفاذ کے بعد بڑی تعداد میں یہاں کے لوگ شہر چھوڑ کر دوسری جگہوں پر آباد ہونے لگے تھے۔ ان میں تاجروں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی، جنھیں اب ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ ان ودیشیوں کی سرپرستی میں رہتے ہوئے اب ان کے لیے تجارت کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بڑے تاجروں کا رخ دل من اور ہڑپّا کی جانب تھا، کیونکہ انھیں معلوم ہوا تھا کہ دل من اب پہلے جیسا ایک ترقی یافتہ شہر ہے۔ اس طرح شہر چھوڑنے والوں میں بانیش اور اس کا

خاندان بھی شامل تھا، جو ایک تاریک رات میں نہایت خاموشی کے ساتھ دل من کی سمت روانہ ہو گیا تھا۔ لیکن عام ناگرکوں کی زیادہ تعداد کا رخ دریائے مہاندی اور گوداوری کے کناروں پر آباد بستیوں کی جانب تھا، جس کے بارے میں انھوں نے سن رکھا تھا کہ وہاں کے نگرپالک بہت مہربان ہیں اور اپنے ناگرکوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

مردوک نے معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے کاموں کی تقسیم بھی کر دی تھی۔ اب لوگ اپنی مرضی کا کام کرنے کے لیے آزاد نہیں تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے ایسا کرنے کی ترغیب مہرشی سپت منو کے تحریر کردہ گرنتھ سے ملی تھی، لیکن لوگوں کو اس کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ اس نئے قانون کی رو سے ہر باپ کا بیٹا صرف وہی کام کر سکتا تھا، جو اس کا باپ ابھی تک کرتا آیا تھا۔

اب معاشرہ واضح طور پر چار حصوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ ایک حصہ وہ تھا جو تعلیم و تعلم سے وابستہ رہتے ہوئے علم و ادب کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے والا تھا۔ انھیں 'مہامانو' قرار دیا گیا۔ یہ طبقہ سماج کا سب سے معزز اور لائق احترام طبقہ تھا اور خود نگرپالک پر بھی یہ ذمہ داری عاید کی گئی تھی کہ اس طبقے کے لوگوں کو وہ اپنے مشیروں میں شامل کرے، ان کے مشوروں کو غور سے سنے اور ان پر عمل کرے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو صاحب مرتبہ سمجھا گیا تھے جو شہر کی حفاظت کے لیے اپنے جانوں کی بازی لگانے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اب دائمی طور پر ان کا پیشہ جنگ و جدال ٹھہرا۔ یہ بھی کہا گیا کہ آئندہ جو شخص بھی نگرپالک کا عہدہ سنبھالے گا، اس کا تعلق اسی طبقے سے ہونا ضروری ہوگا۔ تیسرا طبقہ تجارت پیشہ لوگوں پر مشتمل تھا، جن کی اہمیت اس لیے بھی مسلم تھی کہ ان کے کندھوں پر شہر کی معیشت کا انحصار تھا۔ چوتھے طبقے میں بچے ہوئے تمام لوگوں کو شامل کر دیا گیا تھا کہ ان کے نقطہ نظر سے سماج کی تعمیر میں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ ان لوگوں کا کام بیان کردہ تینوں طبقوں کے لوگوں کی خدمت کر کے اپنی روزی روٹی حاصل کرنا تھا۔ خدمت کے علاوہ ان پر ہر طرح کے کاموں کے کرنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ ایک طرح سے یہ طبقہ غلاموں پر مشتمل تھا، جن کی نہ تو اپنی کوئی رائے تھی اور نہ ہی وہ اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکتے تھے۔ انھیں یہ تاکید بھی کی گئی تھی کہ جس کے ذمے جو کام سپرد کیا گیا ہے، اس سے سرمو انحراف جرم ہوگا اور ایسے مجرموں کو سخت سے سخت اور عبرت ناک سزائیں دی جائیں گی۔

یہ اعلان بھی کیا گیا کہ جو لوگ ان شرائط کو ماننے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکیں، ان کے لیے بہتر ہوگا کہ جلد از جلد اس شہر کو چھوڑ کر ان کی مملکت سے دور چلے جائیں۔

مردوک کو اطلاع ملی تھی کہ نئے قوانین سے گھبرا کر شہر کے بڑے تاجر بھی رفتہ رفتہ شہر چھوڑ رہے ہیں تو وہ تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے اس سے شہر کی معیشت کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ اس نے ایک نیا حکم نامہ جاری کر کے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی سابقہ آزادی کے ساتھ اپنا کام آگے بھی جاری رکھ سکتے ہیں اور دوسری طرف اپنے ویروں کو جگہ جگہ تعینات کر دیا تھا کہ جو تاجر باہر جانے کی کوشش کریں ان کا سارا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ شہر کے لوگ نئے حاکموں کی باتوں پر بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے۔ شاید ان کا اپنا تجربہ یہی کہتا تھا کہ ان کی کہنی اور کرنی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے اس اعلان کے بعد بھی شہر سے نہ تو ناگروں کی ہجرت رکی تھی اور نہ تاجروں کی۔ ہوا بس یہ کہ اب یہ لوگ احتیاط سے رات کی تاریکی میں ویروں سے بچتے بچاتے یہ کام کر رہے تھے۔

اختتامیہ

(ایک)

دور آسمان کی بلندیوں پر گھنے بادلوں کے درمیان آباد دیولوک میں دیوتاوں کی اکثریت اتنی جلدی دل من کو دوبارہ آباد کیے جانے کے حق میں نہیں تھی۔ ان کے نقطہ نظر سے یہ روایت شکنی کی بیّن مثال تھی۔ انھیں دکھ تھا کہ اس سلسلے میں ان میں سے کسی سے کوئی مشورہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ان کے لیے یہ بات دشوار تھی کہ وہ اس بات پر یقین کریں کہ انسان میں اتنی جلدی کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔ سرشٹی کا ان کا اپنا سابقہ تجربہ کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ انسان کا سوبھاو ضدی اور اڑیل قسم کا ہوتا ہے۔ ایک بار وہ برے راستے پر چل نکلتا ہے تو بغیر کچھ سوچے سمجھے ایک کے پیچھے دوسرا بھی چلنے لگتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت اور بھی دراز ہو جاتا ہے جب کوئی بے عقل سربراہ اس راستے پر چل پڑے۔ اس کے بعد اس سلسلے کو روکنا دیوتاوں کے بس میں بھی نہیں رہ جاتا۔ انھیں اس بات کا تجربہ تھا کہ لوگ اپنے بری عادتوں کو ہی صحیح آچرن مان لیتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کچھ لوگ تو اسے مکتی کا سادھن بھی ماننے لگتے ہیں۔ دل من میں یہی سب کچھ تو ہوا تھا، جس کے کارن اسے یہ دُردِن دیکھنے پڑے تھے۔ اس کو تباہ و برباد کیے ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے، جو اس کے پنر نرمان کی بات سوچی جاتی۔

ان کا خیال تھا کہ اس کے لیے پرمپرا نوسار کم سے کم چالیس پیڑھیوں کا انتظار تو کرنا

ہی چاہیے تھا۔

لیکن انھیں اس بات کا اطمینان تھا کہ یہ روایت شکن فیصلہ خود سرو شکتی مان اور سوئیم بھو مہادیو کا تھا اور مہادیو کا کوئی فیصلہ مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ انھیں اس بات کا اعتراف تھا کہ ان کی فکر مہادیو جیسے پرم گیانی کے سامنے کمتر ہے۔ وہ سرو گیاتا ہیں۔ ان کے سامنے بھوت، ورتمان اور بھوشیہ سب ایک ہی سمے میں کھلے رہتے ہیں اور کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے، وہ سب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں، ان کے کسی کام میں رکاوٹ کھڑی کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔ پھر مہرشی سپت منو کوئی غیر نہیں، ان کے اپنے پتر ہیں۔ وہ کم گیانی نہیں ہیں۔ مہادیو نے انھیں ورتمان کا پورن گیان دیا ہے۔ وہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے گیات کر سکتے ہیں کہ ورتمان میں سنسار کے کس کونے میں کیا ہو رہا ہے۔

وہ سب جانتے تھے کہ دل من کی بربادی سے وہ خوش نہیں تھے۔ اس کے پنر زمان کے لیے انھوں نے گھور اور کٹھن تپسیا کی تھی اور ان کی اسی تپسیا سے پرسن ہو کر پرم پتا مہادیو نے انھیں دل من کی باز آبادکاری کا وردان دیا تھا۔ یہ وردان جذبات سے مغلوب ہو کر بہر حال نہیں دیا گیا ہوگا، ایسا دیوتاؤں کو وشواس تھا، کیونکہ وہ مہادیو کے سوبھاؤ کو جانتے تھے۔ پھر اس کو دوبارہ بسانے کا کام خود مہرشی نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ ان سب باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے دیوتاؤں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا اور خاموش تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اب دل من کی اس سرزمین پر کیا کچھ رونما ہوتا ہے۔

وہ ابھی تک دل من پالک کشال اور سرال کی بے راہ رویوں کو بھولے نہیں تھے لیکن اس بار انھیں کم از کم اس بات کا اطمینان تھا کہ دل من کی کمان جس شخص کے ہاتھ میں دی گئی ہے، وہ نیک، دیانت دار اور انصاف پسند ہے، مہادیو کا بھگت ہے، اقتدار کا لالچی نہیں ہے، سدیو برائیوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے، کسی بری عادت کا شکار نہیں ہے۔ اپنے نگر واسیوں کے کلیان کے لیے سدیو چنتت رہتا ہے، مانو جاتی کے لیے اس کے دل میں احترام ہے اور وہ ان کا کلیان چاہتا ہے۔ یہی سب سوچ کر انھوں نے اس بات میں اپنا پورا سہیوگ دیا تھا کہ وہ دھول دیپ سے چل کر حفاظت کے ساتھ دل من پہنچ جائیں۔ اور اب وہ مہرشی سپت منو کی درخواست پر اپنے تمام سہیوگیوں کے ساتھ دل من میں تھے اور دیوتاؤں کے

اس نگر کی کمان اپنے ہاتھوں میں لے چکے تھے۔

(دو)

اپنے پد پر آسین ہوتے ہی نگر پالک نے اپنے محسن مہرشی سپت منو سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے ان سے دست بستہ گزارش کرتے ہوئے کہا تھا "میری اچھا ہے کہ آپ دل من کے نگر گرو کے پد کو سوشوبھت کرتے ہوئے ہمارا مارگ درشن کریں"۔

اس کے جواب میں مہرشی نے کہا "وتس، میرا پریہ استھان تو دل من کے اُتر پورو میں استھت پروت ہے، جہاں میں ایکانت واس میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں سنسار کا تیاگ کر رہا ہوں اور اب اپنا سارا جیون مہادیو کی آرادھنا میں ویتیت کروں گا"۔ مہامن چارو دیوا اُن کے شری مکھ سے یہ سن کر چپ ہو گئے تو مہرشی بولے۔ "چنتا نہ کریں مہامن، میں نے دل من کو سرکشت ہاتھوں میں دیا ہے اور مجھے پورا وشواس ہے کہ وہ اس کا پورا دھیان رکھے گا"۔

(تین)

مہاکرتا سیوادرا اپنے چار عدد پریوار جنوں کے ساتھ گھنے جنگل میں بھٹک رہا تھا۔ وہ لوگ راستہ بھول گئے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انھیں کس طرف جانا چاہیے۔ وہ سمتوں کا تعین بھی نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو چکا تھا اور اس وقت بھوک سے بے حال تھے۔ انھوں نے صدق دل سے مہادیو سے پرارتھنا کی کہ وہ انھیں اس پریشانی سے نجات دلائے اور مہادیو نے ان کی یہ پرارتھنا سن لی تھی۔ اب ان کا رخ اسی سمت ہو گیا تھا جس طرف سے وہ آئے تھے۔ دن بھر چلتے رہنے کے بعد وہ جنگل سے باہر نکلے تو آس پاس کا منظر جانا پہچانا تھا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ اب وہ کیا کریں کہ انھیں تلاش کرنے والے دَل کے ایک سدسیہ نے انھیں دیکھ لیا۔ اس نے آواز دے کر اپنے ساتھیوں کو بلایا اور ان سب کو بندی بنا کر ان کے پریوار کے ساتھ نئے دھول دیپ پالک مردوک کے پاس لے گئے، جس نے اسے دیکھتے ہی حکم دیا "اس غدار کا سر قلم کر دیا جائے اور اس کے پریوار کو چھوڑ دیا جائے"۔

اس پر بیوادر نے ہاتھ جوڑ کر مردوک سے کہا۔ "میں نے آپ سے غداری نہیں کی ہے۔ میں آپ کے سامنے پرن کرتا ہوں کہ سدیو آپ کا وفادار رہوں گا اور وہی کروں گا جو آپ کہیں گے"۔

"تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ چارو دیوا اس سمے کہاں ہوگا"؟ مردوک نے اس کی وفاداری کا امتحان لینے کی غرض سے پوچھا۔

"ہاں میں بتا سکتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ اس سمے کہاں ہوں گے۔ یدھ کی تیاری کے لیے جو انتم سبھا ہوئی تھی اس میں میں بھی اپستھت تھا۔ میں نے ان سب سے کہا بھی تھا کہ ودیشیوں سے یدھ نہ کیا جائے، وہ بہت شکتی شالی ہیں اس لیے ان سے سندھی کر لینے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔ پرنتو انھوں نے میری ایک نہیں سنی۔ میں یدھ کا پرینام جانتا تھا اس لیے سبھا کے پشچات چپ چاپ اپنے گھر گیا اور یہاں سے بھاگ نکلا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب ڈھول دیپ پر آپ لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا تو واپس آ جاوں گا۔ اور اب میں آپ کے پاس آ ہی رہا تھا کہ آپ کے ویروں نے مجھے بندی بنا لیا۔ آپ کسی سے بھی پوچھ لیں، میں نے آپ کے ورُدھ یدھ میں بھی بھاگ نہیں لیا۔ میں کسی بھی مولیہ پر آپ سے شترتا مول لینا نہیں چاہتا تھا"۔ اپنی گھبراہٹ میں بیوادر مردوک کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی وفاداری ثابت کرنے میں لگ گیا تھا۔

مردوک نے اسے ٹوکا۔ "یہ سب چھوڑو، تم صرف یہ بتاؤ کہ اس سمے چارو دیوا کہاں ہو سکتا ہے"؟

"ہاں بتاتا ہوں"۔ بیوادر نے کہا۔ "اس سبھا میں، جس کی چرچا میں نے ابھی کی، یہ نرنے ہوا تھا کہ یدی کوئی انہونی گھٹنا ہوتی ہے تو ہم لوگ فرار ہو کر دل من کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے پورن وشواس ہے کہ مہامن چارو دیوا، ان کا پورا پریوار اور ان کے سمست سہیوگی اپنے اپنے پریواروں کے ساتھ اسی طرف گئے ہوں گے"۔

"پرنتو ہمارے ویروں نے دل من کا سارا راستہ چھان مارا ہے، وہ تو کہیں ملا نہیں"۔ مردوک نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ کسی اور راستے سے ادھر گئے ہوں"۔ بیوادر کی یہ عادت اب بھی برقرار

تھی کہ وہ مہامن چارو دیوا کا نام احترام سے لے۔ لیکن اسے فوراً ہی اس بات کا احساس ہوا کہ کہیں اس سے مردوک ناراض نہ ہو جائے۔ اس لیے اس نے کہا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غدار سمندر کے راستے سے بھاگا ہو۔" بیلوادر نے محتاط ہو کر اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم تمھاری بتائی ہوئی ان دونوں باتوں کو نظر میں رکھ کر اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید ہماری قسمت ہمارا ساتھ دے اور ہم اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یدی ایسا ہوا تو ہم تمھیں اس کے سامنے ہی پرسکرت کریں گے"۔ مردوک نے کہا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ویروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"یہ تو ہمارے بڑے کام کا آدمی ہے، اِسے آزاد کر دیا جائے"۔

"میں پریاس کروں گا کہ میرا یہ جیون آپ کے کسی کام آسکے"۔ بیلوادر نے کہا اور ویروں کی نگرانی میں وہاں سے باہر نکلا۔

(چار)

مہامن چارو دیوا جانتے تھے کہ خطرہ اب بھی برقرار ہے۔ مردوک جیسے اقتدار کے بھوکے شخص کو جیسے ہی اس بات کا علم ہوگا کہ چارو دیوا اب دل من کا نگرپالک ہے تو وہ دل من پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس لیے نگرپالک نے اپنے مہاویر تاماس کو خاص ہدایت دی تھی کہ وہ اپنے ویروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ کرتے ہوئے ان کی تربیت کا انتظام کرے تاکہ ہم کسی بھی طرح کے حملے کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کے لیے انھوں نے نگر کی آمدنی کا بڑا حصہ اس کام کے لیے مختص کر دیا تھا۔ انھوں نے یہ ہدایت بھی دی تھی کہ نہ صرف یہ کہ مغرب سے جدید ترین ہتھیار اور گھوڑے خریدے جائیں بلکہ دل من میں ہی گھوڑوں کی افزائش کا نظم قائم کیا جائے اور ہتھیاروں کی ہر طرح کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مقامی طور پر انھیں تیار کرنے کے کارخانے کھولے جائیں۔ انھیں پورا یقین تھا کہ تاماس دل و جان سے دل من کی حفاظت کے لیے تمام ضروری اقدام کرلے گا۔

انھوں نے مزید تحفظ کے لیے دل من کی چہار دیواری کے چاروں طرف خندقیں کھدوائیں جس میں دریائے سندھ سے مسلسل پانی آتے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ احتیاط

انھوں نے اس لیے کی تھی کہ اگر باہر کا کوئی شخص دل من پر حملہ کرتا ہے تو انھیں اپنے دفاع کے لیے صرف فصیل کے پھاٹک پر ہی توجہ دینی پڑے اور دشمن کسی اور راستے سے یا فصیل میں نقب لگا کر شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ اس طرح انھیں صرف ایک ہی محاذ پر مقابلہ کرنا ہوگا اور وہ اپنی پوری قوت کا استعمال کرتے ہوئے دشمن کو یہاں سے کھدیڑنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

دوسری طرف دھول دیپ میں مردوک کو احساس ہو چکا تھا کہ اب چارودیا کو گرفتار کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اب دل من جیسے طاقت ور اور ہر طرح سے خود مختار نگر کا نگر پالک ہے۔ اسے یہ خبر بھی ملی تھی کہ اس نے آس پاس کے تمام علاقوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا کر دل من کے انتظامیہ میں شامل کر لیا ہے۔ ان میں اس کا اپنا شہر امری کال بھی شامل تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی بھی قیمت پر چارودیا کو نیست و نابود کرے لیکن اس کے لیے اسے جس طرح کی تیاریوں کی ضرورت تھی، اس کے لیے وقت درکار تھا۔

اس کے پاس وقت کی کمی بھی نہیں تھی۔ جنگی تیاریوں کو تیز کرتے ہوئے اس نے بڑے پیمانے پر مغرب سے اپنے دوستوں کو مدعو کیا تھا اور وہ رفتہ رفتہ لوتھل بندر اور دھول دیپ پہنچ بھی رہے تھے۔ اب اس کے پاس ان کو بسانے کے لیے جگہ کا بھی کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا تھا۔ ان دونوں شہروں کا اب یہ حال ہو چکا تھا کہ بڑی تعداد میں مقامی لوگوں کے شہر چھوڑ جانے کے سبب اب یہاں کے مول نواسی کم اور باہر سے آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو چکی تھی۔ اس نے شہر میں امن بحال کرنے کے بعد اپنی پوری توجہ فوجی تیاریوں میں صرف کرنی شروع کر دی تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ اس کے پاس اتنی بڑی فوج ہو جائے کہ وہ دل من کو شکست دے سکے اور چارودیا سے امری کال میں ملی شکست کا بدلہ لے سکے۔

دھول دیپ چھوڑنے کے بعد وہ لوگ جو مہاندی اور گوداوری کے کناروں پر آباد بستیوں کی طرف روانہ ہوئے تھے، کم از کم اس حد تک تو خوش ہی تھے کہ وہاں پر مکمل امن و امان تھا۔ وہاں کے لوگ غریب ضرور تھے لیکن ایک دوسرے سے محبت کرنا جانتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہاں پر وہ آزادی سے اپنے عقائد، اپنی روایات اور اپنے پرانے رسم

رواج کی پیروی کر سکتے تھے اور اس پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں تھا۔

لیکن جنوب کے برعکس شمال مشرق میں ایسا لگ رہا تھا کہ اس خطہ زمین سے امن کی حکمرانی ختم ہو چکی تھی۔ ہر جگہ جنگی سرگرمیاں تیز ہوتی نظر آ رہی تھیں اور اس بات کو خارج امکان نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہاں عنقریب ایک اور بڑی جنگ کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

(ناتمام)

یعقوب یاور کے دوسرے ناول

دِل مَن

یہ سندھ ثلاثیہ کا پہلا ناول ہے، جس میں تہذیب سندھ کے پس منظر میں ایک عورت کی داستان انتقام رقم کی گئی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن اردو میں ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس وقت سے اب تک اس کے اردو میں تین ایڈیشن، ہندی میں دو ایڈیشن اور انگریزی میں دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دھول دیپ اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔

عزازیل

یہ ناول ابلیس کے سوانح حیات پر مبنی ہے۔ اس میں عزازیل کا وہ میدان عمل پیش کیا گیا ہے، جہاں اس کے ذہن کی تعمیر ہوئی تھی اور ان اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے جو آدم کو سجدے سے انکار کا سبب بنے تھے۔ آدم کے زمین پر قدم رکھتے ہی اس ناول کا اختتام ہو جاتا ہے۔

جہاد

گجرات کے ۲۰۰۲ء کے فسادات کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں پر جو نفسیاتی اثرات مرتب ہوئے اس کی بنیاد پر اس ناول کا خمیر تیار ہوا ہے۔ اردو کے علاوہ ہندی میں بھی اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مطالعے کی یادداشتیں
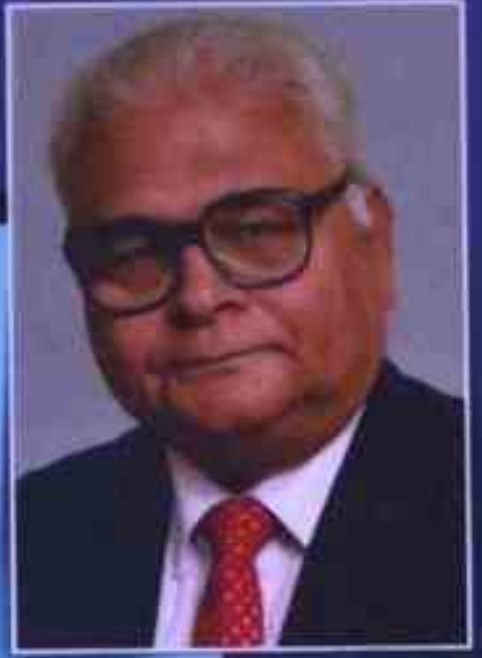
دِل مُن

باوجود اس کے کہ دِل مُن کی زبان ہندی اور سنسکرت آمیز ہے، اس کے پڑھنے میں مجھے وہی مزہ آیا جو راہی معصوم رضا کے مشہور و معروف سیریل مہابھارت دیکھنے میں آیا تھا۔ اس سیریل کا شاید ہی کوئی ایپی سوڈ مجھ سے چھوٹا ہو۔ اس کتاب کا بھی کوئی صفحہ میری زد سے بچا نہیں ہے۔ دِل مُن تمدن سندھ کے پس منظر کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہ گرے کی ایلیجی نہیں، نہ داستانِ امیر حمزہ ہے لیکن رزم و بزم کی ہر وہ حکایت یہاں موجود ہے جو قاری سے اصرار کرتی ہے، آگے بڑھو اور آگے بڑھو۔

(یوسف ناظم)

Dhawaldeep (Novel)
by Yaqoob Yawar

arshia publications

arshiapublicationspvt@gmail.com